معاد

یا

قیامت

محسن قرائتی

نام کتاب ——— معاد یا قیامت

مؤلف ——— حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محسن قرائتی

ترجمہ ——— گروہ ترجمہ

اصلاح ——— سید احتشام عباس زیدی

کتابت ——— یعقوب ہندی

ناشر ——— ادارہ ترجمہ واشاعت

سازمان فرہنگ وارتباطات اسلامی

ISBN 964-472-082-2

فہرست

۱- عرض ناشر ۱۹

۲- مقدمہ ۲۰

کتاب کی خصوصیتیں ۲۱

۳- معاد کا مقام ۲۳

فطرت کی جڑیں اور بنیادیں ۲۴

فطری احساسات کی صحیح رہبری ۲۷

انبیاء کیا کہتے ہیں؟ ۲۸

انبیاء کی زبانی خدا کے جوابات ۲۸

۴- مُردوں کا زندہ ہونا محال نہیں ۳۱

ایک قرآنی نمونہ ۳۲

۵- معاد کے امکانی نمونے ۳۵

پہلا واقعہ ۳۵

دوسرا واقعہ ۳۶

٦۔ معاد کی پہلی دلیل "عدل الٰہی"	۴۲
سوال	۴۳
جواب	۴۳
دوسرا جواب	۴۴
اسلام میں اقدار کا معیار	۴۵
ایک وضاحت	۴۶
تیسرا جواب	۴۷
دنیا میں ہی سزا کے نمونے	۴۸
دنیا ہی میں جزا کے نمونے	۵۱
چوتھا جواب: نظام زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے	۵۲
پانچواں جواب: دنیا میں سزا دینا کم لطفی ہے	۵۳
چھٹا جواب: فوری جزا و سزا بھی ناانصافی کا سبب ہو جاتی ہے۔	۵۴
خلاصۂ بحث	۵۶
قرآن اور عدل الٰہی	۵۷
دوبارہ زندہ ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔	۵۸
ہم خود منتشر ذروں سے بنے ہیں۔	۵۹
بنیادی مشکل	۶۰
۷۔ معاد کی دوسری دلیل حکمت الٰہی	۶۲
وہ دسترخوان جس کے خدمت گزار ملائکہ ہیں۔	۶۴
دسترخوان طبیب کے ساتھ۔	۶۴
ایک سچا واقعہ	۶۹
مقام افسوس	۷۰

۸- بے دینوں کو دعوت	۷۱
۹- عقیدۂ معاد کا کردار	۷۶
قیامت اور اقتصاد	۷۷
قیامت اور جنگی مسائل	۷۷
قیامت اور اہل طاغوت و سیاست سے مقابلہ	۷۹
قیامت اور سماج کے کمزور طبقات	۸۱
قیامت اور اخلاقی کمالات	۸۳
کیا قیامت پر ایمان کافی ہے	۸۴
معاد کی یاد کے آثار	۸۶
موت کی یاد - دعا و مناجات میں	۹۰
ہم موت کو یاد کیوں نہیں کرتے ؟	۹۲
۱۰- انکار معاد کے محرکات	۹۳
ذمہ داری سے گریز	۹۳
خدا کے علم و قدرت پر ایمان نہ ہونا	۹۶
دوسرا بہانہ	۹۶
ایک اور بہانہ	۹۷
موت بھی الٰہی قانون ہے ۔	۹۹
موت معصوم کی نگاہ میں	۱۰۰
موت کے طریقے	۱۰۳
اچھے لوگ اچھی موت	۱۰۳
اچھے لوگ سخت موت	۱۰۳
بُرے لوگ اچھی موت	۱۰۴

برے لوگ بری موت ۱۰۴
موت کی قسمیں ۱۰۵
۱۱- کیا کریں کہ موت کا ڈر نکل جائے ۱۱۴
۱۲- توبہ ہی راہ نجات ہے ۱۱۷
توبہ کا مفہوم ۱۱۷
توبہ کے پہلو ۱۱۹
توبہ اور اس کے شرائط و اقسام ۱۲۱
بہترین نکتہ ۱۲۳
توبہ کے راستے ۱۲۴
خاموش امداد اور صدقہ ۱۲۵
ہجرت اور جہاد ۱۲۵
گناہانِ کبیرہ سے دوری ۱۲۵
نیک کام ۱۲۶
قرض دینا ۱۲۶
تقویٰ ۱۲۷
چند مفید باتیں ۱۲۷
۱۳- موت کے وقت ۱۳۲
اچھا انجام اور برا انجام ۱۳۲
انسان کی عاقبت خراب کیوں ہوتی ہے ۱۳۶
غرور و تکبر ۱۳۶
دنیا کی محبت ۱۳۶
گناہ ۱۳۷

اعتقادی جھگڑیں نہ ہونا	۱۳۸
۱۴۔ وصیت	۱۴۰
وصیت کی اہمیت	۱۴۱
دس یاد دہانیاں	۱۴۲
بہتر ہے وصیت پر بھروسہ نہ کیا جائے	۱۴۳
وصیت محبوبیت کا ذریعہ	۱۴۴
وصیت کبھی واجب بھی ہوتی ہے	۱۴۴
حق وصیت کی مقدار	۱۴۵
وصیت بدشگونی نہیں	۱۴۵
وصیت عاقلانہ ہو	۱۴۵
مثالی وصیتیں	۱۴۶
نتیجۂ بحث	۱۴۹
۱۵۔ احتضار کے لمحے	۱۵۱
حضرت علی علیہ السلام کا بیان	۱۵۲
اچھوں کی موت	۱۵۶
بدکاروں کی موت	۱۵۸
آسان موت	۱۶۲
اولیاء خدا سے ملاقات	۱۶۳
۱۶۔ قبض روح کون کرتا ہے؟	۱۶۵
موت کے وقت ہماری ذمہ داری	۱۶۷
۱۷۔ جنازہ کی ہمراہی	۱۷۰
دردناک پیغامات	۱۷۲

مسئلۂ کفن	۱۷۴
غسل و تدفین	۱۷۵
۱۸۔ عالم برزخ	۱۷۶
دیکھیں قرآن کیا کہتا ہے ؟	۱۷۸
عالم برزخ	۱۸۱
عالم برزخ کی زندگی	۱۸۳
ایک قابل توجہ مثال	۱۸۴
قبر میں سوال	۱۸۷
قبر میں کیا سوال ہوگا ؟	۱۸۷
کس سے سوال ہوگا ؟	۱۸۸
سوال کے بعد کیا ہوگا ؟	۱۸۹
قبر میں عذاب یا لذت	۱۸۹
برزخ کے ساتھی	۱۹۰
بشارتیں	۱۹۱
عذاب و ثواب قبر	۱۹۱
کیا اہل برزخ کے حالات قابل حس ہے ؟	۱۹۲
برزخ میں عذاب کے اسباب	۱۹۲
ایک سبق آموز واقعہ	۱۹۳
بعض مومنوں پر برزخ میں عذاب کیوں ؟	۱۹۵
برزخ میں فلاح و سعادت کے اسباب	۱۹۶
تحفے اور ایصال ثواب	۱۹۹
۱۹۔ قبروں کی زیارت	۲۰۲

موت کے بعد نیکیاں ۲۰۳
جب صور پھونکا جائے گا ۲۰۴
۲۰۔ نظام آفرینش درہم برہم ہو جائے گا ۲۰۶
آسمان کی حالت ۲۰۷
چاند اور سورج کی حالت ۲۰۹
ستاروں کی حالت ۲۱۱
زمین اور پہاڑوں کی حالت ۲۱۲
پہاڑوں کی حالت ۲۱۴
۲۱۔ کیا معاد جسمانی ہے ؟ ۲۱۶
آکل و ماکول ۲۱۸
۲۲۔ قیامت میں حاضری کی کیفیت ۲۲۰
قیامت کے نام اور اوصاف ۲۲۳
وسائل کا فقدان ۲۲۹
۲۳ حساب کتاب ۲۳۲
تمام لوگوں سے سوال ہو گا ۲۳۲
تمام اعمال کے بارے میں سوال ہو گا۔ ۲۳۳
ہر حالت میں سوال ہو گا ۔ ۲۳۳
ہر جگہ کے اعمال کا حساب ۲۳۴
دو سوال انگیز آیتیں ۲۳۵
کون حساب لے گا اور کون سوال کرے گا ؟ ۲۳۶

سوال	۲۳۷
جواب	۲۳۷
حساب لینے والے آسمانی راہنما ہیں	۲۳۸
انسان کا وجدان بھی حساب لیتا ہے	۲۳۹
کس چیز کا سوال ہوگا	۲۳۹
حساب و کتاب کے انداز	۲۴۰
حساب کی کیفیت (حق الناس)	۲۴۶
وقت حساب بات چیت	۲۴۷
حساب کے وقت شرمندگی	۲۴۹
۲۴- نامۂ اعمال	۲۵۱
اعمال کا لکھا جانا	۲۵۱
نامہ اعمال کا آشکار ہونا	۲۵۲
چھان بین	۲۵۳
غم و خوشی کا منظر	۲۵۵
نامۂ اعمال کی قسمیں ہیں	۲۵۷
قیامت کی منزلیں	۲۵۸
ایک سوال	۲۵۹
یاد دہانی	۲۶۰
ناکردہ اعمال کا حساب اور جزاء	۲۶۱
توجہ	۲۶۴

کچھ لاجواب سوالات	۲۶۶
۲۵- قیامت اور اس کے گواہ	۲۶۸
پہلا گواہ خدا	۲۶۹
دوسرے گواہ انبیاء	۲۷۰
تیسرے گواہ ائمہ معصومین ؑ	۲۷۱
چوتھے گواہ فرشتے	۲۷۲
پانچویں گواہ زمین	۲۷۳
چھٹا گواہ وجدان	۲۷۵
ساتواں گواہ اعضائے بدن	۲۷۶
آٹھواں گواہ زمانہ	۲۷۸
نواں گواہ عمل	۲۷۸
۲۶- قیامت میں شکایتیں	۲۸۲
پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	۲۸۲
ایک دلچسپ واقعہ	۲۸۳
قرآن	۲۸۴
قرآن کی آیتوں سے شکایت	۲۸۵
مخالفین سے شکایت	۲۸۷
مسجد	۲۸۸
مسجد کی عظمت اور کردار	۲۸۸
مسجد کے آداب	۲۹۰

الہٰی نمائندوں کی شکایت	۲۹۰
۲۷۔ حسرت و شرمندگی کا دن	۲۹۲
حسرت کرنے والے ؟	۲۹۳
۲۸۔ جرائم کے اعترافات	۲۹۸
دنیا میں اعتراف گناہ فائدہ مند ہے	۳۰۰
قیامت میں رحمت خدا	۳۰۲
۲۹۔ میزان	۳۰۴
میزان کا مفہوم	۳۰۵
قرآن میں "میزان" کے بجائے کیوں لفظ "موازین" استعمال ہوا ہے ؟	۳۰۶
میزان کن لوگوں کے لئے ہے۔	۳۰۶
کون سے عمل وزنی اور کون سے عمل ہلکے ہیں	۳۰۷
۳۰۔ صراط	۳۰۸
قیامت کی صراط	۳۱۰
صراط کی کیفیت ؟	۳۱۱
۳۱۔ شفاعت	۳۱۴
بدر شفاعت	۳۲۳
چند نکتہ	۳۲۴
۳۲۔ نارو استمداد	۳۲۶
قیامت میں مدد کی فریاد مومنین سے امداد کی خواہش	۳۲۸
مجرمین سے مدد کی فریاد	۳۲۸

شیطان سے امداد کی خواہش	۳۳۰
اقرار گناہ	۳۳۱
۳۳۔ کفار و مجرمین کی کیفیت	۳۳۳
عقل کی کیفیت	۳۳۳
پیشانی اور آنکھوں کی حالت	۳۳۴
قیامت میں مجرموں کے چہرے	۳۳۶
مجرموں کی ناک کی حالت	۳۳۷
زبان و دہن کی حالت	۳۳۷
ایک دوسری حالت	۳۳۸
گنہگاروں کا سر جھکنا	۳۳۹
گردن کی حالت	۳۴۰
دلوں کی کیفیت	۳۴۰
پہلو اور کمر کی حالت	۳۴۱
اندرونی کیفیت	۳۴۳
کھال کی حالت	۳۴۳
دست مجرم	۳۴۵
محترم قارئین	۳۴۶
۳۴۔ جہنم کی طرف	۳۴۸
آتش جہنم کی کیفیت	۳۵۰
قیامت و دوزخ کی یاد	۳۵۵

۳۵- عذاب کے بعض اسباب	۳۵۷
قیامت کی باتیں	۳۵۹
۳۶- روحی تکلیفیں	۳۶۳
حوض کوثر	۳۶۴
جنت اور جنتی	۳۶۴
۳۷- جنت کی تصویر	۳۶۸
بہشت کے دروازے	۳۶۸
بہشتیوں کے چہرے	۳۷۰
ان کی صورت	۳۷۰
فخر کا اظہار	۳۷۱
بہشت امن کی جگہ	۳۷۱
بہشت میں شاندار جشن	۳۷۲
اہل صفا	۳۷۲
بہشت میں لغو اور بیہودگی نہیں	۳۷۳
بہشت کی فضا	۳۷۳
بہشت کی وسعت	۳۷۵
ابدی نعمتیں	۳۷۶
لباس اور زیورات	۳۷۷
استقبال کرنے والے	۳۷۷
بہشت لطف اندوزی کی جگہ	۳۷۸

بہشت قابل وصف نہیں	۳۷۹
اہل بہشت کی بیویاں	۳۷۹
بہشت کی غذائیں	۳۸۰
پینے کی چیزیں	۳۸۱
ایک موازنہ	۳۸۲
ظروف اور نہریں	۳۸۳
دوسرے نمونے	۳۸۶
۳۸۔ معنوی لذتیں	۳۸۸
بہشت کے درجات	۳۹۳
بہشت کی کلید ۔ صبر	۳۹۴
ایمان وعمل صالح	۳۹۵
تقویٰ	۳۹۵
خدا اور رسولؐ کی اطاعت	۳۹۵
ہجرت وجہاد	۳۹۶
قلب سلیم	۳۹۶
تربیتِ اولاد	۳۹۷
جو عمر جہاد میں بسر ہو	۳۹۷
بہشت سے محروم رہنے والے	۴۰۰
۳۹۔ مسئلہ ابدیت	۴۰۱
اس سے متعلق چند باتیں	۴۰۱

عمل کا مجسم ہونا	۴۰۳
دو نکتہ	۴۰۵
آخری چند دعائیں	۴۰۷

عرض ناشر

"معاد" یعنی قیامت کا موضوع اسلامی مکتب فکر میں ایک اہم ترین اصل شمار ہوتا ہے۔ مبداء اور معاد یعنی خلق کی ابتدا اور انتہا ایسی دو اصلیں ہیں جن میں پورا اسلام سمٹا ہوا ہے۔

توحید کے موضوع کے بعد معاد یعنی (خدا کی جانب) خلق کی واپسی کی منزل جس کے ذیلی موضوعات احتضار، موت، برزخ، محشر، حساب وکتاب، صراط، جنّت اور جہنم ایسے اہم موضوع ہیں جن کا ذکر کم وبیش تمام الٰہی ادیان اور آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

حوزہ علمیہ قُم کے ماہر استاد اور "سواد آموزی کی تحریک" کے سربراہ حجۃ الاسلام والمسلمین جناب محسن قرائتی نے اس موضوع پر انتہائی سادہ اور عام فہم انداز میں یہ کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

درحقیقت قیامت کے موضوع پر بہت سے مبہم سوالات اور طرح طرح کی اٹکلیں عام لوگوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہیں مؤلف محترم نے اس کتاب میں بہت سے سوالات کا مطمئن جواب دیا ہے۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی سیدنا
محمد و آلہ الطاہرین ،

خدا کے لطف و کرم سے گزشتہ چند برسوں میں چند کتابیں توحید، عدل، نبوت اور امامت کے عنوان سے کثیر تعداد میں چھپ چکی ہیں اور اسلامی جمہوریہ ایران کے زیر سایہ نسل نو میں اسلامی معارف کے مطالعہ کا جو شوق پیدا ہوا ہے اس نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ میں معاد کے موضوع پر بھی قلم اٹھاؤں اور کچھ لکھوں اس کام کے لئے پہلے میں نے پورے قرآن کا اور پھر معاد کے متعلق جو روایات تھیں ان کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا اور اس کو یاد داشت کی صورت میں قلم بند کرتا رہا پھر اسلامی جمہوریہ ایران کے ٹیلیویژن پر درس کی صورت میں یہ چیزیں نشر ہوئیں بعد میں اپنے بعض دوستوں کی مدد سے اس کو مرتب کیا اور کتاب ۔

کی شکل دے دی ۔

کتاب کی خصوصیتیں

اگرچہ معاد کے سلسلے میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں (خدا تمام صاحبان قلم کو اجر عطا فرمائے آمین) لیکن یہ کتاب چند خصوصیات کی حامل ہے ۔

۱۔ اس کتاب میں قرآن مجید سے تقریباً سات سو آیتوں اور شیعہ و سنّی کی معتبر کتابوں سے ۳۰۰ حدیثوں کا سہارا لیا گیا ہے ۔ لہٰذا ۹۵٪ یہ کتاب حدیثوں اور آیتوں پر مشتمل ہے اور یہ اس لئے ہے کہ خود اصل "معاد" کو چھوڑ کر کہ جس کو عقلی دلیلوں سے ثابت ہونا چاہئے اس کی تمام تر خصوصیتوں سے آشنائی کا صرف ایک ہی ذریعہ اور سہارا ہے اور وہ ہے وحی الٰہی ۔

۲۔ لطف خدا کے سبب عمیق مطالب کو بالکل سادہ اور آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے البتہ یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ آیات و روایات کا ذرا آزاد زبان میں ترجمہ ہوا ہے اور چونکہ مقصد لوگوں کو معاد کی حقیقت سمجھانا رہا ہے اس لئے مقام مثال میں مثالوں کے اچھے اور خراب یا کامل و ناقص ہونے کی بھی پروا نہیں کی گئی ہے ۔

۳۔ چونکہ درس و تدریس میں مطالب کے درمیان نظم و ترتیب ضروری ہے اس حیثیت سے یہ کتاب معلّموں اور ہم مشربوں کے لئے بہترین مددگار ثابت ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس کے مطالب تدریس کی روش پر مرتب کئے گئے ہیں ۔

۴۔ مفید مثالوں اور نظم و ترتیب کے علاوہ بعض جدید مطالب بھی آیات و

روایات کی روشنی میں بیان ہوئے ہیں اگر اس کتاب سے آپ کو کچھ فائدہ پہنچ جائے تو الٰہی راہنماؤں پر درود بھیجئے کہ جنھوں نے کلام وحی کی وضاحت و تفسیر کر کے ہماری راہ روشن کر دی ہے اور ان علماء کے لئے دعا کیجئے گا کہ جنھوں نے صدیوں اپنا خون دل پی کر انبیاء کی میراث کو بچایا ہے۔ ہم اپنے کام سے حاصل ہونے ثواب کو (اگر اس میں ثواب ہو) ان شہداء کی روحوں کو ہدیہ کرتے ہیں کہ جنھوں نے اپنا پاک و پاکیزہ خون بہا کر ہمارے لئے ایسے مسائل نشر کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کی وسیع راہ فراہم کی ہے۔

ہمارا اسلام و درود ہو خصوصاً آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپؐ کے برحق بارہ معصوم اماموں اور جانشینوں پر ہمارا اسلام ہو رہبر کبیر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ اور ان اساتذہ پر جن کے سامنے میں نے زانوئے ادب تہہ کئے ہیں۔ ہمارا اسلام ہو جنگ تحمیلی کے شہداء، اُسراء مفقودین اور ان تمام افراد پر جن کا حق ہماری گردنوں پر ہے اور خداوند متعال کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے ہوئے کہ حق کو باطل پر اور کمزوروں کو مستکبروں پر کامیابی و سربلندی عطا فرمائے اس مقدمہ کو ختم کرتا ہوں۔

میرے پروردگار اس کتاب کو اس دن کے لئے ذخیرہ قرار دے کہ جس کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

محسن قرائتی

معاد کا مقام

ہر انسان کی عقل وفطرت میں مسئلہ معاد قابل توجہ مقام رکھتا ہے اس لئے کہ کون ہے کہ جس کے ذہن میں یہ سوال نہ اٹھتا ہو یا جاننا نہ چاہتا ہو کہ اس دنیا اور انسان کا مستقبل کیا ہے؟ ہمارا آخری انجام کیا ہوگا؟ زندگی کا نتیجہ ومقصد کیا ہے؟ جی ہاں یہ وہ سوالات ہیں جو سب کے ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔

اس کے دو جوابات ہم پیش کرتے ہیں:

الف: تمام الٰہی ادیان ومذاہب "ان استدلالات کی بنیاد پر جن کو بعد میں ہم بیان کریں گے" دنیا اور انسان اور اس کے اعمال وجستجو کا انجام نہایت ہی روشن وتابناک اور روح پرور جانتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

" وانّ الی ربّک المنتھٰی "[1] بے شک تمہارا انجام واختتام تمہارے پروردگار کی طرف ہے

---

[1] ۔ سورۂ نجم / ۴۲

ب: مادی مکاتب فکر دنیا اور انسان کا مستقل تاریک اور فنا و ہلاکت سے دوچار مانتے ہیں۔ اور ظاہر ہے یہ نقطۂ نظر کتنا خطرناک اور مایوس کن ہے، اس کے علاوہ ان مکاتب فکر کے پاس اپنے عقائد کے سلسلے میں کوئی علمی دلیل بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

"وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر وما لهم بذالك من علم ان هم الا يظنون"[۱]

"یعنی جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور کہتے ہیں: زندگی اس چند روزہ دنیا کے سوا کچھ نہیں ہے ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور اس کے بعد بھی زمانہ ہے جو ہم کو ہلاک و نابود کرتا ہے لیکن ان کی یہ باتیں کسی دلیل اور علم کے سبب نہیں ہیں بلکہ صرف ان کا وہم و خیال ہے اور بس"

فطرت کی جڑیں اور بنیادیں

اگرچہ بعض لوگ زبان سے معاد کا انکار کرتے ہیں، لیکن اگر معاد کے منکرین موت کو انسان کی فنا سمجھتے ہیں تو ان اعمال کی کیا توجیہ کریں گے؟ اور جب وہ لوگ موت کو فنا اور نابودی کہتے ہیں تو ان ہی کے بقول مُردے کے احترام کا مطلب "ہیچ" یا "کسی نہ پائی جانے والی چیز کا احترام ہوگا۔ مُردے کے نام کا مطلب ہے فنا و نیستی کا نام، کس لئے ایک فنا اور نابود شدہ "لاشئ" کے لئے بڑے بڑے مقبرے (اور سمادھیاں) بناتے ہیں، ان کی

۱۔ سورۂ جاثیہ/۲۴

قبروں (اور ارتھی) پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں اور مُردوں کے نام پر اپنی چیزوں کے نام رکھتے ہیں! جی ہاں۔ یہ سب اس بات کی علامت ہیں معاد کے منکرین کے دلوں میں بھی انسانی روح اور انسانیت و شخصیت کی بقا کا (معمولی سطح پر سہی) تصور پایا جاتا ہے۔ جو اس کی موت پر ختم نہیں ہوتا۔ بات ذرا اور واضح کر دوں۔

درحقیقت اگر موت فنا اور نابودی کا نام ہے تو طول تاریخ میں مردوں کو ممی کر کے رکھنے کا جو رواج رہا ہے اس کے کیا معنیٰ ہوں گے؟

ناآگاہانہ طور پر اپنے اندر انسان کی ابدیت کا احساس کرتے ہیں اور کبھی کبھی اپنے آپ ایسی علامتیں ظاہر کرتے ہیں کہ جو اس بات کی دلیل ہیں کہ مرنے اور جسم کے سڑگل جانے کے باوجود یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ان کی حقیقی اور واقعی انسانیت ختم اور نابود ہو جاتی ہے ہم اس طرح کی علامتوں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تقریباً تمام منکرین معاد اپنے بزرگوں کی قبروں کا احترام کرتے ہیں۔

۲۔ سڑکوں، اداروں، مدرسوں، یونیورسٹیوں کو اپنے مرنے والوں کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

۳۔ تقریباً سبھی چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کا نام اچھائی کے ساتھ لیا جائے۔

۴۔ اپنی اولاد کا نام بزرگوں کے نام پر رکھتے ہیں۔

۵۔ کبھی اپنے مُردوں کے جسموں کو ممی کر دیتے ہیں تاکہ خراب نہ ہو۔

اگر یہ لوگ موت کو فنا اور نابودی سمجھتے ہیں تو کیوں دنیا کی مختلف قومیں اپنے بزرگوں کے نام پر بچوں کا نام رکھتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں؟ اگر کوئی ان کے بزرگوں کی قبر کے ساتھ بے احترامی کرتا ہے تو لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور ان کی قبروں پر فلک بوس عمارتیں کھڑی کرتے ہیں حتیٰ اپنے مُردوں کے ساتھ سونا، چاندی شمشیر اور لباس وغیرہ

بھی دفن کر دیتے ہیں آخر یہ سب کیوں ؟

کیا کوئی شخص اس بات پر راضی ہے کہ اپنے فرزند کا نام "ہیچ" اور "کچھ نہیں" قرار دے ، یا کسی "کچھ نہیں" کی قبر پر لات مار دینے کے سبب جنگ پر آمادہ ہو جائے ۔ یا کسی "کچھ نہیں" کی قبر پر مقبرہ بنائے یا کسی "کچھ نہیں" کے ساتھ سونا چاندی دفن کرے یا کسی کچھ نہیں کے نام پر فخر کرے کیا کوئی انسان اس بات کے لئے تیار ہے کہ وہ کسی "کچھ نہیں" یا "نیستی" کی قبر کا احترام کرے ؟[1] ۔ جی ہاں ! انسان خود اپنے اندر فطری طور پر بقا کا احساس رکھتا ہے اور شوق و رغبت کے وسائل میں سے ایک تاریخ میں نیک نامی کو بھی قرار دیتا ہے ۔

یہ تو ہوا انسانی احساس کا ایک رخ دوسری طرف دنیا کا تقریباً ہر انسان اپنے اندر احساس غربت رکھتا ہے ، یہ دنیا اس کی نگاہ میں تنگ نظر آتی ہے ، بیوی بچوں ، سیر و تفریح اور مسافرت وغیرہ میں وقتی طور پر اپنے آپ کو مشغول و سرگرم کر لیتا ہے پھر کچھ دنوں بعد وہ اپنے اندر ایک کمی کا احساس کرنے لگتا ہے آسائش کے تمام اسباب و وسائل موجود ہوں پھر بھی اس کی سیری نہیں ہوتی ، کبھی خودکشی کی فکر پیدا ہوتی ہے تو کبھی اپنے آپ سے سوال کرتا ہے آخر اس خلقت کا مقصد کیا ہے ؟ میں کیوں ہوں ؟ یہ تمام کے تمام درونی خلفشار و انتشار اس بات کی علامت ہیں کہ یہاں انسان "غربت کا احساس کرتا ہے اور یہ دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود اس کے لئے تنگ ہے ۔ جسم اس کے لئے ایک قفس اور دنیا اس کے لئے ایک قید خانہ ہے ، اور یہ درونی احساس اس روز پر ایمان لانے کے لئے خود زمین فراہم کرتا ہے کہ جس دن انسان سیر ہو جائے گا اور اس کی تمام آرزوئیں اور مقاصد حاصل ہو جائیں گے ۔ اس لئے کہ ہر باطنی ضرورت اور خواہش

[1] ۔ جیسا کہ دنیا میں ماؤزے تنگ (چین) ، اسٹیلین (روس) گاندھی (ہندوستان) وغیرہ جیسے مردہ حاکموں کی قبروں کا احترام کیا جاتا ہے اور اس پر پھول چڑھائے جاتے ہیں ۔

احساس، اور شور و انتشار کا جواب بیرونی دنیا میں موجود ہے مثلاً پیاس کا احساس پانی رفع کرتا ہے، شہوت کا احساس شادی کے ذریعے تکمیل پاتا ہے اسی طرح یہ غربت کے احساس کو بھی معاد پر یقین کے ذریعہ تسکین ملتی ہے۔

فطری احساسات کی صحیح رہبری

انسان کے تمام درونی احساسات کا دو طرح سے جواب اور مداوا کیا جا سکتا ہے :

۱ :۔ وقتی یا جھوٹا خیالی جواب۔

۲ :۔ دائمی یا استدلالی ۔ سچا جواب۔

مثال

جس شخص کو پیاس لگی ہو اس کی صاف و شفاف چشمہ آب کی طرف بھی ہدایت و رہنمائی کی جا سکتی ہے اور کسی سراب کی طرف بھی راہ دکھائی جا سکتی ہے جہاں دور سے پانی محسوس ہوتا ہے۔ مگر ریت کے سوا کچھ نہیں ہوتا یا ایک بچہ کو جسے بھوک لگی ہوئی ہو اس کے منہ میں دودھ سے بھرا ماں کا پستان بھی لگایا جا سکتا ہے اور دودھ کے بجائے خشک چوسنی بھی اس کے منہ میں دی جا سکتی ہے۔

جی ہاں! ہر طرح کے واقعی اور صادقانہ احساسات کا دو طریقے سے جواب دیا جا سکتا ہے واقعی و دائمی جواب یا وقتی اور جھوٹا جواب۔ نہج البلاغہ کے ۱۴۷ ویں خطبہ میں حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں :

رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگوں کو بتوں کی پرستش سے

نکال کر وحدہ لاشریک کی پرستش اور مخلوق کی اطاعت سے جدا کر کے خالق کی اطاعت کی طرف ہدایت کے لئے دنیا میں آئے تھے جی ہاں! خود انسان کے وجود میں عبادت و عشق کی جڑیں موجود ہیں اگر ان درونی خواہشات اور باطنی احساسات کی صحیح رہنمائی نہ کی گئی تو وہم و خرافات میں پڑ جائیں گے۔

انبیاءؑ کیا کہتے ہیں ؟

اب تک ہماری گفتگو یہ تھی کہ تمام انسان خود اپنے وجود کے اندر ہمیشگی کا احساس رکھتے ہیں اور ان میں بقا کی خواہش پائی جاتی ہے اور اس احساس کا صحیح و مثبت جواب دلیلوں کے ساتھ دیا جانا چاہیئے اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں ؟ البتہ اس وقت ہم ان جوابات کا محض ایک سرسری خاکہ پیش کر رہے ہیں انشاء اللہ آئندہ صفحات میں ان جوابات کی دلیلیں بھی بیان کریں گے۔

انبیاءؑ کی زبانی خدا کے جوابات

۱:۔ انسان کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے :

"افحسبتم انما خلقناکم عبثاً" [۱]

۲:۔ انسانی تخلیق کا مقصد بہت عظیم ہے اور وہ یہ کہ انسان تمام راہوں کے درمیان

---

[۱] ۔ سورۂ مومنون / ۱۱۵

سے راہ حق کا انتخاب کرے اور تمام قسموں کی بندگی و خود سپردگی چھوڑ کر خدا کے سامنے تسلیم ہو جائے اور صرف اسی کی بندگی کرے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[۱]"۔

۳۔ انسان کی اپنے تمام اہداف و مقاصد میں کامیابی کے لئے تمام مادی امکانات اس کے سپرد کر دیئے گئے ہیں اور ساری چیزیں اس کے قبضۂ قدرت میں دے دی گئیں ہیں :

"سخر لکم مافی السمٰوات والارض[۲]"۔

۴۔ انسان کو متنبہ اور آگاہ کر دیا گیا ہے کہ تمھارے ہر اچھے بُرے کام کا چاہے وہ جن حالات اور مقدار میں بھی ہو حساب ہوگا : فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ[۳]"۔

۵۔ انسان کا انجام خود اس کے اعمال پر منحصر ہے :

"کل نفس بما کسبت رھینۃ[۴]"۔

۶۔ حتیٰ انسان کے کان آنکھ اور دل یعنی سماعت، بصارت اور قلب و دماغ سے سوال ہوگا : ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا[۵]"۔

۷۔ خداوند نیکو کاروں کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا : ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین[۶]

یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے انسان کے فطری و قلبی احساسات کے جواب میں بیان کی ہیں چنانچہ ان تمام بیانات کے پہلو بہ پہلو عقلی دلیلیں بھی ہیں جنھیں ہم انشاء اللہ آئندہ حصوں میں بیان کریں گے لیکن پہلے بہتر ہے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا

۱۔ سورہ ذاریات / ۵۶
۲۔ سورہ حج / ۶۵
۳۔ سورہ زلزال / ۷ و ۸
۴۔ سورہ مدثر / ۳۸
۵۔ سورہ اسراء / ۳۶
۶۔ سورہ توبہ / ۱۲۰

بنیادی طور پر معاد ایک واقعیت ہے یا کوئی انہونی چیز ہے ؟ یعنی عقل کے اعتبار سے محال نہیں ہے اور جب معاد کا امکان ہم پر واضح ہو جائے تو ہم دیکھیں کہ اس کے وقوع کی دلیل کیا ہے ؟ کیونکہ تنہا وجود کا امکان کافی نہیں ہے بلکہ ہر ممکن کام کے لئے جب تک کوئی دلیل نہ ہو وہ واقع نہیں ہوتا ۔ اور پھر تیسرے مرحلے میں اس بارے میں گفتگو ہوگی کہ معاد کے لئے کوئی رکاوٹ اور مانع بھی نہیں ہے ۔ پروردگار مجھے خالص فکر، رواں قلم، آسان طرز بیان اور قصد قربت عطا فرما تاکہ تیری مرضی و خوشنودی کے مطابق اس کتاب کو مرحلۂ تکمیل تک پہنچا سکوں ۔

مُردوں کا زندہ ہونا محال نہیں

طول تاریخ میں کسی نے بھی معاد کے واقع نہ ہونے پر کوئی علمی دلیل پیش نہیں کی ہے معاد کا انکار کرنے والے صرف ایک ہی بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہ ایک مردہ انسان کہ جس کے جسم کے اجزار بوسیدہ اور منتشر ہو چکے ہوں دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتے ہے ؟

چنانچہ عقل و قرآن کا جواب یہ ہے کہ انسان دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے اس کا پھر سے زندہ ہونا عین ممکن ہے، یہ بات فکر کے لحاظ سے بھی قابل تصور ہے اور ہم دن رات مُردوں کے زندہ ہونے کا بھی نمونہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

امام (محمد تقی) جواد علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"سونا اور جاگنا اس کا بہترین نمونہ ہے جو ہمیں مرنے اور اس کے بعد زندہ ہونے کو سمجھاتا ہے۔ اس لئے کہ موت فقط ایک طویل اور گہری نیند کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بہار و خزاں نباتات کے زندہ اور مردہ ہونے کا ایک دوسرا نمونہ ہے۔

سورۂ فاطر میں خداوندعالم کا ارشاد ہے کہ اللہ ہی وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا تاکہ وہ بادلوں کو منتشر کردے اور ہوا بادلوں کو شہروں اور مردہ زمینوں تک پہنچا دیتی ہے اور وہ بادل مردہ شہروں پر برسنے کے بعد اسے زندہ کر دیتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے "کذالك النشور" یعنی مُردوں کا زندہ ہونا بھی اسی طرح ہے جیسے درخت اور مردہ زمین کا زندہ ہونا۔[۱]

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "واحيينا به بلدة ميتا كذالك الخروج"[۲] ہم نے بارش کے پانی سے مُردہ شہروں اور (زمینوں) کو زندہ کیا ہے اسی طرح کل تمھیں بھی روز قیامت زمین سے نکالیں گے۔

اس بنا پر ہمارے سامنے دن رات اور ہر سال و موسم میں مخلوق کے زندہ ہونے کے نمونے موجود ہیں اور زندہ ہونے کا مسئلہ ہمارے لئے (ان تمام عظمتوں کے باوجود) آسان و ممکن دکھائی دیتا ہے۔

ایک قرآنی نمونہ

کسی شخص نے ایک بوسیدہ ہڈی دیوار سے نکال کر اسے ہاتھوں سے بالکل مسل کر آٹے کی طرح بنا دیا (اور بہت ہی غرور و نخوت سے) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ کون ہے جو ان بوسیدہ اور منتشر ہڈیوں کے اجزا کو دوبارہ زندہ کرے گا؟ (من يحيى العظام وهي رميم) خداوندعالم پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ اس سے کہہ دیجئے وہی خدا جس نے پہلی مرتبہ اسے پیدا کیا ہے دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے:

۱۔ فاطر/۹   ۲۔ ق/ ۱۱

" قل یحییھا الذی انشأھا اوّل مرۃ " (یٰس/۷۹، ۸۰)

اگر کوئی موجد یا صنعتکار کہے کہ میں اپنے کارخانہ اور مشین کی ایک ایک چیز از سرِ نو کھول کر اسے دوبارہ جوڑ سکتا ہوں تو اس کا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کسی کا وجود میں لے آنا دوبارہ بنانے سے اہم ہے جو کسی کو وجود دے سکتا ہے دوبارہ بنا بھی سکتا ہے۔

منکرین معاد عام طور سے دو باتیں کہتے ہیں:

اوّل: کیا بوسیدہ ہڈیاں پھر سے زندہ ہوسکتی ہیں؟!

" وقالوا ءاذا کنا عظاماً و رفاتاً ءانا لمبعوثون خلقاً جدیداً "[1]

اور کہتے ہیں کہ جب ہم (بوسیدہ) ہڈی اور ریزہ ریزہ خاک میں تبدیل ہو جائیں گے کیا دوبارہ نئی مخلوق بنا کر اٹھائے جائیں گے۔"

دوم:- یہ کہ اگر یہ بات مان بھی لیا جائے کہ بوسیدہ ہڈیاں کا پھر سے زندہ ہونا ممکن ہے تو یہ کام کس کے ذریعہ انجام پائے گا؟

" فسیقولون من یعیدنا؟ قل الذی فطرکم اوّل مرۃ "[2]

عنقریب یہ لوگ پوچھیں گے ہمیں کون دوبارہ واپس لا سکتا ہے تو ان لوگوں سے کہہ دو کہ جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔

اگر ایک کچی اینٹ بنانے والا مزدور کہے کہ میں اس اینٹ کو توڑ کر اسی مٹی سے از سرِ نو ویسی ہی اینٹ پھر سے بنا دوں گا تو کیا اس کے اس قول پر کسی کو تعجب ہوگا؟!

جو لوگ مُردوں کے منتشر اجزاء دوبارہ یکجا ہو کر زندہ ہونے کو بعید سمجھتے ہیں اصل

---

[1] سورہ اسراء/۴۹

[2] سورہ اسراء/۵۱

آفرینش میں شک کیوں نہیں کرتے اس لئے کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے، کیا ہوائی جہاز کا بنانا اہم ہے یا اسے کھول کر اس کے منتشر اجزاء کو پھر سے ترتیب دے دینا۔

جس نے ہوائی جہاز بنایا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں اس ہوائی جہاز کو کھول کر اس کے پرزوں کو الگ الگ کر کے پھر سے بنا دوں گا تو کیا اس میں شک کی کوئی گنجائش ہے ؟

ہرگز نہیں ــــــ کیوں کہ ایک مشین کھول کر پھر سے بنانا اس کے ایجاد کے تقابل میں زیادہ آسان ہے جو شخص مشکل کام انجام دے چکا ہے وہ آسان کام بھی انجام دے سکتا ہے ۔ (اگرچہ خدا کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں ہے)

قرآن کریم اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

"هو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیده وهو اهون علیه[۱] "

"وہ ایسا خدا ہے کہ جس نے خلقت کی ابتدا کی اور پھر دوبارہ ان کو پیدا کرے گا اور دوبارہ واپس لانا تو اس کے لئے بہت آسان ہے "

---

[۱]۔ سورۂ روم/ ۲۷

معاد کے امکانی نمونے

قرآن کریم نے بھی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ مُردوں کا پھر سے زندہ ہونا محال نہیں ہے بہت سے نمونے پیش کئے ہیں۔ منجملہ ان کے دو آیتوں میں یکے بعد دیگرے دو نبیوں کے قصے کہ جن کا نام عزیرؑ اور ابراہیمؑ ہے نقل کیا ہے ہم بطور خلاصہ ان دونوں واقعات کو بیان کرتے ہیں:

پہلا واقعہ

حضرت عزیرؑ[1] چلے جا رہے تھے کہ آپ کا گزر ایک ویران بستی کی طرف سے ہوا

---

[1] ۔ بعض لوگ دوسرا نام بتاتے ہیں لیکن عزیر ہی کے نام سے معروف ہیں ۔

آپ نے حیرت کے انداز میں نہ کہ انکار کے طور پر فرمایا خداوندا! تو ان لوگوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا ؟! تو خدا نے ان کو وہیں سو سال کے لئے موت دے دی۔ اور پھر زندہ کیا اور پوچھا: یہاں کتنی دیر ٹھہرے؟ تو انھوں نے فرمایا ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم فرمایا نہیں! تم یہاں سو سال سے ہو، ذرا اپنے گدھے کی طرف تو دیکھو جس پر تم سوار تھے اور اپنے ساتھ جو کھانا پانی لائے تھے اس کو دیکھو اور قدرت خدا کا مطالعہ کرو کہ اس نے اس کھانے پانی کو کہ جسے ایک آدھ دن میں ہی خراب ہو جانا چاہئے تھا سو سال تک خراب نہیں ہونے دیا اور پھر ذرا تم اپنے گدھے کی مڑی گلی بوسیدہ ہڈیوں کی طرف دیکھو، ہم تمھارے ہی سامنے اسے زمین سے کھڑا اور اس پر گوشت و پوست چڑھا کر اس میں روح کیسے پھونکتے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نشانی و عبرت قرار پائے۔ جب گدھے کا زندہ ہونا اور سو سال تک کھانے پانی کا خراب نہ ہونا دیکھا تو کہا: میں جانتا ہوں کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے[۱]۔

دوسرا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گزر ایک دریا کے کنارے سے ہوا دیکھا کہ ایک لاش پڑی ہوئی ہے کہ جس کا ایک حصہ دریا اور دوسرا حصہ خشکی میں تھا اس کو دریائی اور صحرائی جانور نیز مختلف قسم کے پرندے کھا رہے ہیں۔

جب انھوں نے یہ منظر دیکھا تو خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ معبودا! قیامت کے دن مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا ؟ (جبکہ اس لاش کے اجزاء دریا، صحرا، اور فضا میں منتشر ہو چکے.

۱۔ سورہ بقرہ / ۲۵۹

ہیں اور بدن کا ہر حصہ دوسرے جانوروں کے بدن کا جز بن چکا ہے) اس وقت خدا نے ابراہیم سے پوچھا: کیا تم قیامت اور میری قدرت پر ایمان نہیں رکھتے؟

عرض کی ایمان تو ہے لیکن مشاہدہ کے ذریعہ اطمینان چاہتا ہوں (کیونکہ استدلال اور منطق سے فکر کو اور تجربہ اور مشاہدہ سے دل کو سکون ملتا ہے)

خدا نے ابراہیم سے فرمایا کہ چار عدد پرندے پکڑ لو اور ذبح کر کے سب کے گوشت آپس میں مخلوط کر دو اور مختلف پہاڑوں پر رکھ کر پھر ان میں سے ہر ایک کو آواز دو (پھر دیکھنا کس طرح یہ آپس میں جڑے ہوئے ذرات بدن ایک دوسرے سے جدا ہو کر کس طرح دوبارہ اپنی اصل شکل اختیار کر کے) تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرغ، کبوتر، مور اور کوّے کو پکڑا ذبح کیا کوٹ کر قیمہ بنا ڈالا اور آپس میں ملا کر دس مختلف پہاڑوں پر رکھ دیا پھر ہر ایک کو آواز دی گوشت کے ذرات پہاڑوں کی چوٹیوں سے آکر اپنے سروں سے آ کے مل گئے جناب ابراہیم کے سامنے ہر ایک نے اپنی پرانی شکل اختیار کر لی۔

جی ہاں! خداوند عالم حضرت ابراہیم جیسے طالب علموں جو ابتدائی اور متوسط درجۂ کمال سے آگے بڑھ کر اعلیٰ منزلوں میں قدم رکھ چکے ہیں اپنے کارخانۂ قدرت اور نظام ہستی کی مخصوص تجربہ گاہوں میں لے جاتا ہے اور وہ مشاہدات کے ذریعہ یقین کی نعمت سے مالا مال ہوتے ہیں لیکن ہم اپنے جیسے انسانوں کو جنھوں نے ابھی ابتدائی زینوں پر قدم رکھا ہے۔ شہود، حضور، معراج و ملکوت میں سے کسی پر بھی یقین حاصل نہیں کیا ہے۔ یہ بات سمجھانے کے لئے کہ منتشر ذرّوں سے کس طرح کوئی شئی وجود میں آسکتی ہے چند آسان مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ا۔ گائے چارہ کھاتی ہے اور اس کے اجزا سے دودھ بنتا ہے۔

سورہ بقرہ / ۲۶۰

۲ ۔ انسان روٹی کھاتا ہے اور اس سے آنسو، خون ہڈی بال، ناخن اور گوشت وغیرہ بنتے ہیں ۔

۳ ۔ بہت سے کپڑے ایسے دھاگوں سے بنے ہوئے ہیں کہ جو انسان نے پٹرولیم سے بنائے ہیں ۔

۴ ۔ دھات جب پگھلائی جاتی ہے تو اپنے اندر موجود تمام خام چیزیں ۔ میل اور جھاگ وغیرہ باہر نکال دیتی ہیں ۔

۵ ۔ جب کسی برتن میں پکے ہوئے دودھ کو متھا یا بلویا جاتا ہے تو برتن کے ارد گرد گھی کے منتشر ذرّے یکجا ہو جاتے ہیں ۔

آپ اس بات کو مان لیتے ہیں کہ گائے کا غذائی نظام چارہ سے دودھ نکال سکتا ہے، انسان تیل سے دھاگہ بنا سکتا ہے اور وہ ظرف جس میں کڑھا ہوا دودھ ہے ہلاکر چربی کے منتشر ذروں کو ایک جگہ جمع کیا جا سکتا ہے لیکن جب آپ سے کہا جاتا ہے کہ خدا زمین کو حرکت دے گا "اذا زلزلت الارض زلزالها" اور ہماری بوسیدہ ہڈیاں جہاں کہیں بھی ہوں گی ایک جگہ جمع ہو جائیں گی تو اسے آپ قبول نہیں کرتے ؟!

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ واضح اور مختصر چند آیتیں پیش کرتا ہوں :

۱ ۔ کما بدأکم تعودون[۱]"

جس طرح تمہیں ابتداء میں خلق کیا ہے اسی طرح پھر زندہ کئے جاؤ گے ۔

۲ ۔ ولقد علمتم النشأۃ الاولیٰ فلولا تذکرون[۲]"

اے قیامت کا انکار کرنے والو ! جب تم اپنی پہلی خلقت کو جانتے ہو تو

---

[۱] ۔ اعراف / ۲۹ [۲] ۔ واقعہ / ۶۲

پھر اس میں غور اور اس سے نتیجہ کیوں نہیں حاصل کرتے ہٹ دھرمی سے کام کیوں لیتے ہو"

۳۔ فلینظر الانسان مم خلق، خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب انہ علی رجعہ لقادر[۱]"

انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے (پس وہ خدا جس نے تمھیں ایسے پانی سے پیدا کیا ہے) یقیناً وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

۴۔ "الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی[۲]"

(جس خدا نے تمھیں نطفہ سے پیدا کیا ہے) کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر دے؟"

۵۔ افعیینا بالخلق الاوّل بل ھم فی لبس من خلق جدید[۳]"

کیا ہم پہلی خلقت سے عاجز تھے کہ یہ لوگ نئی خلقت اور دوبارہ زندہ کرنے کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں"

اگر ایک معمار تمھارے لئے ایک خوبصورت گھر بنانے کے بعد یہ کہے کہ میں اس گھر کو منہدم کر کے پھر سے بنا لوں گا تو کیا اس میں شک کی گنجائش ہے؟

۶۔ "اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض قادر علی ان یخلق مثلھم[۴]"

---

[۱] ۔ طارق / ۴ ۔ ۸   [۲] ۔ قیامت / ۴۰

[۳] ۔ ق / ۱۵   [۴] ۔ اسراء / ۹۹

کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے وہ خدا اسی طرح لوگوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے ؟

۷ ۔ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا[1] ۔

(جو شخص معاد کا قائل نہیں ہے) کیا یہ انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی ہم نے ہی اسے پیدا کیا ہے (اس وقت) جبکہ یہ کچھ بھی نہیں تھا ۔

اگرچہ ہم نے قرآن سے استدلال کیا ہے لیکن قرآن، ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ جو شخص شب و روز، ماہ و سال اس کی قدرت کے تماشے دیکھتا رہتا ہے کیا وہ بھی اس کو بعید از عقل سمجھتا ہے ۔

چونکہ میں نے آسان اور مختصر لکھنے کا ارادہ کیا ہے اس لئے اس ضمن میں قرآن کے دوسرے واقعات مثلاً اصحاب کہف اور اس خداشناس جماعت کا واقعہ جو ۳۰۹ سال تک سوتی رہی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں ۔

۲ ۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے عرض کیا کوئی بھی کام جو انجام پاتا ہے اس کے تین مرحلے ہوتے ہیں پہلا مرحلہ اس کے وقوع کے امکان کا ہے جس کی ابھی ہم نے وضاحت کی ہے کہ معاد کا واقع ہونا ناممکن قرار نہیں دیا سکتا ۔ دوسرا مرحلہ دلیل کا ہے یعنی صرف دوبارہ زندہ ہوسکنے کا امکان پایا جانا کافی نہیں ہے دلیل بھی چاہیئے مثلاً انسان بہت سے کام انجام دے سکتا ہے یا ممکن ہے انجام دے لیکن ان کاموں کے سلسلہ میں کوئی دلیل بھی ضروری ہے، کوئی کام بلاوجہ نہیں ہوتا ۔ پانی کا پینا ہم سب کے امکان میں ہے لیکن جب تک پیاس نہیں لگے گی پانی نہیں پئیں گے، بولنا، راستہ چلنا اور باقی تمام کام ہمارے امکان میں ہیں لیکن جب

---

[1] ۔ مریم / ۶۷

کوئی علت یا دلیل نہ ہو (عاقل) انسان وہ کام انجام نہیں دیتا اس بنا پر ہر ممکن کام امکان کے علاوہ دلیل بھی چاہتا ہے چنانچہ اس منزل میں ہم اگر خداوند متعال کی طرف سے توفیق شامل حال ہوئی تو قیامت کی دلیلوں کو آسان، سادہ اور مختصر طور پر تحریر کریں گے اس لئے کہ قیامت کے بارے میں بہت سی کتابیں تفصیل کے ساتھ لکھی جا چکی ہیں۔

خداوند کریم ان لکھنے اور پڑھنے والوں کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

معاد کی پہلی دلیل

عدل الٰہی

معاد یعنی قیامت کے بارے میں قرآن اور عقل نے کچھ دلیلیں پیش کی ہیں، منجملہ دلیلوں کے ایک عدل الٰہی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ خداوند متعال عادل ہے اگر قیامت یعنی روز حساب نہ ہو تو خدا کی عدالت پر حرف آئے گا کیوں کہ خدا اور انبیاء کے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں لوگ دو راہوں میں بٹے ہوئے ہیں کچھ اطاعت گزار ہیں کچھ نافرمان، قرآن نے اس حقیقت کو سورہ تغابن میں بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"فمنکم کافر ومنکم مومن۔"[1]

"تم میں سے کچھ لوگ مومن اور کچھ کافر ہو گئے"

---

[1] تغابن / ۲

دوسری طرف دنیا میں یا تو اعمال کی حقیقی جزا ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو پھر جزئی طور پر نظر آتی ہے، دیر یا سویر اچھے برے سبھی لوگ دنیا سے چلے جائیں گے اس صورت میں اگر حساب و کتاب قیامت میں نہ لیا جائے اور مرنے کے بعد سبھی لوگ نابود ہو کر رہ جائیں تو پھر خدا کے عدل کا کیا ہوگا؟ جی ہاں! چونکہ خدا عادل ہے اور دنیا میں واقعی جزا و سزا بھی نہیں ہے لہذا کوئی دوسری جگہ حساب و کتاب کے لئے ہونا چاہیئے۔

سوال

خدا دنیا ہی میں جزا کیوں نہیں دیتا؟ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ معاملہ نقد ہو جاتا؟ اور ہر نیکوکار اور بدکار آدمی کے حساب و کتاب کا اس دنیا میں فیصلہ ہو جاتا تاکہ قیامت کی ضرورت ہی نہ ہوتی؟ اس سوال کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں ہم ان میں سے بعض کی طرف بطور خلاصہ اشارہ کرتے

پہلا جواب

اس لئے کہ اگر دنیا میں سزا دی جائے گی تو اس سے دوسرے بھی متاثر ہوں گے۔
مثال کے طور پر میں نے کسی مظلوم کو طمانچہ مارا اور خدا نے سزا کے طور پر اسی دنیا میں میرے ہاتھ کو مفلوج کر دیا جب میں اپنے گھر جاؤں گا تو میرے تمام متعلقین یہ دیکھ کر رنجیدہ ہوں گے حالانکہ ان لوگوں کا اس میں کوئی گناہ نہیں ہے جی ہاں دنیا اثر و تاثیر کی جگہ ہے ہمارے رنج و خوشی سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں اگر جزا دنیا ہی میں ہو تو یہ شاید دوسروں کے ساتھ ناانصافی ہو لیکن قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ

جائیں گے اور ہر شخص کو صرف اپنی ہی فکر ہوگی اور قرآن کے مطابق: حتیٰ ہر شخص اپنے فرزند اور زوجہ سے فرار کرے گا اور صرف اپنی ہی نجات کی فکر میں ہوگا اگر قیامت میں مجرم پر کوئی بلا یا عذاب ہوگا تو دوسرے اس سے متأثر نہیں ہوں گے۔

ممکن ہے کوئی کہے ٹھیک ہے اب ہم کہتے ہیں مجرم کو (دنیا میں) سزا نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کے اعزہ واقارب رنجیدہ ہو جائیں گے!!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً اگر چور کے ہاتھ صرف اس لئے نہ کاٹے جائیں یا اسے صرف اس لئے کوڑے نہ لگائے جائیں کہ اس سے اس کے اعزہ کو اذیت ہوگی تو ان فاسد افراد کی وجہ سے معاشرہ میں خوف وہراس پیدا ہوگا جو خود ایک نا انصافی ہے کہ ہم ایک مجرم کے اعزہ کے رنجیدہ نہ ہونے کی خاطر سارے معاشرہ کے امن وامان کو خطرہ میں ڈال دیں لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم معاشرہ کی مصلحت کو افراد کی مصلحت پر مقدم رکھیں۔

دوسرا جواب

فوری سزا کی صورت میں لوگوں کی آزادی سلب ہو جائے گی۔ اگر خدا دنیا ہی میں سزا یا جزا دے تو لوگ خوف وہراس یا ترس اور طمع میں آکر اچھے کام تو انجام دیں گے لیکن اس قسم کی خوبی یا اچھائی قہری ہوگی جس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے انسان آزاد ہو اور گناہ نہ کرے تب کمال ہے اور اگر ایسا ہو کہ جب بھی کوئی شخص نیک کام کرے اور خدا اس کے بدلے میں باغ و محل اور مال و منصب وغیرہ دنیا میں ہی اسے عطا کر دے تو سارے لوگ زاہد، عابد اور مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی انسان کا شرف اس کی آزادی اور انتخاب سے وابستہ ہے ورنہ قہری عبادت کے لئے تو لاکھوں ملائکہ موجود تھے

خدا نے انسان کو پیدا کیا تاکہ ہوا وہوس اور اطاعت و بندگی میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرے

اسلام میں اقدار کا معیار

بنیادی طور پر قرآن ان لوگوں کی زیادہ تعریف کرتا ہے جو حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہوں اور باطل کی کشش کے باوجود خواہشات نفسانی کو کچل کر راہ خدا کا انتخاب کرتے ہیں قرآن میں ایسے بہت سے نمونے موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک طرف حسین و جمیل جناب یوسفؑ ہیں اور دوسری طرف بند کمرے میں زلیخا اقدام کے لئے تیار لیکن جناب یوسفؑ "معاذاللہ" کہہ کر اپنے دامن کو بچا لیتے ہیں[1]

جناب ابراہیم تقریباً سو سال تک فرزند کے متمنی رہے اور اس دوران اس قدر دعا کی کہ خدا نے انھیں اسماعیل جیسا فرزند عطا کیا اب اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اے ابراہیمؑ! تم اپنے ہاتھوں سے اس فرزند کو راہ خدا میں ذبح کر دو، اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ ایسے دوراہے پر کھڑے ہیں کہ ایک طرف بیٹے کی محبت ہے اور دوسری طرف فرمان الٰہی کی تعمیل۔

اس سخت مرحلے میں خواہشات کو قربان کر کے فرمان الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں یہ ہے انسان کی وہ بلند مقامی جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے: "فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ"[2]، جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا

حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہما السلام افطار کے وقت اپنے اپنے کھانے بھوکے ہونے کے باوجود فقیر کو دے دیتے ہیں اور غذا کے بغیر صرف پانی سے افطار کر لیتے ہیں

۱۔ سورۂ یوسف / ۲۳ ۲۔ صافات / ۱۰۳

اس ایثار اور خدا ترسی کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: "ویطعمون الطعام علی حبہ"[۱] (خود حاجت مند ہوتے ہوئے اپنا کھانا اللہ کی مرضی کی خاطر ... دے دیا۔

یہ وہ مردانِ خدا ہیں جو رات کی تاریکی میں جب انسان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اپنا بستر چھوڑ کر مناجات و استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

قرآن اس بارے میں فرماتا ہے: "تتجافی جنوبھم عن المضاجع"[۲] "وہ لوگ اپنے پہلوؤں کو بستر سے دور رکھتے ہیں"۔ "وبالاسحار ھم یستغفرون"[۳] اور سحر کے وقت استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ عمل کی قدر و قیمت کا معیار اللہ کی نظر میں یہ ہے کہ انسان بالکل آزاد ہو کر مادی رجحان و خواہشات کے باوجود خدا کی راہ اور عبادت کا انتخاب کرے ورنہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ اگر انسان زبان رکھتے ہوئے غصہ کے موقع پر کوئی غلط بات نہ کرے تو یہ قابل قدر ہے لیکن جو انسان گونگا ہو یا عام حالات میں کسی کو برا بھلا نہ کہتا ہو تو اس کا ایسے موقع پر خاموشی باعث کمال نہیں ہے۔

ایک وضاحت

ہو سکتا ہے اس جزا و سزا میں آپ کہیں اگر دنیا ہی میں جزا و سزا کی صورت میں ہو تو چونکہ لوگ جزا کی طمع یا سزا کے خوف کی وجہ سے نیک اور اچھے ہو جائیں گے اس لیے اس طرح کی

۱۔ سورہ دھر/۸ ۲۔ سورہ سجدہ/۱۶

۳۔ سورہ ذاریات/۱۸

خوبی کوئی اہمیت نہیں رکھتا تو اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جنت کا وعدہ اور جہنم کا خوف انسان کے اچھے بننے میں اثرانداز نہیں ہوتا ؟

جواب یہ ہے کہ جنت یا دوزخ ہمارے سامنے نہیں ہے لہٰذا یہ طمع اور خوف انسان کے بننے اور سنورنے میں اس طرح اثرانداز نہیں ہوتا کہ وہ جبر و اکراہ کا احساس کرے ان دونوں میں وہی فرق ہے جو دو ایسے قرض داروں کے درمیان پایا جاتا ہے کہ جن میں سے ایک کو کل ہی اپنا قرض ادا کرنا ہے اور ایک کو کئی ماہ کی مہلت قرض کی ادائیگی کے لئے حاصل ہے جسے فوراً قرض چکانا ہے جبر و اکراہ کے ساتھ ہی قرض لیتا ہے لیکن وہ شخص جسے کئی مہینے بعد قرض ادا کرنا ہے وہ پریشان نہیں ہوتا

جی ہاں ! فوری کیفر و پاداش اور تاخیر سے ایک وقت معینہ پر دی جانے والی جزا و سزا میں انسان ایک قسم کا فرق محسوس کرتا ہے۔ اس بنا پر خداوند عالم نے کیفر و پاداش بعد میں رکھا ہے تاکہ لوگوں پر کسی طرح کا دباؤ نہ ہو اور پوری آزادی کے ساتھ خواہشات نفسانی اور باطل راہوں کو چھوڑ کر راہ حق کا انتخاب کریں۔

تیسرا جواب

دنیا میں جزا و سزا ممکن بھی نہیں ہے، یہ سوال کہ خدا نے اس دنیا میں جزا و سزا کیوں نہیں دی ؟ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ دنیا محدود ہے اور اس کی محدودیت کی وجہ سے نیک اور برے لوگوں کو سزا و جزا دنیا میں ممکن نہیں ہے۔

مثلاً پیغمبر اسلام ؐ نے نسل بشر کو صدیوں کی گمراہی، شرک اور جہل و تفرقہ سے نجات دلائی اس کی جزا دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو انعام کے طور پر پیغمبرؐ کی خدمت میں پیش کی جائے کیا دنیا میں شہد اور کباب سے بہتر کوئی غذا، ریشم سے بہتر کوئی فرش اور ہوائی جہاز

سے بہتر کوئی سواری ہو سکتی ہے ؟

کیا یہ غذا فرش اور سواری وہ اچھی چیزیں نہیں ہیں جن سے کبھی کبھی بلکہ اکثر برے لوگ بھی فائدہ اٹھایا کرتے ہیں ؟ تو اب ہنیمبر کی جزا اور پاداش کیا ہوئی ؟! کیا وہ شہید کہ جس نے مقدس ہدف کے لئے اپنی جان دی کیا وہ اس وقت دنیا میں موجود ہے کہ اسے صلہ یا انعام دیا جاسکے ؟

اسی طرح کبھی ایسے ظالم افراد پیدا ہوتے ہیں کہ جو ہزاروں بے گناہ لوگوں کا قتل کرتے ہیں ایسے لوگوں کو دنیا میں کیسے سزا دی جاسکتی ہے ؟ اگر یہ فرض بھی کریں کہ اسے پھانسی دے دیں گے تو اس کی یہ پھانسی صرف ایک شخص کا بدلہ قرار پائے گی اور باقی ہزاروں بے گناہ لوگوں کے خون کا کیا ہوگا ؟

دنیا میں ہی سزا کے نمونے

یہاں یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اس وقت ہماری گفتگو کلی طور پر ہر اچھے اور برے عمل کی جزا و سزا دنیا میں ہی دیئے جانے سے متعلق ہے اس میں اور ان جزئی سزاؤں میں مخصوص حالات کے تحت بعض افراد یا گروہ کو دی جاتی ہے کوئی منافات نہیں پائی جاتی چنانچہ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا مجرموں کو ان کے کچھ اعمال کا مزہ اسی دنیا میں چکھا دیتا ہے، ارشاد ہوتا ہے :

"ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون[۱] "

---

[۱] ۔ سورہ روم/۴۱

لوگوں کے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے خشکی اور تری ہر جگہ فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کے کچھ اعمال کا انھیں مزہ چکھا دے تو شاید یہ لوگ پلٹ کر راستے پر آجائیں۔

بہت سی آیتیں ہیں جو مجرموں کے بارے کہتی ہیں:

"لھم فی الدنیا خزی"[۱] گنہگار لوگ دنیا میں بھی ذلیل و خوار اور شرمندہ ہیں۔ لیکن اس قسم کی سزائیں حقیقت میں اس کے بعد پیش آنے والے عذاب و کیفر کا ایک حصہ ہیں کہ جن کا مزہ یہاں چکھایا گیا ہے مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں جو قرآنی آیتیں ہیں ان سے استفادہ کریں۔

"لھم عذابٌ فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الآخرۃ اشق"[۲]

"ان کے لئے زندگانی دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اور زیادہ سخت ہے"

سورۂ طٰہٰ میں اس بیان کے بعد کہ جو میرے ذکر سے بھاگے گا ہم اسے ایک سخت زندگی میں گرفتار کر دیں گے، ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اس کی دنیاوی سزا ہے:

"ولعذابُ الآخرۃ اشد و ابقیٰ"[۳]

"آخرت کا عذاب یقیناً سخت اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے"

قرآن میں دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

"ولنذیقنّھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون"[۴]

۱۔ بقرہ/۱۱۴، مائدہ/۴۱ ۲۔ رعد/۳۴

۳۔ طٰہٰ/۱۲۷ ۴۔ سجدہ/۲۱

یقیناً ہم انھیں بڑے عذاب سے پہلے معمولی عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید
اپنے خطاؤں کو دیکھ کر راہ راست پر پلٹ آئیں "۔

سورۂ حج میں اس شخص کے بارے میں جو بغیر دلیل و برہان کے (حق کے مقابلہ میں اپنے تکبر کی خاطر) جو کچھ سنتا ہے اس سے انکار کے ساتھ ساتھ فخر کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"لہ فی الدنیا خزی و نذیقہ یوم القیمۃ عذاب الحریق"[1]
ایسے بغیر علم کے دعویٰ کرنے والے اشخاص کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے
اور قیامت کے دن بھی ہم انھیں جہنم کا مزہ چکھائیں گے"

قرآن میں دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے:

"لنذیقھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا و لعذاب الآخرۃ اخزی"[2]
ہم نے قوم عاد کے درمیان جس نے اپنے پیغمبر کے مقابلہ میں تکبر کیا تھا تیز و تند اور سرد
آندھی ان کی نحوست کے دنوں میں بھیج دی لیکن یہ ان کے تکبر کی سزا کا ایک حصہ
ہے جو زندگانی دنیا کے لئے ہے اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ رسوا کن عذاب چکھیں گے"

یہاں تک جتنی آیتیں ہم نے نقل کی ہیں ان کا تعلق اس بات سے ہے کہ خداوند عالم کبھی مجرموں کو ان کے بچھلے اعمال کی سزا اس دنیا میں دیتا ہے لیکن جزا اور سزا کی اصل جگہ روز قیامت ہے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ روایتوں میں بھی بعض اعمال کے ذیل میں دنیوی سزاؤں کا ذکر ملتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

"جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے اور خدا والدین
کی بے احترامی، لوگوں پر ظلم و ستم اور لوگوں کے خدمات کے مقابلہ میں ناشکری

---

[1] سورہ حج/۹ [2] فصلت/۱۶

وغیرہ پر قیامت کے بجائے اسی دنیا میں عذاب کا مزہ چکھاتا ہے[۱]۔

دنیا ہی میں جزا کے نمونے

نامناسب نہ ہوگا اگر دنیا میں ملنے والے ثواب اور جزا کے بھی چند نمونے یہاں نقل کر دیئے جائیں اگرچہ اصل جزا اور بدلے کی جگہ آخرت ہے اس لئے کہ یہ دنیا اچھوں کی جزا اور بروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے ناکافی ہے۔

سورۂ آل عمران میں انبیا کی حمایت کرنے والے سپاہیوں کی شہامت و استقامت کو بیان کرنے کے بعد اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

فاتیهم الله ثواب الدنیا حسن ثواب الآخرة "[۲]

خدا نے انھیں ثواب دنیا (اور فتح کامرانی) عطا کی اور آخرت کا بہترین ثواب بھی دیا"

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بھی ایسا ہی ملتا ہے:

"وآتیناه فی الدنیا حسنة"[۳]

"ہم نے دنیا میں ابراہیمؑ کو نیکی عطا کی"

دنیا ہی میں بڑے رسولوں اور ان کے طرفداروں کی نصرت کا ذکر بھی پایا جاتا ہے:

"انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰة الدنیا"[۴]

۱۔ سفینۃ البحار ۔ بق ۔ ۲۔ آل عمران / ۱۴۲
۳۔ نمل / ۱۲۲ ۔ ۴۔ غافر / ۵۱

"ہم اپنے رسولؐ اور ایمان لانے والوں کی اسی دنیا میں مدد کرتے ہیں"
جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دنیا میں سزا کا حق ادا ہو جانا ممکن نہیں ہے اگر کسی آیت میں جزا و سزا کا ذکر بھی ہوتا ہے تو یہ محض نمونے عنوان سے بیان کر دیئے گئے ہیں ورنہ اصل جزا و سزا تو آخرت ہی میں ممکن ہے۔

چوتھا جواب

نظام زندگی درہم برہم ہو جاتا

یہ سوال کہ خدا دنیا میں جزا و سزا کیوں نہیں دیتا، اس کے تین جوابات دیئے جا چکے ہیں اب چوتھا جواب سورہ نحل آیت ۶۱ سے پیش کر رہا ہوں، ارشاد ہوتا ہے:

"ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمہم ما ترک علیہا من دابۃ ولکن یؤخرہم الی اجل مسمی"
اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم و گناہ کی بنا پر سزا دیتا تو روئے زمین پر ایک بھی رینگنے والے[1] کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک معین مدت تک کے لئے ڈھیل اور مہلت دے کہ عذاب میں تاخیر کر دیتا ہے۔

---

[1] ۔ ظاہراً یہ آیت تمام بے گناہوں کو شامل ہے جس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ معصومینؑ اور دیگر بے گناہ موجودات مثلاً حیوانات کہ جہاں ظلم یا گناہ پایا ہی نہیں جاتا دوسروں کے گناہوں کی وجہ سے کیوں نابود ہوں؟ یوں تو بہت سے جواب ہیں لیکن ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر خدا لوگوں کو ان کے

اسی سے ملتی جلتی آیت سورۂ فاطر میں بھی ہے :

"ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیٰ ظہرھا من دابۃ"[1]

اگر خدا تمام انسانوں کو (ان کے اعمال کی وجہ سے) دنیا میں سزا دیتا تو روئے زمین پر کوئی بھی باقی نہ رہتا اور بنیادی طور پر بشری زندگی کا نظام درہم برہم اور پھر انسان کی زندگی کا ہی کلی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس بنا پر حکمت و ارادۂ خداوندی یہ ہے کہ انسان نامی یہ آزاد و خود مختار مخلوق ایک مدت تک روئے زمین پر زندگی بسر کرے اور اس کو اس کی خلاف ورزیوں پر چھوٹ دی جائے ورنہ ادھر اس سے کوئی خلاف ورزی ہوئی ادھر (خدا) نے اسے ہلاک کیا تو اس طرح کوئی بھی انسان باقی نہیں رہے گا کون ایسا ہے کہ جس نے خداوند عالم کی خلاف ورزی نہ کی ہو اب اگر خدا کی طرف سے مہلت نہ ہو تو خدا کی خلاف ورزی کی سزا نابودی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

پانچواں جواب

دنیا میں سزا دینا کم لطفی ہے

اگر چہ ہر وقت (جرم کے ساتھ ہی) دنیا میں دی جانے والی سزائیں انسان کی تنبیہ اور بیداری

← ظلم کفر اور گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرتا تو ظاہر ہے معصوم علیہ السلام کے علاوہ بہت کو ہلاکت کر دیتا اور یہ حیوانات چونکہ انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اگر خود انسان ہلاک اور اس کی نسل منقطع ہو جائے تو قہراً حیوانات بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ "المیزان ج ۱۲ ص ۲۹۹ تفسیر نمونہ ج ۱۱ ص ۲۸۰"

[1] سورہ فاطر / ۴۴

کا سبب ہو سکتی ہیں لیکن کلی طور پر دنیا میں ہر گنہگار کو کیفر کردار تک پہنچانا لطف الٰہی سے بعید ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ گنہگار توبہ کرے اور اپنی برائی کی اصلاح اور جس حق کو پوشیدہ رکھا اسے ظاہر کرے۔

ہم نے نہ جانے کتنے گنہگاروں کو دیکھا اور ان کے بارے میں سنا ہے جنھوں نے بعد میں توبہ کر لی حتیٰ بہت سے ایسے جرائم پیشہ افراد گزرے ہیں جو مرنے سے کچھ ہی پہلے اپنی روش سے باز آ گئے ہیں لہٰذا کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ انسان جو کمزور ہو اور ہوس میں اسیر اور دام شیطانی میں پھنسا ہوا ہے اسے آخری عمر تک مہلت دی جائے کہ شاید جناب حُر کی مانند ایک پل میں بدل جائے توبہ کرے اور راہ راست پر آ جائے۔

اگرچہ اس مہلت سے بعض لوگ غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اجتماعی طور پر انسان کے فائدے میں ہے اس بنا پر لطف خدا کا تقاضا ہے کہ انسان کو دنیا میں سزا نہ دی جائے اور موت آنے تک اسے توبہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

چھٹا جواب

فوری جزا و سزا کبھی ناانصافی کا سبب ہو جاتی ہے۔

کسی عمل کی جزا و سزا اسی وقت انصاف پر مبنی ہو نا ممکن ہو گا کہ محض عمل ہی پر توجہ نہ رہے بلکہ اس کے آثار و نتائج پر بھی نظر رکھیں اور جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

ونکتب ما قدّموا و آثارھم[1]

---

[1] سورہ یٰس/۱۲

ہم ان کے کئے ہوئے اعمال کے ساتھ ساتھ ان کاموں کے آثار بھی لکھتے جاتے ہیں
فرض کریں کہ ایک شخص کسی عظیم الشان مجلس میں آکر چراغ خاموش کر دے اور بھاگ جائے تو شاید یہ چراغ بجھانا ایسا جرم نہ ہو کہ اس کی سزا دی جائے بلکہ سزا کے طور پر ایک طمانچہ بھی اس کے ساتھ زیادتی قرار پائے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ چراغ بجھانے سے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں کبھی ممکن ہے اس معمولی عمل کے سبب فرش وغیرہ میں آگ لگ جائے یا اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر کوئی مسلح شخص چاقو وغیرہ سے کسی کو زخمی کر کے بھاگ لے یا اس تاریکی کی وجہ سے لوگ سیڑھیوں سے گر جائیں اور ان کے سر در دیوار سے ٹکرا جائیں۔ یا میزوں کے گرنے سے برتن وغیرہ بھی ٹوٹ سکتے ہیں اب اگر آپ نے اس مجرم کو پکڑ لیا ہے تو تنہا چراغ کی خاموشی کے مسئلہ کو نہ دیکھیں بلکہ عادلانہ سزا اسی وقت ہوگی کہ جب ان تمام نقصانات کو بھی جو اس چراغ کی خاموشی کے نتیجہ میں ہوئے ہیں شمار کریں۔

کبھی ایک شخص مہلک ہیروئین یا شفا بخش دوا ایجاد کرتا ہے تو ایسے شخص کو فوری طور پر جزا و سزا دینا عدالت کے خلاف ہے بلکہ آخر عمر تک صبر کریں اور یہ دیکھیں کہ اس شخص کی ہیروئین یا دوا سے کتنے لوگ مرے یا صحتیاب ہوئے ہیں اس کے بعد اس کا بدلہ دیں۔

یا کبھی ایک شخص ایک فیلم، کتاب، مضمون تقریر اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ (معاشرہ میں) اصلاح یا فساد پیدا کر دیتا ہے اور سالہا سال تک کے لئے لوگوں میں اچھے یا برے آثار چھوڑ دیتا ہے۔

ایسے موارد میں جزا و سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے فقط عمل کو نہ دیکھیں بلکہ زندگی کے آخری لحظہ تک انتظار کر کے عمل کے منفی یا مثبت اثرات کو دیکھ کر ہی جزا و سزا دیں اس بات کی صرف عقل ہی نہیں بلکہ قرآن و احادیث بھی تائید کرتی ہیں۔

قرآن میں تو مذکورہ سورہ یٰس کی آیت ۱۲ ہی کافی ہے جو چند سطر پہلے گزر چکی ہے

اور روایت میں ملتا ہے کہ:

"من سنّ سنّۃ حسنۃ فلہٗ اجر من عمل بھا ومن سنّ سنّۃ سیّئۃ فلہ وزر من عمل بھا"[1]

جو کوئی کسی نیک یا اچھے کام کی بنیاد رکھے تو وہ اس نیک عمل کے ثواب میں ان تمام لوگوں کے ساتھ جو اس عمل کو انجام دیتے ہیں شریک ہے بغیر اس کے کہ دوسروں کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو۔ اور اسی طرح جو بھی برے یا فاسد عمل کی بنیاد ڈالے اس عمل کے عذاب و سزا میں ان تمام لوگوں کے ساتھ جو اسی برے عمل کو انجام دیتے ہیں برابر کا شریک ہے۔

خلاصۂ بحث

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ معاد کی پہلی دلیل، عدل الٰہی ہے اور تین مقدموں سے یہ بات ثابت ہے کہ خود خدا کی عدالت کا تقاضا ہے کہ قیامت اور روز حساب ہو۔ وہ مقدمے یہ ہیں۔

۱۔ فرمان خدا و رسول کے سلسلہ میں لوگ دو طرح کے ہیں، خدا و رسول کے فرمانبردار بندے اور نافرمان بندے۔

۲۔ گزشتہ چھ جوابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ دنیا میں فوری طور پر اعمال کی جزا یا سزا مناسب نہیں ہے۔

۳۔ خداوند عالم عادل ہے اور اس کی عدالت (عدالت کے باب میں) عقلی دلائل سے

[1] سفینۃ البحار مادہ سن و بحار ج ۲ ص ۲۶۱

ثابت ہے۔ چنانچہ وہ ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزا و سزا ضرور دے گا لہٰذا جزا و سزا کے لئے کوئی جگہ بھی ہونا چاہئے اور وہ قیامت ہے۔[1]

قرآن اور عدل الٰہی

قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جو عقل انسانی سے سوال کرتی ہیں کہ کیا نیک اور برے لوگ آپس میں برابر ہو سکتے ہیں ؟!

"ام نجعل الّذین امنوا و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتّقین کالفجار"[2]

کیا ہم ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو فساد برپا کرنے والوں جیسا یا صاحبان تقویٰ کو فاسق و فاجر جیسا قرار دیں گے ؟! " (ایسا ممکن نہیں ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے : "افنجعل المسلمین کالمجرمین"[3]

"کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں جیسا بنا دیں "

"افمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً لایستوون"[4]

آیا وہ شخص جو صاحب ایمان رہا ہے (اس کا حال آخرت میں) فاسق کی طرح ہے ؟ نہیں ! دونوں آپس میں برابر نہیں ہوں گے "

---

[1] ۔ خداوند عالم کی عدالت کے سلسلہ میں مصنف کی کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

[2] ۔ سورہ ص/ ۲۸ [3] سورہ قلم/ ۳۵

[4] ۔ سورہ سجدہ/ ۱۸

"ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا و عملوا الصالحات "[1]

کیا گنہگاروں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ ہم انھیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے برابر قرار دے دیں گے؟

مذکورہ آیتیں "عدل الٰہی" پر دلالت کرتی ہیں اس کے علاوہ ہم ابھی عدل الٰہی کے بارے میں چند نمونے قرآن سے پیش کر چکے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کسی کام کے لئے تین باتیں شرط اور ضروری ہیں

۱۔ امکان وقوع یعنی مُردوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا محال نہیں ہے۔

۲۔ علت وقوع یعنی اچھے اور بُرے دونوں طرح کے لوگوں کا پایا جانا خدا کا عادل ہونا اور انسان کے ہر اچھے اور بُرے عمل کی جزا و سزا دینا اور کامل جزا و سزا کے لئے دنیا کا ناکافی ہونا

ان دونوں موضوعات پر ہم مفصل بحث پیش کر چکے ہیں اب رہی تیسری شرط۔

۳۔ کسی رکاوٹ کا نہ پایا جانا۔ اب ہم اس پر بحث کریں گے۔

دوبارہ زندہ ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے

عموماً رکاوٹ کا محدود قوتوں سے تعلق ہوتا ہے مثلاً ایک گاڑی جو کسی خاص سڑک سے گزرنے پر مجبور ہے ایک کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہ ہو اور راستہ میں ایک بڑا پتھر پڑا ہو تو یہ پتھر گاڑی کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے لیکن ایک پرندے کے لئے جو کسی سڑک کا محتاج نہیں ہے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

یقیناً اگر علم و قدرت زیادہ ہو تو بہت کم چیزیں رکاوٹ بن سکتی ہیں، مردے کے زندہ

---

[1] سورہ جاثیہ / ۲۱

ہونے اور منتشر ذرّوں کے جمع ہونے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ لامتناہی علم

۲۔ لامتناہی قدرت

خداوند کریم کے لامتناہی علم کے لئے جو ہر ذرہ کے بارے میں جانتا ہے کہ کون کہاں اور کن حالات میں ہے بھلا کس چیز کو بطور رکاوٹ فرض کر سکتے ہیں:

قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتاب حفیظ[۱]،،

ہم جانتے ہیں کہ زمین ان کے جسموں میں سے کس قدر کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس ایک محفوظ کتاب موجود ہے کہ جس میں سارے خصوصیات پائے جاتے ہیں،،

وہ اپنی بے انتہا قدرت کے ذریعہ تمام منتشر ذروں کو ایک جگہ جمع کر سکتا ہے اور کسی قسم کی رکاوٹ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا خدا کی اس قدرت کا قرآن نے چالیس جگہوں پر ذکر کیا ہے:

"ان اللہ علی کلّ شئی قدیر،، "بے شک اللہ ہر کام کی قدرت رکھتا ہے"۔

ہم خود منتشر ذرّوں سے بنے ہیں

ہم لوگ بھی منتشر ذروں ہی سے بنے ہیں، اس لئے ہماری خلقت اس نطفہ سے ہوئی ہے جو مختلف علاقوں کے گیہوں، چاول، سبزی اور میووں سے مل کر وجود میں آتا ہے اور ہم نطفہ کی صورت میں ایک مدت تک صلب پدر اور رحم مادر میں رہ کر اس دنیا میں آئے ہیں جی ہاں اس وقت ہمارے بدن کا ہر خلیہ زمین کے ایک حصہ سے ہے جس قدرت نے ہمیں اس دنیا

۱۔ سورہ ق/۴

میں منتشر خاک کے ذروں سے پیدا کیا ہے روز قیامت بھی ان ہی منتشر ذرّوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے دوبارہ زندہ کرے گا۔

البتہ کبھی کبھی شیطان ہمیں وسوسہ میں ڈال دیتا ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن قرآن نے اس وسوسہ کو ذالک علی اللہ یسیر[۱] کہہ کر دور کیا ہے کہ ہر دوں کو پھر سے زندہ کرنا خدا کے لئے بہت ہی سہل و آسان ہے۔

بنیادی مشکل

اصل مشکل یہ ہے کہ ہم ہمیشہ خدا کی قدرت اور اس کے علم کو بھی اپنی آنکھوں سے ہی دیکھتے ہیں اور چونکہ ہم خود محدود ہیں لہٰذا لا متناہی چیز کا تصور کر نہیں سکتے چنانچہ تمام قرآنی واقعات میں اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اصل میں خداوند عالم چاہتا ہے کہ ہماری فکر کو مادیات کی چہار دیوار سے باہر نکالے جبھی تو وہ فرماتا ہے:

- ہم نے مریم کو شوہر کے بغیر فرزند عطا کر دیا[۲]۔
- ہم نے بچہ کو گہوارے میں قوت گویائی دی[۳]۔
- ہم نے ابابیل نام کے پرندوں سے ہاتھیوں کے سواروں کو نابود کیا[۴]۔
- ہم نے ایک عصا کی ضرب کے ذریعہ پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے[۵]۔

۱۔ عنکبوت/۱۹ ۔ ق/۴۴ ۔ تغابن/۷

۲۔ مریم/۲۰ ۴۔ بقرہ/۶۰

۳۔ مریم/۳۰ ۵۔ بقرہ/۶۰

- ہم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پھونک سے مُردوں کو زندہ کیا[1]۔
- ہم نے ایک بوڑھے مرد کو جس کی زوجہ بھی بوڑھی (یائسہ) ہو چکی تھی یحیٰی نام کا فرزند عطا کیا[2]۔
- ہم نے موسیٰؑ کو فرعون کے گھر میں پروان چڑھایا[3]۔

اسی طرح اور سیکڑوں دوسرے نمونے ہیں یہ سب کے سب اس لیئے ہیں کہ انسان کی فکر و نظر اس مادی چہار دیواری سے ہٹ کر کچھ دنیا اور عالم طبیعت سے مافوق بھی سوچے چنانچہ قرآن کی تلاوت پر جو زور دیا گیا ہے اس کا مقصد اسی قسم کے افکار میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔

جی ہاں: اگر ہم عالم طبیعت میں کارفرما قوانین کا احترام کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی فکر کو محض مادیت کی چار دیواری میں اسیر و محدود کر دیں۔

مختصر یہ کہ خدا کے بے انتہا علم و قدرت کی راہ میں کوئی رکاوٹ فرض نہیں کی جا سکتی۔

۱۔ سورۂ مائدہ / ۱۱۰

۲۔ سورہ ہود / ۷۲

۳۔ سورہ قصص / ۷۲

معاد کی دوسری دلیل

حکمت الٰہی

"معاد" کے ثبوت میں "عدل الٰہی" کو پہلی دلیل قرار دیکر ہم بحث کر رہے تھے اور اب خدا کی حکمت کو معاد کی دوسری دلیل کے عنوان سے ہم پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر قیامت نہ ہو تو انسان کی خلقت عبث اور بیکار اور حکمت الٰہی کے خلاف ہو گی۔

مثال کے طور پر ایک شخص مختلف قسم کے لذیذ کھانے اچھی خاصی مقدار میں اپنے مہمانوں کیلئے بڑی محنت سے تیار کرے اور کھانے کا انتظام ایک مناسب فضا اور خوبصورت عمارت میں کیا جائے۔ مہمانوں کی دیکھ بھال اور خاطر تواضع کے لئے چند افراد بھی معین کر دے لیکن اس طرح کے تمام اہتمامات کے بعد یہ مہمان کسی جنگلی جانور کی طرح مثلاً بلی اور چوہے کی طرح اس عمارت میں داخل ہو کر دسترخوان پر ٹوٹ پڑیں اور سارے انتظامات درہم برہم کر دیں اور اس کے بعد میزبان دسترخوان اٹھا لے تو ـــــ سچ بتائیے کہ اس مہمانی کے بارے میں کیا کہئے گا ؟
جی ہاں! اگر قیامت نہ ہو تو سارا خدا اسی قسم کی مہمان نوازی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ عبث اور

بیہودہ ہوگی۔

خداوند عالم نے بنی انسانوں کے لئے مختلف قسم کے دسترخوان بچھائے ہیں اس دسترخوان وجود کا "بدیع السموات والارض"[۱] بچھانے اور بنانے والا وہ خود ہے۔ ایسا دسترخوان جو نہایت خوبصورت اور سب سے اچھا ہے "الذی احسن کل شئ خلقہ"[۲] وہ خدا کہ جس نے ہر چیز کو حسن کے ساتھ پیدا کیا۔

ایسا دسترخوان کہ جو صحیح و دقیق اور اندازہ کے مطابق ہے "کل شئ عندہ بمقدار"[۳] ہر چیز کی اس کے نزدیک ایک مقدار معین ہے۔

ایسا دسترخوان جو لطف و کرم کی بنا پر بچھا ہے: "کتب علی نفسہ الرحمۃ"[۴] اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے۔

ایسا دسترخوان جو مختلف قسم کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے: "خلق لکم ما فی الارض جمیعا"[۵] اس نے زمین کی تمام چیزوں کو تمھارے ہی لئے پیدا کیا ہے:

پاکیزہ اور پسندیدہ نعمتیں: "ورزقناھم من الطیبات"[۶] ہم نے لوگوں کو پسندیدہ اور پاکیزہ رزق عطا کیا ہے۔

ستاروں سے مزین نورانی دسترخوان: "انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب"[۷] بیشک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین بنا دیا ہے۔

۱۔ سورہ انعام/ ۱۰۱
۲۔ سجدہ/ ۷
۳۔ رعد/ ۸
۴۔ انعام/ ۱۲
۵۔ بقرہ/ ۲۹
۶۔ اسراء/ ۷۰
۷۔ صافات/ ۶

وہ دسترخوان جس کے خدمت گزار ملائکہ ہیں

"فالمقسمات امراً"[1] ان فرشتوں کی قسم جو امور دنیا کی تقسیم کے ذمہ دار ہیں ۔
"فالمدبرات امراً"[2]، اور ان فرشتوں کی قسم جو نظم و تدبیر کے ذمہ دار ہیں ۔

دسترخوان، طبیب کے ساتھ

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے انسان دوست اور دردمند (طبیبٌ دوّارٌ بطبّہ) طبیب تھے کہ خود لوگوں کے پاس جا کر ان کا علاج فرمایا کرتے تھے سچ بتایئے کیا یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ خدائے حکیم نسل بشر کے لئے ایسا دسترخوان بچھائے جو سارے خصوصیات کا حامل ہو لیکن لوگ اس پر دگرام کی رعایت نہ کریں ایک ظالم و جابر گروہ راحت و آرام اور آزادی کے ساتھ اور دوسرا گروہ فقر و مظلومیت کی قید و بند میں رہے اور چند دنوں کے بعد سب مر جائیں اور پھر دسترخوان اٹھا لیا جائے کیا یہ کام حکیمانہ ہے ۔ ؟!

"ربّنا ما خلقت هٰذا باطلاً سبحانک"[3]

خدایا! تو نے یہ سب بیکار نہیں پیدا کیا ہے تو ہر عیب و نقص سے پاک و بے نیاز ہے

قرآن نے تقریباً سو جگہ لفظ حکیم سے خدا کو یاد کیا ہے اور اس کی حکمت کی نشانیاں ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں ۔

---

۱ ۔ ذاریات / ۴ ۔ ۲ ۔ نازعات / ۴

۳ ۔ آل عمران / ۱۹۱

آنکھوں کی پلکیں، پاؤں کے تلوے، ماں کی محبت، بچہ میں دودھ پینے کی طاقت، آنکھوں سے نمکین اور دہن سے میٹھے پانی کی مناسبت انسان کا آکسیجن سے اور نباتات کا کاربن سے سانس لینا، آواز وں کا کان سے، نور کا آنکھوں سے اور کھانے پینے کی چیزوں کو غذائی نظام سے ربط زمین کا آہستہ آہستہ حرکت کرنا، انسان کی تمام ضروریات کا پورا کرنا اور بے شمار نعمتوں کا سلسلہ کہ جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہ کر سکو گے، ایک پر اسرار دنیا کہ جس کا ایک راز سمجھنے اور جاننے کی کوشش میں مادی مفکرین اپنی تمام عمر کھپا دیتے ہیں اور شاید تمام عمر بھی اسے نہ سمجھ پائیں کیا یہ دنیا اس استحکام و طاقت کے باوجود اس چند روزہ زندگی کیلئے ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں ہے یعنی بیکار ہے ؟!!

مثال

کیا آپ اس بات کو قبول کریں گے کہ کوئی کسی ایک ایسا ہال کے لئے (کہ جو پانی، لائٹ اور ٹیلیفون سے مزین ائیرکنڈیشنڈ پردوں اور لاؤڈ اسپیکر و میز وغیرہ سے آراستہ ہو) بنانے کا حکم دے اور ایک مدت کے بعد بغیر کسی خاص مقصد کے اس کو بم سے اڑا دے ؟!

اگر نہیں تو پھر اس بات کو کیسے قبول کریں کہ خدائے حکیم اس پوری دنیا کو کچھ دنوں کے بعد (آخرت میں تبدیل کئے بغیر) زلزلوں جھکڑوں اور جھماکوں کے ذریعہ بالکل برباد کر دے گا۔

اگر قیامت کو قبول نہ کیا جائے تو خدا کا یہ تمام کام کہ زمین سے گیہوں، گیہوں سے نطفہ، نطفے سے بچہ اور اس کے بعد اسے جوان کرنا پھر کچھ دنوں کے بعد اس جوان کا سن رسیدہ ہو کر مر جانا اور سڑ گل کر خاک ہو جانا یہ سب کیا ہے ؟

اگر حقیقت یہی ہے کہ ان تمام تغیرات اور انقلابات کے بعد پھر ہم خاک ہو جائیں گے اور بس

قیامت اور حساب کتاب کچھ نہیں تو کیا ہم پہلے خاک نہیں تھے کیا یہ ایک کھیل اور بیکار مشغلہ ہے ؟!

"افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون"[1]

"کیا تم خیال کرتے ہو ہم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں آؤ گے"

کیا یہ زمین و آسمان، دریا، سورج، نباتات اور حیوان سب انسان کے لئے ہے اور انسان صرف مرنے اور برباد ہونے کے لئے ہے ؟! کیا یہ کام صحیح ہے ؟

اگر قیامت نہ ہو تو زندگی کا مطلب محض ہزاروں لیٹر پانی کو پیشاب اور غذا کو کھاد بنانا ہے ایسی صورت میں چراغ کی روشنی میں زندگی گزارنے یا گدھے پر سوار ہو کر چلنے والے اور کار میں سفر یا بجلی کی روشنی میں زندگی گزارنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے !!

مارکسزم مزدوروں کے حقوق، مزدوروں کی حکومت ان کے کام کی قدر و قیمت میزان کے لئے بیمہ اور میڈیکل کی سہولت، چھٹی، ہڑتال دیگر فوائد وغیرہ کی بات کرتا ہے لیکن یہ ساری چیزیں مرنے کے بعد بیکار اور نابود ہو جائیں گی۔

واقعاً اگر ان تمام زحمتوں، نعرے، داد و فریاد، خوراک، پوشاک اور زندگی کے لئے رہائش کے بعد نابود ہی ہو جانا ہے تو کیا بہتر نہیں ہے ان تمام زحمتوں سے پہلے ہی انسان خودکشی کر لے؟ ایسا کام کرنے سے کیا فائدہ کہ جس کا نتیجہ تباہی ہو ؟

جب بنا اس بات پر ہو کہ مرنے کے بعد نابود ہو جائیں گے تو یہ ساری زحمتیں کیوں اٹھائیں ؟

---

[1] ۔ مومنون/۱۱۵

سچ بتائیں کہ وہ جوان کہ جس کی پھانسی کے چند روز باقی رہ گئے ہوں اگر وہ اپنے کپڑوں پر پریس کر کے ٹھاٹ باٹ دکھائے تو کیا یہ مسخرہ پن نہیں ہے؟

اگر ہمیں مرنے کے بعد فنا ہی ہونا ہے تو ہماری سرشت میں بقا کی خواہش کیوں پوشیدہ ہیں؟ جی ہاں! مارکسزم کے نظریئے کے مطابق دنیا کا مستقبل تاریک اور تمام کاموں کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے انسان کی عمر کا انجام "کچھ نہیں" پر ہے اسی نظریئے کے تحت کبھی کبھی انسان کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ میں کیوں پیدا ہوا اور کیوں ہوں؟

بالفرض اگر ہوں تو کیوں نہ بھیڑیا بن جاؤں کیوں نہ حصول کامیابی کے اقدام کروں وہ اس کی قیمت انسانوں کی جانیں قرار پائیں اب جبکہ مجھے اور ان تمام انسانوں کو مٹنا اور فنا ہی ہونا ہے تو کیوں نہ اپنی حصول لذت کے لئے دوسروں کو ہلاک کر دوں؟! اب جبکہ تمام انسانوں کو حیوانوں کی طرح سے ہی نابود و فنا ہو جانا ہے تو کیوں نہ انھیں بھی اپنے تانگے کا ٹٹو بنائیں اور ان کے ذریعہ آسان و لذیذ غذائیں فراہم کریں؟!

اب جبکہ سب کو قربان ہونا ہے تو میری لذت کی ہی بھینٹ کیوں نہ چڑھیں؟! جی ہاں! یہ مادہ پرستی کی زہریلی فکر معاشرہ کو اس جگہ پہنچا دیتی ہے جہاں آج آپ دیکھ رہے ہیں۔

آج جبکہ دنیا کے اکثر ممالک قحط جیسی صورت حال سے دوچار ہیں آپ کو معلوم ہے اسی دنیا کے بہت سے ترقی یافتہ ممالک اپنے مال کی قیمت برقرار کرنے کے لئے اناج یا پھلوں اور میووں کو دریا میں ڈال دیتے ہیں یا پھر زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور بعد میں ٹیلیویژن سے یہ بات نشر بھی کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں یہاں اسی قدر کافی ہے اب میں قرآن کی طرف رجوع کرتا ہوں اس نے حکمت الٰہی کے لحاظ سے معاد کی ضرورت کو کس عنوان سے ذکر کیا ہے قرآن کہتا ہے:

"ایحسب الانسان ان یترک سدیً"

کیا انسان کا خیال ہے کہ اسے اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا ؟!"[۱]

مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوگا؟! قرآن میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں کہ جن میں ارشاد ہوتا کہ ہم تخلیق کے سلسلہ میں تفریح ، مشغلے ، کھلواڑ نہیں کیا ہے۔ نہ تو ہم کوئی کام بلا وجہ باطل طور پر انجام دیتے ہیں اور نہ ہی ہمارا کوئی کام معمولی اور سادہ ہوتا ہے بلکہ آفرینش مطابق حق اور انسان کی آزمائش و رستگاری کے لئے سنت و قوانین کے مطابق ہوئی ہے خلقت کا مقصد دوسری سیکڑوں غیر الہٰی راہوں میں سے راہ خدا کا انتخاب اور اس کی معرفت و عبادت ہے دیر یا سویر سب لوگ خدا کی بارگاہ میں جانے والے ہیں ۔

"انا للہ و انا الیہ راجعون"[۲]

یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے کہ جیسے وہاں کاٹنا ہے اہر انسان کو اس عمل کا بدلہ وہیں دیا جائے گا۔

" ولتجزیٰ کلّ نفس بما کسبت"[۳]

اور ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہے :

"کلّ نفس بما کسبت رھینۃ"[۴]

جناب لقمانؑ اپنے فرزند سے فرماتے ہیں :

"یا بنیّ انّھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السمٰوات او فی الارض یأت بھا اللہ"[۵]

بیٹا نیکی یا بدی رائی کے ایک دانہ کے برابر ہو اور کسی پتھر کے اندر پیوست ہو یا

---

۱ ۔ سورہ قیامت / ۳۶

۲ ۔ بقرہ / ۱۵

۳ ۔ جاثیہ / ۲۲

۴ ۔ مدثر / ۳۸

۵ ۔ زلزال / ۷ ۔ ۸

آسمانوں پر ہو یا زمین کی گہرائیوں میں ہو (بہرصورت) خدا روز قیامت ضرور
اُسے سامنے لائے گا اور وہ ساری چیزوں سے باخبر بھی ہے ،،
حقیقت میں اس نظریہ کا تربیتی لحاظ سے کیا اثر ہو سکتا ہے ۔

ایک سچّا واقعہ

ایک شخص نے مسجد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آکر کہا یا رسول اللہ ! مجھے قرآن کی تعلیم دیں ۔ حضرت ؐ نے اسے ایک صحابی کے سپرد کیا وہ صحابی اسے ایک گوشہ میں لے گیا اور سورہ (اذا زلزلت الارض) تعلیم دینا شروع کی جب وہ اس آیت پر پہنچا " فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ [1] ،،

جس شخص نے ذرہ برابر نیکی یا ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا ،،

اس اعرابی نے کچھ دیر سوچ کر معلم کی طرف نگاہ کی اور کہا کیا یہ وحی کے فقرے ہیں ؟

معلم نے کہا ہاں تو اس نے کہا میں نے اسی آیت سے اپنا سبق پا لیا اب جبکہ ہمارے سارے چھوٹے بڑے آشکار و پوشیدہ کاموں کا اس دنیا میں حساب و کتاب ہوتا ہے میری ذمہ داری روشن ہوگئی اور اب میری زندگی کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہے ۔ میں جاتا ہوں خدا حافظ ۔

جب وہ اعرابی چلا گیا تو معلم نے پیغمبر اسلام ؐ کی خدمت میں آکر عرض کی : یا رسول اللہ ؐ ! جس اعرابی کو قرآن کی تعلیم کے لئے آپ نے میرے سپرد کیا تھا اس میں قوت تحمل اور حوصلہ بہت کم تھا ایک چھوٹے سورہ سے زیادہ سن نہ سکا یہ کہہ کر چلا گیا کہ اس کا شانہ

---

[1] ۔ زلزال / ۷ ، ۸

کا کوئی نگہبان بھی) ہے یہی ایک حرف میرے لئے کافی ہے، مجھے جس چیز کی ضرورت تھی حاصل ہو گئی پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: "رجع فقیہا" اسے جس معرفت اور مقام فقاہت پر پہنچنا چاہیے تھا پہنچ گیا۔

مقام افسوس

اس اعرابی نے قرآن کے ایک ہی جملے سے اپنے راستے کو پہچان لیا، سمجھ بھی گیا اور بدل بھی گیا اور رسول اللہؐ سے فقیہ کا لقب بھی پا لیا۔

افسوس کا مقام ہے مجھ جیسے افراد سالہا سال آیات و روایات اور عقلی و نقلی دلیلوں کو متعدد زبانوں میں بہترین انداز میں سنتے اور سناتے ہیں لیکن ۔ ۔ ۔

پیشین گوئیوں کو دعوت

ہمارے معصومین علیہم السلام اور ان کے مخالفین میں ہونے والی بحثوں کے مطالعے سے ایک اچھی روش سامنے آتی ہے جسے ہم یہاں بطور اختصار پیش کرتے ہیں کہ اصطلاح میں اس صورت کو "دفع ضرر احتمال" یعنی امکانی نقصان سے بچنا کہتے ہیں ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایسی خبروں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے جس میں آئندہ کے بارے میں خبردار کیا جاتا ہے اگرچہ اس طرح کی خبروں کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے البتہ فائدے یا نقصان کا احتمال جتنا قوی ہوگا ہمارا عکس العمل بھی اتنا ہی زیادہ شدید ہوگا۔

مثلاً اگر کسی معاملہ میں نوے فی صد فائدہ کا احتمال ہے اور خود فائدہ کی مقدار ۵٪ ہے تو اگرچہ فائدہ کی شرح کم ہے لیکن چونکہ اس کا حصول تقریباً یقینی و قطعی ہے لوگ ایسے معاملات کو انجام دیتے ہیں اور اگر نوے فی صد کے بجائے ستر فی صد فائدے کا احتمال ہو لیکن خود فائدے شرح (۳۰٪) تیس فی صد ہو تب بھی لوگ اس معاملے کو انجام دیتے ہیں اگرچہ پہلے کی نسبت

فائدہ کی امید کم ہے لیکن خود فائدے کی شرح اس میں زیادہ ہے اسی طرح اگر فائدہ ملنے کا احتمال صرف بیس فی صد ہو لیکن فائدے کی شرح ستر فی صد ہو تب بھی لوگ معاملہ انجام دیں گے بلکہ اگر فائدہ ملنے کا احتمال بہت کم دس پانچ فی صد ہو اور خود سود کی شرح (۹۰٪) نوے فی صد ہو پھر بھی لوگ معاملہ کر لیتے ہیں خلاصہ یہ کہ اگر فائدے کا احتمال ایک فی صد ہو اور فائدہ کی شرح اور مقدار دوگنی ہو پھر بھی لوگ ایسے معاملے کو انجام دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر دس ہزار میں ایک فی صد فائدہ ملنے کا احتمال ہو یا ایک فی صد کا بھی احتمال نہ ہو لیکن یہ فرض کیا جائے کہ اگر فائدہ مل گیا تو اس کی مقدار بہت زیادہ ہوگی تو بھی لوگ اس کام کو انجام دیں گے جیسا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ لاٹری کے ٹکٹ میں کیا ہے جبکہ ہزاروں ٹکٹ بکتا ہے اور انعام ایک یا دو ہی افراد کو ملتا ہے لیکن چونکہ انعام ایک بہت بڑی رقم ہے لوگ اس ضعیف احتمال کے باوجود اس کام کو انجام دیتے ہیں اس لئے کہ اس احتمال کے تحت ملنے والی رقم بہت بڑی اور زیادہ ہے اس طرح ہماری سمجھ میں آتا ہے اگرچہ فائدہ ملنے کا احتمال کم ہو اور رقم زیادہ ہو تو بھی ضعیف احتمال کا جبران رقم کی زیادتی سے ہو جاتا ہے اب ہم لوگ ان تمام پیغمبروں اماموں اور اولیائے خدا کے ذریعہ دی جانے والی ان خبروں کے بارے میں جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور خداوند عالم کے سخت حساب و کتاب اور دوزخ و بہشت کی خبر سے متعلق ہے دوزخ بھی وہ جو قہر الٰہی اور جنت بھی وہ جو بے انتہا الطاف الٰہی کا نمونہ ہے کتنے فی صد احتمال دیں گے یقیناً ہم لوگ تو محکم دلیل و برہان کے ذریعہ یقین رکھتے ہیں لیکن اس وقت ہماری بحث بے دین قسم کے لوگوں سے ہے۔

یہاں اگر ایک فی صد یا اس کے بھی ہزارویں حصے کا احتمال دیں تو بھی اپنے امور میں اس کو پیش نظر رکھنا چاہئے اگرچہ احتمال ضعیف ہے لیکن ابدی دوزخ اور عذاب خدا کی منزل بڑی سخت ہے، اور ہمیشہ رہنے والی جنت اور جوار رحمت خدا کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس بنا پر احتمال کے قوت و ضعف سے ہم کو مطلب نہیں ہے چونکہ اس کا فائدہ اور ضرر بہت اہم ہے لہٰذا توجہ کرنا چاہئے

جب کوئی بچہ شہد کی مکھی، سانپ، اژدھا کسی کے گرنے، ڈوبنے یا مال و دولت کے ملنے کی خبر دیتا ہے تو ایسے مواقع پر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ بات کسی بچے نے کہی ہے یا بڑے نے یقین آور ہے یا نہیں بلکہ یہاں پر آپ کی توجہ خبر کی اہمیت پر ہوتی ہے مال و دولت اژدھا یا دریا میں غرق ہونا وغیرہ وہ چیزیں ہیں جو آپ کے اندر حرکت کا باعث ہوں گی۔ اگرچہ یہ بات کسی معتبر آدمی نے نہ کہی ہو (میں اس منزل میں دوبارہ اولیائے خدا سے معذرت چاہتا ہوں ان کی باتوں کا ایک بچہ کی بات سے موازنہ کیا ہے اس لئے کہ میرا مقصد بے دین لوگوں کو سمجھانا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان فائدے یا ضرر سے متعلق ملنے والی خبریں (کسی بچہ ہی سے کیوں نہ ملی ہوں) سن کر اپنے ردعمل کا اظہار ضرور کرتا ہے تو پھر اولیائے دین جو اپنے زمانہ میں سب سے بہتر و افضل تھے ان کی باتوں پر انسان کیوں نہیں توجہ دیتا!!

پیغمبروں کی تعلیمات میں جن میں کسی قسم کا لوچ اور کمزوری نہیں ہے جنھوں نے برسوں جدوجہد تبلیغ اور آخر دم تک استقامت دکھائی اور راہ خدا میں قدم اٹھانے میں آپ اپنے مثل تھے آخرت کے بارہ میں خبر دا گاہی موجود ہے انھوں نے بہت ساری دلیلیں اور معجزات بھی پیش کئے اور لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے ان کی پیروی کی اور دل و جان سے ان کی دعوت کو قبول کیا، ان ساری چیزوں کے باوجود اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ کسی کو یقین پیدا نہ ہوا ہو تو کیا ان لوگوں کے دلوں میں شک و احتمال بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا؟ جب ایک معمولی مقدار میں فائدے یا ضرر کے احتمال میں، اگرچہ ایک بچہ نے ہی کیوں نہ خبر دی ہو (خاص طور سے اگر فائدہ یا ضرر اہم اور دائمی ہو) انسان اپنے ردعمل کا اظہار کرتا ہے تو کیا انبیاءؑ کے آوازوں کے مقابلے میں کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرے گا؟!

جبکہ راہ انبیاءؑ کے اختیار کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے ہاں! اختیار نہ کرنے کی صورت میں (یہاں تک کہ بے دینوں کی نظر میں بھی) ضرر کا احتمال ہے اور ضرر بھی ایسا کہ جس کو کوئی بھی

چیز خواہ وہ دولت ہو یا آہ و فریاد روک نہیں سکتی اس بنا پر ہر عاقل کو خدا کے اس دائمی عذاب کا احساس ہونا چاہیئے جس کی خبر انبیاء نے دی ہے ۔ اور یہ احساس پیدا ہو جانا ہی انسان کے سنبھلنے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ فائدے اور نقصان کا احساس بہت موثر ہوتا ہے ۔

شاید اس پوری گفتگو کو مندرجہ ذیل مثال میں پیش کیا جا سکے کہ بازار میں مختلف قسم کے تاجر اور دلال پائے جاتے ہیں روٹی کی دکان، کھانے کے ہوٹل، کپڑے اور قالین وغیرہ کے بازار گھر اور جائداد کی خرید و فروخت کے دلال وغیرہ سب ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں کے جذبوں اور حوصلوں میں فرق پایا جاتا ہے ۔

نانوائی کو سوفی صد یقین ہے کہ لوگ اس کی روٹی ضرور خریدیں گے اگرچہ روٹی میں فائدہ نہایت ہی مختصر ہے کپڑا بیچنے والے کو روٹی والے کی طرح یقین تو نہیں ہے لیکن گمان غالب تقریباً اسّی فی صد ہوتا ہے کہ اس کا مال بک جائے گا پھر بھی چونکہ کپڑے میں روٹی سے زیادہ فائدہ ہے اس لئے روزانہ اپنی دوکان کھولتا ہے قالین فروش کو پچاس فی صد خریدار کے آنے کی امید ہوتی ہے مگر قالین میں فائدہ بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ روزانہ دوکان کھولتا ہے ۔

گھر یا املاک و جائداد کی خرید و فروخت میں دلالی کرنے والا اگرچہ پانچ فی صد سے زائد کسی معاملہ میں کامیابی کی امید نہیں رکھتا پھر بھی روزانہ دکان کھولتا ہے کیونکہ معاملہ طے پا گیا تو اس میں آمدنی اور فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے ۔

جی ہاں ! انسان کے کاروبار میں صرف خریداروں یا گاہکوں کی تعداد موثر نہیں ہوتی بلکہ جنس اور اشیاء کے اعتبار سے فائدے کی شرح اور مقدار کا بھی اثر پڑتا ہے ۔

مومن کے فائدے اور نقصان کی شرح

ظاہر ہے ایمان کا فائدہ رضائے الٰہی اور ہمیشہ ہمیشہ کی بہشت اور گناہ کے سبب نقصان

قہر خدا اور دوزخ کی صورت میں ہے اور اس فائدہ یا ضرر کی شرح اور مقدار وہ ہے کہ جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر وقوع قیامت کا احتمال کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو فائدے یا ضرر کی شرح و مقدار اس کا تدارک کر دیتی ہے پس ہمیں چاہئے کہ اس ناقابل تصور سخت ترین احتمالی نقصان سے بچنے کے لئے (جو ہمارے لئے یقینی ہے) یا خدا کی بے پایان احتمالی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے (جو ہمارے لئے بالکل یقینی ہیں) قدم اٹھائیں اور قدم اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے راستوں پر چلیں نیز درونی خواہشات (ہوائے نفس) اور بیرونی طاغوتوں سے بیزاری و کنارہ کشی اختیار کریں۔

عقیدۂ معاد کا کردار

تشویق یا تہدید (اگرچہ کم ہی مقدار میں کیوں نہ ہو) انسان کے افعال وحرکات میں اہم کردار ادا کرتی ہے، پس یہ دونوں چیزیں اس وقت کتنی مؤثر ہوں گی جب تشویق وتہدید کرنے والا خدا ہو اور تشویق وتہدید بھی جنت ودوزخ کی صورت میں ہو۔

ہم اگر اپنے اندر قیامت کے بارہ میں ایمان ویقین زندہ کرلیں تو اس کا اثر کسی پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو شخص جانتا ہے کہ دنیا میں اس کے ہر عمل کا حساب کتاب اور پوچھ گچھ کرنے والا موجود ہے عدل وانصاف قید خانے اور شکنجے کی سختیاں ہیں کوئی اس کے ہر چھوٹے بڑے کام پر نظر رکھتا ہے ہر چیز کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔ تو یہ شخص فطری طور پر اس طرف سے بے توجہی یا زور وزبردستی سے کام نہیں لے گا اس کا چھوٹا سا بھی کام بغیر حساب کے نہیں ہوگا، نتیجہ عمل سے وہ کبھی بھی غفلت نہیں برت سکتا اس سلسلہ میں قرآن کی بہت ساری آیتیں موجود ہیں جن میں سے ہم کچھ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ قیامت اور اقتصاد

قرآن خرید و فروش کرنے والوں سے کہتا ہے کہ وائے ہو کم تولنے والوں پر جو شخص ناپ تول میں لیتے وقت پوری کوشش کرتا ہے کہ پورا مال لے اور دیتے وقت کم ناپتا یا تولتا ہے تو اس کے لئے قرآن کہتا ہے :

«الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم[۱]»

کیا ان کم تولنے والوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ایک بڑے اور سخت دن دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور عدالت الٰہی میں ان تمام کم فروشی وغیرہ کے بارے میں جواب دینا ہو گا »

یہاں قرآن نے قیامت کی یاد دلا کر کم تولنے والوں خبردار کیا ہے البتہ یہ قیامت کے سلسلہ میں صرف ایک نمونہ ہے ورنہ قیامت پر ایمان تمام اقتصادی مسائل چاہے: پیداوار[۲] تقسیم[۳] اور مصرف[۴] وغیرہ سے متعلق انتظامی و تجارتی کمپنی اور منڈی کی بات ہو یا کسی دوسری قسم کی فعالیت ، قیامت کا عقیدہ ان سب پر اثر انداز ہوتا ہے خصوصاً اسراف کا مسئلہ جو ایک شخصی ملکیت سے وابستگی رکھتا ہے قیامت کے عقیدے سے حاصل ہو جاتا ہے ۔

۲۔ قیامت اور جنگی مسائل

اس منزل میں ہم قرآن سے ہی ایک اور نمونہ نقل کرتے ہیں : بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے

۱۔ مطففین / ۵

۲۔ Production ۳۔ Supply ۴۔ Demand

اپنے نبی سے کہا کہ ہم لوگ راہ خدا میں جہاد کرنا چاہتے ہیں ہمارے لئے ایک سپہ سالار مقرر کر دیجئے
نبی نے فرمایا: میں سوچتا ہوں کہ کہیں تم پر جہاد واجب ہو جائے اور تم جہاد نہ کرو
ان لوگوں نے کہا: ہم کیوں نہیں جہاد کریں گے جبکہ ہمارے اوپر یہ سب مظالم ہوئے ہیں۔۔۔ ان کے پیغمبر نے کہا: خدا نے تمھارے لئے طالوت کو حاکم مقرر کیا ہے جو ایک لائق جنگی مسائل سے واقف قوی و مستحکم شخص ہیں۔۔۔

کچھ لوگ جنھوں نے جنگ کا مطالبہ کیا تھا ایک مقررہ امتحانی مرحلے[1] سے گزرنے کے بعد جیسے ہی دشمن کے طاقت و لشکر کا سامنا ہوا بھاگتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم میں مقابلے اور جنگ کی ہمت نہیں ہے لیکن ایک مختصر جماعت نے جسے قیامت پر ایمان تھا اس شعار کے ساتھ کہ:

"کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ"[2]

یعنی اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر حکم خدا سے غالب آجاتے ہیں دشمن پر حملہ کر کے انھیں شکست دے دی ۔۔۔ اس قصے میں کہ جو سورۂ بقرہ کی چند آیتوں میں[3] طالوت و جالوت کے قصے کے نام سے بیان ہوا ہے، میدان جنگ میں کامیابی اور پائیداری کا راز قیامت پر ایمان کو قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] ۔ امتحان یہ تھا کہ جناب طالوت نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اب خدا ایک نہر کے ذریعہ تمھارا امتحان لینے والا ہے یعنی تمھارے سامنے ایک امتحانی نہر ہے جس میں تم ایک مدت کے لئے مورد امتحان قرار دئے جا رہے ہو۔ کوئی شخص اس نہر کا پانی نہ پئے جو پی لے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا اور جو نہ پئے گا وہ مجھ سے ہوگا مگر یہ کہ زیادہ سے زیادہ ایک چلو پانی پی لے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے پانی پی لیا سوائے چند افراد کے ۔ اس طرح اکثریت امتحان الٰہی میں ناکام ہو گئی ۔

[2] ۔ سورہ بقرہ/ ۲۵۰ [3] ۔ بقرہ/ ۲۴۲ سے ۲۵۱ تک

قال الّذین یظنّون انّھم ملاقوا اللّٰہ "[1]

جن لوگوں کو خدا سے ملاقات کرنے کا خیال تھا کہا کہ کامیابی کا تعلق لوگوں کی کثرت و قلت پر نہیں ہے بلکہ ہم کو دشمن پر حملہ کرکے اپنے فریضۂ الٰہی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ خداوند عالم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

جی ہاں ایک فوجی کے جذبات واحساسات اس کے نظریات اور تصورات کائنات سے تعلق رکھتے ہیں اس سپاہی کا جو اپنا مستقبل ابدی اور خود کو بہشت میں پیغمبر اسلامؐ کے جوار میں مقیم پاتا ہے اس فوجی کے ساتھ جو اپنے قتل ہونے کو فنا و نابودی سمجھتا ہے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا سورۂ توبہ میں ان لوگوں کے بارے میں جو میدان جنگ میں جاتے ہوئے سستی و کاہلی دکھاتے ہیں خداوند عالم یوں فرماتا ہے:[2]

"ارضیتم بالحیٰوۃ الدّنیا من الآخرۃ "

کیا تم لوگ آخرت کے بدلے میں زندگانی دنیا سے راضی ہو گئے ؟!!

قیامت اور اہل طاغوت وسیاست سے مقابلہ

فرعون نے حضرت موسیٰ کی ہتک حرمت کے لئے سارے شہروں سے جادوگروں کو بلوا کر کہا وہ لوگ اپنے جادوؤں سے جناب موسیٰؑ کے دعوائے نبوت کو جھٹلائیں اور انھیں ذلیل کردیں یہ جادوگر جو اس وقت تک قیامت کے قائل نہیں تھے اور جن کی مادی آنکھیں فرعون کے انعام پر جمی ہوئی تھیں انھوں نے اپنی گدائی کی روح کو زبان دیتے ہوئے فرعون سے اس طرح کہا:

---

[1] ۔ سورہ بقرہ/۲۴۹ سے ۲۵۱ تک

[2] ۔ توبہ/۳۶

" ءَاِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا[1] ۔ اے فرعون اگر ہم موسیٰؑ پر غالب آگئے تو کیا ہمیں اس کی اجرت ملے گی ؟ فرعون نے کہا ہاں اجرت ملے گی جادوگروں نے اپنا کام شروع کیا اور وہ اس فن میں جتنی بھی مہارت رکھتے تھے بروئے کار لائے ان کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے بھی حکم خدا سے اپنا عصا زمین پر پھینکا اور وہ فوراً اژدھا بن گیا، جادوگر سمجھ گئے کہ موسیٰؑ کا کام ہمارے سحر و جادو سے الگ صدفی صد الٰہی کام ہے اور وہ سب کے سب فرعون کے سامنے ہی موسیٰ کے اوپر ایمان لے آئے فرعون نے غضبناک ہو کر ان لوگوں کو دھمکی دی اور کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے پہلے ہی کیسے ایمان لے آئے ؟ میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں[2] سے کاٹ دوں گا اور اس کے بعد تمھیں خرمہ کی شاخوں پر لٹکا کر سولی دے دوں گا۔ لیکن ان جادوگروں کی آنکھیں جو ایک گھنٹہ پہلے فرعون کی دولت و حکومت پر تھیں موسیٰؑ کے خدا اور قیامت پر ایمان لانے کے بعد چند ہی لمحوں میں اس طرح بدل گئیں کہ نہایت ہی اطمینان کے ساتھ انھوں نے فرعون سے کہا : اب تجھے جو کچھ بھی فیصلہ کرنا ہو کر لے :

اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا[3] "

تیرا اختیار اسی دنیا کی زندگی تک محدود ہے ، اور

قَالُوا لَا ضَيۡرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ[4] "

---

[1] ۔ سورہ اعراف / ۱۱۳ و شعراء / ۴۱

[2] ۔ یعنی داہنے ہاتھ کو بائیں پیر کے ساتھ یا بائیں ہاتھ کو داہنے پاؤں کے ساتھ کاٹ دوں گا۔ یہ سزا کی بدترین صورت ہے اس لئے کہ دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ دیئے جائیں تو پھر بھی قابل تحمل ہے لیکن ایک ہاتھ اور ایک پاؤں وہ بھی مختلف جہتوں سے اگر کٹ جائے تو یہ کافی تکلیف دہ صورت ہے۔

[3] ۔ طٰہٰ / ۷۲ [4] ۔ شعراء / ۵۰

ان لوگوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے ہم سب پلٹ کر اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔[1] حقیقت یہ ہے کہ قیامت پر صرف ایک منٹ پہلے ایمان لے آنے نے ان کی روح میں کیسا انقلاب پیدا کر دیا دنیا کی زندگی فرعون کا ظلم وستم اور شاہ کی طرف سے ملنے والے انعامات ابھی چند منٹ پہلے ان لوگوں کے لئے ایک اہم مسئلہ بنے ہوئے تھے لیکن اب ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہی بلکہ وہ خود فرعون پر ہنسنے لگے اور نہایت ہی اطمینان سے کہتے ہیں کہ تیرا ظلم فقط اسی ناچیز دنیا تک محدود ہے واقعاً قیامت پر ایمان نے ان لوگوں میں ایک ثقافتی انقلاب پیدا کر دیا تھا ان کی روحوں کو ایسی بلندی عطا کر دی تھی کہ اب ان لوگوں کے دلوں میں شوق شہادت پیدا ہو گیا تھا۔

قیامت اور سماج کے کمزور طبقات

یہ بات تقریباً سبھی نے سنی ہو گی کہ حضرت علی علیہ السلام سے ان کے حقیقی بھائی جناب عقیل نے جب عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو مجھے میرے حصہ سے کچھ زیادہ عطا کر دیں امام فوراً ایک لوہے کی گرم و سرخ سلاخ جناب عقیل کے ہاتھ کے قریب لے گئے جناب عقیل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ نے فرمایا اے عقیل تم اس دنیوی آگ سے اس قدر ڈرتے ہو بھلا بتاؤ میں خود کو خدا کے ابدی قہر و عذاب کی آگ میں کیسے جھونک دوں؟! یہ واقعہ نہج البلاغہ میں دیکھا جا سکتا ہے:[2]

---

[1] ۔ یہ داستان سورہ اعراف آیت ۱۱۲ سے ۱۲۶ اور سورہ شعراء آیت ۳۷ سے ۵۱ اور سورہ طٰہٰ آیت ۵۶ سے ۷۰ میں موجود ہے۔

[2] ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۱ از مفتی جعفر حسین۔

یہ بات بھی آپ سب لوگوں نے سنی ہوگی کہ جب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بچپنے میں بیمار ہوئے تو پیغمبر اسلامؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ان دونوں اماموں کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور گھر سے نکلتے وقت حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: بہتر ہے ان دونوں بچوں کی سلامتی کے لئے تین روزے نذر کرو امام نے قبول فرمایا: اور جب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام صحتیاب ہو گئے تو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور فضہ نے روزہ رکھا گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا بڑی مشکلوں سے افطار کے لئے روٹی مہیا ہوئی جب غروب کے بعد نماز مغرب سے فارغ ہو کر فطار کرنا چاہتے تھے تو کسی نے دق الباب کیا اور کہا کہ میں ایک محتاج اور فقیر ہوں میری امداد کریں انھوں نے اپنی روٹیاں فقیر کو دے کر صرف پانی سے افطار کرلیا۔ دوسرے دن بھی جیسے ہی افطار کرنا چاہتے تھے کسی نے آواز دی کہ میں ایک یتیم ہوں، اس طرح تیسرے دن بھی کسی نے وقت افطار صدا دی کہ میں ایک اسیر ہوں میری امداد کریں ان مردان خدا نے تینوں شب پانی سے افطار فرمایا اور اپنی روٹیاں آنے والے سائل کو دے دیں چنانچہ اس ایثار و فدا کاری کا ذکر سورۂ دھر میں اس طرح موجود ہے: انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا[1] یہ پیش پروردگار قیامت کے اس دن سے ڈرتے ہیں جب چہرے بگڑ جائیں گے اور ان پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت پر ایمان انسان کو ناداروں اور محروموں کے تئیں ذمہ دار اور متعہد بنا دیتا ہے جو لوگ ناداروں اور محروموں کے ساتھ انصاف سے پیش نہیں آتے قیامت کے دن اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے دوزخ میں آنے کا ایک سبب یہی بے توجہی ہے۔[2]

---

[1] ۔ سورہ دھر / ۷ ۔ ۲۲

[2] ۔ سورہ مدثر / ۴۲

"ولم نك نطعم المسكين"[۱]... اور ہم ہرگز مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے
اسی طرح سورہ ماعون میں ہے کہ یتیموں اور سماج کے کمزور طبقوں کی طرف سے لاپرواہی قیامت پر ایمان نہ ہونے کی علامت ہے۔

قیامت اور اخلاقی کمالات

اکثر اخلاقی فضائل و کمالات۔ ایثار، صبر و تحمل، سادہ زیستی اور بلیات و مصیبت نیز ناگوار حادثات پر ثبات و استقامت قیامت پر ایمان ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ وہ چیز کہ جس کے ذریعہ ان سنگین صورتحال سے گزرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اور تمام مصیبتیں برداشت کی جا سکتی ہیں وہی قیامت میں تلافی اور خداوند متعال کی طرف سے انسان کو ملنے والے اجر پر ایمان ہے۔

ارشاد الٰہی ہوتا ہے: اگر تم نے چند روز اس دنیا میں مصیبت و آلام برداشت کئے تو کل قیامت میں ان تمام زحمتوں کا اجر کئی گنا ملے گا۔ آخر وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے مجاہد اپنی جان اور سخی اپنی دولت کو قربان کر دیتا ہے۔

وہ کون سی طاقت ہے جو انسان کو ہوا و ہوس سے روکتی ہے۔ اگر خدا اور اولیاء خدا سے ملنے کی آرزو و یاد دل میں ان کی یاد نہ ہو تو سارے خطرناک اور پر پیچ راستے کن اسباب کے سہارے طے ہوں گے۔

اگر جزا و سزا کا مسئلہ ہی نہ ہو تو انسان اپنی شرعی ذمہ داری کو کیوں انجام دے۔

اگر کسی کے ظلم کا انتقام نہ لیا جانے والا ہو تو ہم کو زیادتی سے کونسی طاقت روک سکتی ہے

۱۔ سورہ مدثر/۴۴

آج مومنین، کافروں کی طرف سے ہونے والے طعن و تشنیع کو صرف ان خدائی وعدوں کی بنا پر برداشت کرتے ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہوا ہے۔

"فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون"[1]

آج یعنی قیامت کے دن، مومنین کفار کا مضحکہ اڑائیں گے۔

جناب آسیہ پر فرعون کے شاہی محل اور زر و جواہر کا اثر اس لئے نہیں ہوا کہ ان کی نظریں دوسری دنیا پر جمی ہوئی تھیں اور وہ یہ کہتی تھیں۔

"رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ"[2]

پروردگارا مجھے فرعون اور اس کے کردار سے نجات دے دے اور میرے لئے جنت میں اپنے جوار رحمت میں ایک گھر بنا دے واقعاً بہشت کے خواہاں کو فرعون کا محل بھی قید خانہ جیسا لگتا ہے اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں :

اخسر الناس من رضی الدنیا عوضاً من الآخرۃ "

سب سے زیادہ خسارہ میں وہ شخص ہے جو آخرت کے بدلہ میں دنیا پر راضی ہو گیا"

قیامت پر ایمان کی تاثیر تقویٰ و پرہیز گاری امانت، امن و امان مختصر یہ کہ تمام جزئی کلی مسائل میں کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔

کیا قیامت پر ایمان کافی ہے ؟

اب سوال یہ ہے کہ کیا تنہا قیامت پر ایمان کافی ہے۔ جی نہیں! بلکہ معاد پر ایمان کے

۱۔ سورہ مطففین / ۳۴ ۲۔ تحریم / ۱۱

ساتھ معاد کی یاد اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا پر ایمان کے ساتھ اس کی یاد ضروری ہے توجہ اور ہوشیاری قرآن نے صاحبان عقل سے مخصوص قرار دی ہے چنانچہ فرماتا ہے:

انما یتذکر اولوا الالباب[۱]،،

"صرف صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں اور غافل نہیں ہیں،،

بعض ان لوگوں کی فکر کے برخلاف جو یہ خیال کرتے ہیں کہ موت اور قیامت کی یاد انسان کو دنیا اور مادی ترقی سے غافل کر دیتی ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت اور قیامت کے دن حساب وکتاب کی یاد انسان کو غفلت اور لا ابالی پن کی غیر منظم زندگی سے دور کر دیتی ہے جو شخص اپنے ہر چھوٹے بڑے کاموں کا حساب رکھتا ہے وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی بھی کام نہیں کرتا، جی ہاں! صرف قیامت پر ایمان کافی نہیں ہے بلکہ قیامت اور قیامت کے دن حساب وکتاب کو بھی یاد رکھنا چاہئے کیونکہ پھول کی خوشبو کا اعتقاد اس کو سونگھے بغیر لذت نہیں دیتا بلکہ اپنے مشام کو معطر کرنے کے لئے پھول کا سونگھنا بھی ضروری ہے۔

قرآن اگر ان لوگوں پر تنقید کرتا ہے جو قیامت کے منکر ہیں تو اس کے ساتھ ہی بعض اوقات ان لوگوں پر بھی تنقید کرتا ہے جو قیامت کو فراموش کئے ہوئے ہیں یا اس کی طرف سے غافل ہیں

"یعلمون ظاھراً من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ ھم غافلون[۲]،،

یہ لوگ صرف زندگانی دنیا کے ظاہر اور اس کے زرق و برق چہرے کو دیکھتے ہیں اور آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں،،

شاید زیارت قبور کی اس قدر تاکید اسی وجہ سے ہو کہ کہیں ہم لوگ موت سے بالکل ہی غافل نہ ہو جائیں۔

۱۔ زمر / ۹ ۲۔ روم / ۷

آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اوپر رات دن کی نماز میں کئی بار زبان سے "مالک یوم الدین" کی تکرار واجب ہے تاکہ قیامت کے سلسلہ میں ہماری توجہ برقرار رہے۔

معاد کی یاد کے آثار

امام جعفر صادق علیہ السلام قیامت اور موت کو یاد رکھنے کی اہمیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں

- ذکر الموت یمیت الشہوات "
"موت کی یاد خواہشات نفسانی کو ختم کر دیتی ہے"
- ویقلع منابت الغفلة
غفلت کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔
- و یقوی القلب بمواعد اللہ "
انسان کے دل کو وعدۂ الٰہی کے بارے مستحکم کر دیتی ہے"
- و یرق الطبع " انسان کی طبیعت میں لطافت و رقت پیدا کر دیتی ہے۔
- ویکسر اعلام الھویٰ " خواہشات کی نشانیاں مٹا دیتی ہے۔
- ویطفئ نار الحرص ویحقر الدنیا" اور حرص و طمع کی آگ کو ٹھنڈا کر کے دنیا کو انسان کی نظروں میں حقیر کر دیتی ہے"

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں پیغمبر اسلامؐ کے اس کلام کا مطلب کہ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "ایک لحظہ فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے" یہ ہے کہ انسان اپنے مستقبل اور قیامت کے دن حساب و کتاب اور اپنے کو خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار کرے۔ بحار الانوار جلد ۶ ص ۱۳۳

روایات میں ہے کہ وہ افراد عقلمند ہیں جو ہمیشہ اپنی موت کو یاد رکھتے ہیں[1] :
پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں :
"انّ ھٰذہ القلوب تصدء کما یصدء الحدید قیل فما جلاءُھا
قال ذکر الموت وتلاوۃ القرآن[2]"
یہ دل اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے ۔
آپ سے لوگوں نے پوچھا : اس کو صیقل کرنے کی کیا صورت ہے ؟ حضرتؐ نے
فرمایا : موت کی یاد اور قرآن کی تلاوت سے (اس کو صیقل کرنا ہئے)
دوسری جگہ پیغمبر اکرمؐ نے یوں ارشاد فرمایا ہے "اکثروا ذکر الموت" موت کا زیادہ سے
زیادہ ذکر کیا کرو (اس لئے کہ چار چیزوں میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے)

۱- "فانہ یمحص الذنوب" ذکر موت تمھارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ۔
۲- "یزھد فی الدنیا" دنیا سے تمھارے بہت زیادہ لگاؤ کو کم کر دیتا ہے ۔
۳- "فان ذکر تموہ عند الغنی ھدمہ" عیش و آرام میں موت کی یاد مال و دولت سے پیدا ہونے والی مستی اور سرکشی کو ختم کر دیتی ہے ۔
۴- "وان ذکرتموہ عند الفقر ارضاکم بعیشکم" فقر و تنگدستی میں موت کی یاد آجائے اور انسان یہ سوچے کہ کل خدا کی عادلانہ بارگاہ میں آمد و خرچ اور نادار لوگوں کے بارے میں جواب دینا ہے تو اپنی تنگدستی پر ہی راضی ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ جتنا مال کم ہو گا اتنی ہی ذمہ داری کم ہو گی ۔

---

[1] ۔ بحار ، ج ۶ ص ۱۳۵ [2] ۔ نہج الفصاحۃ کلام ۹۳۴
[3] ۔ نہج الفصاحۃ کلام ۴۴۴

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"ومن اکثر ذکر الموت رضی من الدنیا بالیسیر"[1]

موت کو زیادہ یاد کرنے والا دنیا کے تھوڑے پر بھی راضی رہتا ہے (اور اس میں حرص و بخل وغیرہ نہیں پایا جاتا)

حقیقت یہ ہے دنیا اپنے عاشقوں کو ہی دھوکہ دیتی ہے اور اگر کسی نے موت اور قیامت کی یاد کے ذریعہ اپنے کو دوسری دنیا کی طرف متوجہ کر لیا تو پھر دنیا اور دنیا کی زرق برق چیزیں اسے دھوکا نہیں دے سکتیں۔

حضرتؑ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

من اکثر من ذکر الموت نجی خداع الدنیا"[2]

جو بہت زیادہ موت کا ذکر کرتا ہے دنیا کے حیلہ و فریب سے نجات حاصل کر لیتا ہے

آپؑ نے ہی ایک اور حدیث میں (موت کی یاد کے اثرات کو) یوں بیان فرماتے ہیں:

"من ترقب الموت سارع الی الخیرات"[3]

جو شخص موت کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کا منتظر ہوتا ہے نیکیوں میں جلدی دکھاتا ہے یعنی وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں تساہل نہیں کرتا بلکہ زیادہ سے زیادہ کار خیر انجام دیتا ہے کیونکہ اسے یہ معلوم ہے کہ وقت بہت کم ہے اور موت کا کوئی ٹھکانا نہیں کہ کب آجائے اور دنیا ظاہر ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔

کبھی حضرت علی علیہ السلام گزشتہ قوموں کی تاریخ کہ جنھیں موت نے دبوچ لیا ہے۔

۱ے۔ بحار جلد ۶ ص ۱۳۶ ۲ے۔ فہرست غرر موت سے مخصوص

۳ے۔ فہرست غرر موت سے مخصوص

یاد دلاکر لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور یہ شاید تنہا حضرت علی علیہ السلام ہیں جنھوں نے نہج البلاغہ میں اس انداز سے آواز بلند کی ہے :

"این العمالقہ وابناء العمالقة"؟
(حجاز و یمن پر حکومت کرنے والے) عمالقہ اور ان کی اولاد کہاں چلی گئیں ؟ جن کا آج نام و نشان تک باقی نہیں ہے "
این الجبابرة وابناء الجبابرة ؟ "وہ ظالم و ستمگر اور ان کی اولاد کہاں ہیں
"این من حصّن والدو زخرف "؟
وہ لوگ جنھوں نے مضبوط قلعے بنائے مستحکم کام کئے اور خود کو سونے چاندی سے مزین رکھا، کہاں ہیں ؟
این من کان منکم اطول اعمارا واعظم آثارا[1] "
"وہ لوگ جن کی عمریں تم سے زیادہ لمبی تھیں اور تم سے زیادہ پائیدار نشانیوں والے تھے (اب) کہاں ہیں ؟ سب کے سب خاک کا ڈھیر ہو گئے ۔

واقعاً جو عورتیں اپنی بچیوں کے مستقبل کی فکر کرتی ہیں ان کیلئے بچپن ہی سے تھوڑا تھوڑا کر کے جہیز کا سامان جمع کرتی ہیں ۔

وہ تاجر جسے اپنے قرض کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے وہ وقت سے پہلے ہی اپنی بچت جمع کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ اب جنھیں موت اور قیامت کی فکر ہے انھیں چاہئے کہ آج ہی سے تمام برے کاموں کو چھوڑ کر اچھے کاموں میں مشغول ہو جائیں تاکہ ان کے بارے میں کل جواب دے سکیں حضرت آیۃ اللہ شیرازی مرحوم سے جو کربلا کے بزرگ علماء میں سے تھے کہا گیا کہ اگر آپ کو کوئی

---

[1] ۔ فہرست غرر مخصوص موت

سچا شخص خبر دے کہ آپ اسی ہفتہ مر جائیں گے تو آپ ان چند دنوں میں کیا کریں گے ؟ مرحوم شیرازی نے جواب دیا ، جو عمل جوانی سے انجام دیتا آیا ہوں وہی عمل انجام دوں گا کیوں کہ میں جوانی میں بھی کسی کام کو انجام دینے سے پہلے سوچتا تھا کہ کل قیامت کے دن اس کا جواب بھی دینا ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ موت میرے لئے کبھی بھی سبب وحشت نہیں رہی ہے ۔ یہ حضرات اسی کے شاگرد ہیں کہ جس نے ۱۹ ویں ماہ رمضان المبارک کو ابن ملجم لعین کی تلوار سر مبارک پر کھانے کے بعد فرمایا تھا : "فزت ورب الکعبہ ، کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا ۔

حضرت نہج البلاغہ میں اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

یابنی اکثر ذکر الموت ... حتی یاتیک وقد اخذت منه حذرک[1]

اے فرزند ! موت کو ہر وقت یاد رکھو تا کہ جب وہ آئے تو تم اپنا حفاظتی سر و سامان مکمل کر کے اس کے لئے اپنی قوت مضبوط کر چکے ہو تا کہ وہ تمہیں بے دست و پا نہ کر دے ۔

موت کی یاد ۔ دعا و مناجات میں

دعا و مناجات کے اہم اور بیشتر حصے موت اور قیامت کے ذکر پر مشتمل ہیں : مثلاً ہم دعائے ابو حمزہ ثمالی میں پڑھتے ہیں :

اللھم ... ارحم ... عند الموت کربتی "

پروردگار ! موت کی منزل میں میرے غم و حسرت میں رحم کرنا ،

---

[1] نہج البلاغہ ، وصیت نمبر ۳۱

وفی قبر وحدتی و فی اللحد وحشتی ،،
پروردگار! میرے لئے قبر کی تنہائی (اور لحد کی وحشت) میں رحم کرنا ،،
وآذا انشرت للحساب بین یدیک ذل موقفی ،،
پروردگار! جب قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت تیرے سامنے حاضر کیا جاؤں (سوالوں کا جواب دینے کے لئے) قیام کی ذلت سے بچا کر رحم کرنا ،،
ولحسنن علیّ محمولاً قد تناول الاقرباء اطراف جنازتی ،،
پالنے والے اس وقت جب میرے اقرباء (دوست واحباب) میرے جنازہ کو تابوت میں رکھ کر قبرستان کی طرف لے جارہے ہوں تو میرے اوپر رحم کرنا ،،
امیرالمومنینؑ مسجد کوفہ میں فرماتے ہیں:
"خدایا! مجھے اس دن اپنی پناہ و امان میں رکھنا جب سوائے پاکیزہ قلب کے مال و اولاد کچھ بھی انسان کے کام نہیں آئے گا، پالنے والے اس روز میرے حال پر رحم کرنا جب ظالمین اپنی انگلیاں حسرت کے ساتھ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہہ رہے ہوں گے اے کاش! ہم نے ان کے جنھوں نے مجھے گمراہ کر دیا پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ راہ طے کرتے ،،
پروردگار اس روز میرے اوپر رحم کرنا جب ماں، باپ بھی کچھ نہ کرسکیں گے وہ دن جب ظالمین کی عذرخواہی سودمند ثابت نہ ہوگی، وہ دن جب انسان اپنے بھائی ماں، باپ فرزند اور دوستوں سے فرار کرے گا، وہ دن جب ہر شخص خود اپنے فعل کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا مجھے کو اپنی امان میں رکھنا۔
بارالٰہا! جس دن گنہگار انسان اپنی نجات کے لئے اس بات پر تیار ہوں گے کہ بجائے ان کے تمام دوست و احباب، بھائی، فرزند اور خاندان بلکہ دنیا کے

تمام لوگ عذاب الہی میں مبتلا ہو جائیں اور انھیں نجات مل جائے اس دن مجھے امان عطا کرنا اور آتش جہنم سے رہائی دینا[1]۔

ان دعاؤں کے پڑھنے سے غافل دلوں کو دوا اور سیاہ و تاریک دلوں کو روشنی ملتی ہے جی ہاں! یہ مناجات و دعائیں انسان کو جھنجھوڑتی اور بیدار کرتی ہیں اس کی نظروں کو اس محدود دنیا سے لامتناہی دنیا کی طرف منتقل کر دیتی ہیں اور انسان کو کمال و بلندی عطا کرتی ہیں، دنیا میں ہونے والے مظالم یا تو ان لوگوں کی طرف سے ہوتے ہیں جو جواب دہی اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے یا ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی طرف سے غافل ہیں۔

ہم موت کو یاد کیوں نہیں کرتے ؟

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: مجھے تمھارے بارے میں دو چیزوں کا خوف ہے ۱۔ خواہشات نفس کی پیروی ۲۔ طویل آرزوئیں اس لئے کہ ہوس پرستی حق پرستی سے اور طویل آرزوئیں قیامت کی یاد سے تم کو دور اور غافل کر دیتی ہے:

"... فامّا اتباع الھوٰی فیصدّ عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرۃ"[2]

دوسری حدیث میں ہے کہ:

"اکثر الناس املا اقلھم للموت ذکراً"[3]

جو بھی موت اور قیامت کو کم یاد کرتا ہے اس لئے ہے کہ اس تمنائیں دراز ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ کی دعا مسجد کوفہ میں ۔ ۲۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام ص۱۲۷

۳۔ فہرست غرر موت ۔

انکار معاد کے محرکات

ذمہ داری سے گریز

کبھی انسان کسی بیابان میں زمین یا درخت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اگرچہ اس اخلاقی وجدان اور تقویٰ کی روح اس سے کہتی ہے یہ کام نہ کرو کیوں کہ اس کا مالک راضی نہیں ہے وہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے کہتا ہے، ان زمینوں اور درختوں کا کوئی بھی مالک نہیں ہے تاکہ ان سے فائدہ اٹھانے کی راہ ہموار ہو جائے۔ یا مثلاً جب کسی کی غیبت کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے فلاں آدمی اس قدر بُرا ہے کہ اس کی برائی غیبت نہیں ہے تاکہ حسب دلخواہ اسے نواز سکے۔

قرآن کہتا ہے: انسان اپنی عیاشی اور تباہ کاری کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے: قیامت کا کوئی وجود نہیں تاکہ جو اس کا دل چاہے کر سکے

بل یرید الانسان لیفجر امامہ یسئل ایان یوم القیامۃ « (قیامت / ۵)

کبھی نامحرم عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھنے کی غرض سے کہتا ہے کہ ہم آپس میں بہن بھائی ہیں تاکہ ہم ان کو بے پردہ نظارہ کر سکے کبھی طاغوتی قوتوں سے الجھنے کا خوف ہوتا ہے تو کہتا ہے تقیہ کرنا چاہیئے اور کبھی دیکھتا ہے کہ ہم میں فیصلے کی قوت نہیں ہے تو کہتا ہے: لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیئے جی ہاں! انسان میں توجیہ و تاویل کی ایسی صلاحیت ہے کہ خود اس کو بھی غیر محسوس طور پر اس کا پتہ نہیں ہے ہم نے ان جذبات و احساسات کو جو نفسیات پر مبنی ہوتے ہیں ذمہ داری سے گریز کا نام دیا ہے۔

خدا کے علم و قدرت پر ایمان نہ ہونا

معاد کے منکرین کے پاس انکار کی کوئی بھی علمی دلیل نہیں ہے وہ صرف دوبارہ زندہ ہونے کو بعید جانتے ہیں ہم اس سلسلے میں کچھ نمونے پیش کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

"وما لهم بذلك من علم ان هم الا يظنون"[1]

اور ان منکرین معاد کے پاس کوئی بھی علمی دلیل نہیں ہے یہ لوگ صرف گمان و خیال کے تحت گفتگو کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"زعم الذين كفروا ان لن يبعثوا"[2]

یعنی کفار خیال کرتے ہیں کہ انھیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ سورہ جاثیہ / ۲۴

۲۔ سورہ تغابن / ۷

ءاذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید[1]،
کیا مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد بھی ہمیں پھر سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟!!
اسی طرح سورۂ مومنون آیت ۳۵ و ۸۲، سورہ نمل آیت ۶۷، سورہ صافات آیت ۱۶ اور ۵۳، سورہ ق آیت ۳ اور سورہ واقعہ آیت ۴۷ میں بھی مخالفین کی گفتگو (معمولی فرقوں کے ساتھ) اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ءاذا کنا ترابا ءانا لفی خلق جدید ؟"
جب ہم موت کے بعد سڑ گل کر خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا ؟!

آپ نے توجہ فرمائی منکرین معاد کی تمام تر باتیں اسی خدشے کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ آیا ایسا ہونا ممکن ہے ؟ لیکن قرآن نے اس کا جواب واضح اور روشن انداز میں دیا ہے جس کے کچھ نمونے "امکان معاد" کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور یہاں بھی پیغمبر اسلام کی ایک حدیث مزید پیش کر رہے ہیں: حضورؐ فرماتے ہیں:
اذا رایتم الربیع فاکثروا ذکر النشور[2]"
یعنی جب فصل بہار دیکھو تو اپنے دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر زیادہ کیا کرو۔

قرآنی آیات میں بھی اس مسئلہ کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے کہ مردوں کا زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے زمین اور درختوں کا دوبارہ زندہ ہونا۔ اگر ایک مثنوی کے چند اشعار یہاں ذکر کر دئیے جائیں تو غلط نہ ہوگا۔ ؎

---

[1] سورۂ سجدہ / ۱

[2] زندگی جاوید از مرحوم مطہری صفحہ ۴۵۔

این بہار نو ز بعد برگ ریز — هست برہان بر وجود رستخیز
در بہاران سر ہا پیدا شود — ہرچہ خوردہ است این زمین رسوا شود

جی ہاں! انکار معاد کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو قدرت خدا پر ایمان نہیں ہے اسی لئے مخالفین کے لئے قرآن نے قدرت خدا کے کئی نمونے بیان کئے ہیں۔ اور کہتا ہے: وہی قدرت جس نے پہلی بار تمھیں پیدا کیا ہے مرنے اور بکھر جانے کے بعد بھی دوبارہ پیدا کر سکتی ہے کیونکہ الگ الگ اجزا کو سمیٹ دینا ابتدائی طور پر پیدا کرنے سے بہت آسان ہے۔ (اگرچہ خدا کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے)

دوسرا بہانہ

منکرین معاد بہانہ یہ کرتے تھے کہ اگر قیامت ہے تو وہ کب آئے گی؟ قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے جواب سننے کے بعد اس کو قبول کرنے کے بجائے تعجب و تمسخر کے انداز میں سر ہلا کر کہتے تھے کہ اچھا تو پھر قیامت کب آئے گی؟

"ویقولون متیٰ ھو"[۱]

اس بات کی طرف توجہ دیئے بغیر کہ قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں ہے ظاہر ہے کہ وقت قیامت کا نہ جاننا ہرگز قیامت سے انکار کی دلیل نہیں ہے۔ کیا کوئی شخص اپنی موت کا وقت معلوم نہ ہونے کے باوجود اصل موت کا انکار کر سکتا ہے؟

۱۔ اسراء آیت ۵۰

ایک اور بہانہ

منکرین معاد کا ایک اور بہانہ یہ تھا کہ اگر خدا مُردوں کو زندہ ہی کرتا ہے تو ہمارے باپ دادا کو ابھی زندہ کر کے ہمیں دکھا دے۔

"قالوا ائتوا بآبائنا"[1]

یا قرآن نے دوسری آیت میں ان کی بات یوں نقل کی ہے:

"فاتوا بآبائنا ان کنتم صادقین"[2]

اگر تم سچ کہتے ہو کہ قیامت ہے تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دو

واقعاً کیسی کیسی مانگیں تھیں!!

اگر انسان ہٹ دھرمی سے کام نہ لے تو اس کا یہی سونا جاگنا اور موسم بہار و خزاں کی آمد و رفت قیامت کو قبول کرنے کے لئے کافی ہے اور اگر ہٹ دھرمی پہ اتر آئے تو بالفرض اگر اس کے باپ کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے تو پھر کہے گا: ہمارے اجداد کو زندہ کرو اس کے بعد کہے گا کہ ہمیں پھر سے جوان بنا دو مختصر یہ کہ ایسے تقاضے ہوں گے کہ جن سے نظام آفرینش درہم برہم ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی ایمان نہیں لائے گا۔

کیا قرآن میں نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں اگر کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ آسمان کو زمین پر اتار نہ دیں یا خدا اور ملائکہ کو ہمارے سامنے حاضر نہ کر دیں...[3]

---

[1] - سورہ جاثیہ / ۲۵   [2] - دخان / ۳۶

[3] - اسراء / ۹۲

کیا پیغمبر اسلام ؐ نے ان لوگوں کے کہنے پر چاند کے دو ٹکڑے نہیں کئے تھے [۱]

کیا خدا کے نبی جناب صالح ؑ نے اپنی قوم کے سامنے خدا کی اجازت سے اپنے معجزہ کے طور پر ناقہ ظاہر نہیں کیا تھا؟ جس کو انھوں نے پے کر کے مار ڈالا اور عذاب الہٰی نے ان سب کو اپنی گرفت میں لے لیا [۲]

لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انبیاء اکرام کا کام دلیلیں پیش کرنا اور وقت ضرورت قدرت الہٰی کے نمونوں کی جھلکیاں دکھائی دینا ہے ورنہ دنیا ایک نمائش گاہ اور ان کی خواہشوں کی تکمیل کا کارخانہ بن کر رہ جاتی !

کیا چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کے بعد لوگوں نے بجائے ایمان لانے کے یہ نہیں کہا کہ یہ سب "سحر اور جادو" ہے ؟ کیا جناب عیسیٰ ؑ جو مردوں کو زندہ کرتے تھے تمام لوگوں کو خدا والا بنانے میں کامیاب ہو گئے ؟ کیا ان کے اور ان کے ایمان لے آنے کے لئے نظام ہستی کو درہم برہم اور کارخانہ فطرت کو پیچھے پلٹایا جانا درست ہے ؟ کیا خداوند عالم جسم و جسمانیت رکھتا ہے کہ یہاں وہاں اس کو پیش کیا جاسکے ؟ ! ہم اس بحث کو قرآن کی ایک آیت پر ختم کرتے ہیں ۔

خداوند عالم سورہ بنی اسرائیل میں ان لوگوں کے جواب میں جو مُردوں کے زندہ ہونے کو مشکل جانتے تھے یوں ارشاد فرماتا ہے ۔

اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوات والارض قادر علیٰ ان یخلق مثلھم وجعل لھم اجلا لاریب فیہ فابی الظٰلمون الا کفورا [۳]

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان کا جیسا دوسرا

---

۱ ۔ سورہ قمر / ۱ ۔ ۲ ۔ ہود / ۶۴ ۔ ۶۸

۳ ۔ اسراء / ۹۹

بھی پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لئے ایک معین مہلت مقرر کر دی ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے مگر ظالمین انکار کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتے

مختصر یہ کہ اگر ایمان لانے کے لئے معجزہ کی ضرورت ہے تو انبیاء علیہم السلام نے معجزات پیش کئے ہیں اور اگر ہر فرد ایمان لانے کے لئے نظام خلقت میں خلل پیدا کرنے کی خواہش کرے تو انبیاء ایسے ہٹ دھرموں اور شہوت پرستوں کی باتوں کو ہرگز قبول نہیں کریں گے

موت بھی الٰہی قانون ہے

کیا موت کا مطلب قدرت خدا کا تمام ہو جانا اور اسباب موت کا ارادہ خدا پر غالب آجانا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ موت بھی مقدرات قدرت و ارادہ الٰہی کے تحت ہے۔

قرآن کہتا ہے:

"نحن قدرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین"[1]

ہم نے خود موت کو تمہارے درمیان مقدر کیا ہے اور عالم ہستی میں کوئی بھی عامل و سبب ہم پر کامیابی اور سبقت نہیں لے جا سکتا۔

دلچسپ یہ کہ قرآن میں چودہ مقامات پر لفظ "توفی" موت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی "قبضہ میں لینے" کے ہیں مطلب یہ ہے کہ موت کے ذریعہ تم نابود نہیں ہوگے بلکہ ہم اپنی دی ہوئی چیز بغیر کسی کم و کاست کے واپس لے کر وقتی طور پر اپنے مامورین کے حوالے کر دیتے ہیں۔

---

[1] ـ سورہ واقعہ / ۶۰

کیا موت فنا اور نابودی کا نام ہے؟ ہرگز نہیں کیوں کہ "نابودی" خلقت کی محتاج نہیں ہوتی جبکہ ہم قرآن میں پڑھتے ہیں

"خلق الموت والحیوٰۃ"[1]

اس نے موت کو بھی پیدا کیا ہے اور حیات کو بھی،

بس معلوم ہوا موت نیستی و نابودی نہیں ہے بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام ہے جبھی تو مرنے کو "لفظ" توفی "سے تعبیر کیا گیا ہے! چنانچہ یہی تعبیر پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات میں بھی ملتی ہے حضرتؐ نے فرمایا:

"خیال نہ کرو کہ موت کے ذریعہ تم فنا اور نابود ہو جاتے ہو بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جاتے ہو"[2]

موت معصومینؑ کی نگاہ میں

ائمہ معصومینؑ کے ارشادات میں موت کے متعلق بڑی ہی اچھی اور عمدہ عمدہ تعبیریں استعمال ہوئی ہیں ان میں سے کچھ ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ موت کیا ہے: آپ نے فرمایا:

"اعظم سرور یرد علی المومن"[3]

موت عظیم ترین خوشی ہے جو مومن کو نصیب ہوتی ہے۔

---

۱ ۔ سورہ ملک / ۲ ۲ ۔ بحار باب برزخ

۳ ۔ محجۃ البیضاء جلد ۸ صفحہ ۲۵۵

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"فما الموت الّا قنطرة"[1]

موت ایک پل ہے جو تمھیں دنیا کے جھگڑوں سے نکال کر الطاف الٰہی کے جوار میں پہنچا دیتی ہے جس طرح سے کہ دشمنان خدا کو محلوں سے قیدخانہ میں پہنچاتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مومن کا دنیا سے جانا ویسا ہی ہے جیسے بچہ کا شکم مادر سے باہر آنا کیونکہ وہ تاریکی اور گھٹن کے ماحول سے نکل کر کھلی اور وسیع راحت کی فضا میں قدم رکھتا ہے[2]

حضرت امام سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

"الموت للمؤمن کنزع ثیاب وسخة قمّلة وفك قیود اغلال ثقیلة والاستبدال بافخر الثیاب واطیبها"[3]

"موت مومن کے لئے گندے اور میلے کپڑے اتار پھینکنے اور قید و بند کی بھاری زنجیروں سے آزاد ہو جانے اور اس کی جگہ طیب و طاہر خوشبو دار کپڑے پہن لینے کی مانند ہے"

اس کے بعد امام فرماتے ہیں: کہ یہی موت کافروں کے لئے اچھے اور فاخرہ لباس اتار کر گندے اور موٹے کپڑے پہن لینے اور دلنشیں و خوبصورت گھر چھوڑ کر کسی وحشتناک گھر میں پہنچ جانے کی مانند ہے،

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ محجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۲۵۵

[2] ۔ نہج الفصاحہ جملہ ۲۶۴۵

[3] ۔ محجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۲۵۵

"الموت هو النوم الذی یاتیکم فی کل لیلۃ الا انہ طویل مدتہ۔[1]
موت بھی ہر شب آنے والی نیند کی طرح ہے لیکن اس کی مدت لمبی ہے۔۔۔"
البتہ امام نے یہاں موت اور برزخ کے مسئلہ کو بیان کیا ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:
"الموت للمومن کاطیب ریح یشمہ ۔۔۔ وللکافر کلدغ الافاعی وکلسع العقارب[2]"
مومن کے لئے موت کسی بہترین خوشبو کے سونگھنے کی مانند اور کافر کے لئے بچھو اور سانپ کے ڈنک مارنے جیسی ہے۔
ان تمام تعبیروں کو خلاصہ کے طور پر یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ موت مومن کے لئے عظیم ترین خوشی، تنگ و تاریک گھر سے نجات کا پل، گندے اور میلے کپڑوں سے علاحدگی اور اچھے خوشبودار کپڑوں سے آراستگی ہے۔ بعض دوسری روایت میں ہے کہ موت مومن کے لئے دوا ہے۔
دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:
مردان خدا کے لئے موت حمام کرنے کی مانند ہے اگرچہ معمولی زحمت اٹھانا ہوتی ہے لیکن بدن کی نشاط و پاکیزگی اور ہلکا ہو جانے کا باعث ہے:
ہم اس بحث کو پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث پر ختم کرتے ہیں کہ:
ان الموت عندی بمنزلۃ الشربۃ الباردۃ فی الیوم الشدید الحر[3]
یعنی موت میرے نزدیک اس ٹھنڈے شربت کی مانند ہے جو پیاسا انسان سخت گرمی

---

[1] محجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۲۵۵۔
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 [3] سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۵۳

کے دلوں میں پیتا ہے۔

موت کے طریقے

آیات و روایات میں موت کے چار طریقے ملتے ہیں اور بڑے ہی لطیف انداز میں ہر ایک کا ذکر ہوا ہے:

اچھے لوگ اچھی موت

کچھ ایسے نیک لوگ ہیں جن کی روحیں آسانی سے نکل جاتی ہیں حضرت علی علیہ السلام ان کے لئے فرماتے ہیں:

"نیک لوگوں کو موت کے وقت بشارت دی جاتی ہے جس سے ان کی آنکھوں میں چمک اور موت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور پھر آسانی سے روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے"[1]

اچھے لوگ سخت موت

کچھ نیک افراد وہ ہیں جن کی روحیں سختی سے قبض کی جاتی ہیں پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"الموت کفارۃ لذنوب المؤمنین"[2]

"موت اور اس کی سختیاں مومنین سے ہو جانے والے معمولی گناہوں کا کفارہ ہیں"

---

[1] ۔ بحار جلد ۶ ص ۱۵۳ [2] ۔ بحار جلد ۶ ص ۱۵۱

تاکہ مرنے کے بعد پھر کوئی عذاب نہ ہو اور پاک و پاکیزہ بارگاہ خداوندی میں جائیں۔

بُرے لوگ اچھی موت

بعض بُرے لوگوں کے آرام و راحت سے مرنے کے سلسلے میں امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں
"وتصفّی الکافرین من حسناتھم"[1]
کافروں کا راحت وسکون سے مرنا اپنی زندگی میں بعض نیک اعمال بجالانے کا صلہ ہے جو خداوند عالم ان کا حساب چکانے کی غرض سے دیتا ہے کیونکہ کبھی کبھی کافر حضرات بھی کوئی نیک کام انجام دے دیتے ہیں لہٰذا ان کی موت آسان ہو جاتی ہے۔

بُرے لوگ بری موت

بعض برے لوگوں کی روحیں سختی سے نکلتی ہیں اور یہ خدا کی طرف سے عذاب کا پہلا طمانچہ ہے جو خدا کے فرشتے[2] انھیں لگاتے ہیں۔

اگرچہ مذکورہ چاروں صورتوں سے متعلق الگ الگ چار موارد ہم نے نقل کر دیئے ہیں لیکن ایک حدیث میں ان کا ایک ساتھ ذکر موجود ہے جس کو ہم یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں کیونکہ آئندہ "سکرات الموت" کے ذیل میں اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

۱؎ بحار جلد ۶ صـ ۱۵۵

۲؎ بحار جلد ۶ صـ ۱۵۲

موت کی قسمیں

اسلام میں موت اور مرنے کی چند قسمیں ہیں :

۱۔ دلوں کی موت : بے حس اور قسی القلب لوگوں کو قرآن نے مردہ قرار دیا ہے چنانچہ پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہوتا ہے :

"انک لا تسمع الموتیٰ[1] " تم مردہ دلوں کو زندہ نہیں کر سکتے "۔

حضرت علی علیہ السلام دنیا پرست شخص کے بارے میں فرماتے ہیں :

" وأماتت الدنیا قلبہ[2] " دنیا نے اس کے قلب کو مردہ کر دیا ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ جو لوگ برائیوں کا تماشا کرتے ہیں لیکن اس کے خلاف کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کرتے اور صرف یہ کہ دست و زبان سے نہیں روکتے بلکہ ان کے قلب کو اس سے تکلیف نہیں پہنچتی تو یہ لوگ وہ مردے ہیں جو زندوں کے درمیان رہتے ہیں فرق یہ ہے کہ قبرستان میں مردے لیٹے پڑے ہوئے ہیں اور یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں :

"فذالک میت الاحیاء[3] " پس یہ لوگ زندہ لاشیں ہیں

اور مناجات میں ہے ۔" ولمات قلبی عظیم جنایتی[4] " معبود ! بڑے گناہوں نے میرے دل کو مردہ کر دیا ہے۔

۲۔ معاشرہ کی موت :۔ جس طرح بے حس و بے حرکت پڑا ہوا یا ٹکا ہوا انسان (زندہ ہونے کے باوجود) مردہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح وہ معاشرہ بھی مردہ کہا جاتا ہے جس میں کوئی حس و

۱۔ نمل /۸۰ و روم /۵۲ — ۲۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۸۵ از فیض الاسلام ص ۳۳۱

۳۔ نہج البلاغہ حکمت نمبر ۳۶۶ — ۴۔ مناجات خمسہ عشر از مفاتیح الجنان

حرکت نہ ہو جو معاشرہ برائیوں کی طرف سے لاپروا اور خوشی اور غم کے واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے اپنی تہذیب اور اقتصاد کو غیروں کے سپرد کر دے دراصل وہ بھی مردہ ہے مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کا سہارا لیا جائے، قرآن کہتا ہے :

"ولکم فی القصاص حیوۃ"[۱]

تمھارے لئے قصاص یعنی ستمگروں سے انتقام لینے میں زندگی ہے۔

جی ہاں! جس معاشرہ میں ظالم سے مظلوم کا حق نہ لیا جائے، قاتل کو قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ معاشرہ مردہ ہے، جس معاشرہ میں "امر بالمعروف" و "نہی عن المنکر"، عدل و انصاف، تنقید و تبصرہ اور آزادی و استقلال نہ ہو وہ بھی مردہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

" فالموت فی حیاتکم مقھورین والحیاۃ فی موتکم قاھرین"[۲]

کسی سے دب کر زندگی بسر کرنا جیتے جی موت ہے اور (بلند مقاصد) کے لئے کامیابی کے ساتھ جان دے دینا بھی زندگی ہے، بنا بر ایں فقیر و مفلس معاشرہ مردہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

"الفقر الموت الاکبر" فقیری بہت بڑی موت ہے[۳]

۳۔ شہادت کی موت :۔ بہترین موت راہ خدا میں شہید ہونا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

والذی نفس علی بیدہ لالف ضربۃ بالسیف اھون من موتۃ واحدۃ علی الفراش[۴]"

۱۔ بقرہ/۱۷۹ ۲۔ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۵۱ ۳۔ نہج البلاغہ حکمت/۱۵۴

۴۔ سفینۃ البحار ج ۲/ ص ۵۵۳

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میرے لئے میدان جنگ میں تلوار کے ہزار زخم کھانا بستر آرام پر مرنے سے زیادہ آسان و گوارہ ہے

قرآن کریم نے راہ خدا میں شہید ہونے والوں کو بڑے ہی دلکش و زیبا انداز میں بشارتیں دی ہیں ۔

چنانچہ خطاب ہوتا ہے :

"راہ خدا میں شہید ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں" [۱]

خدا فرماتا ہے :

"لاکفرنّ عنہم سیئاتھم" [۲] "ہم شہیدوں کی لغزشوں سے چشم پوشی کر لیتے ہیں"

نؤتیہ اجراً عظیماً" [۳] "ہم انھیں اجر عظیم عطا کریں گے"

کسی مذہب میں شہادت کو وہ عظمت حاصل نہیں ہے جو عظمت اسلام نے اسے بخشی ہے اسلام کے تمام امام و رہبر (علیہم السلام) یا زہر سے شہید ہوئے ہیں یا میدان جنگ میں مارے گئے ہیں اور شہادتوں میں بھی سخت ترین قسم کی شہادت رہبران اسلام کے یہاں مثلاً واقعہ کربلا میں ملتی ہے ائمہ معصومین کی درس گاہ سے تربیت پانے والے بھی لوگ شہادت کے عاشق تھے چنانچہ یہ امام حسنؑ کے ۱۳ سالہ نوخیز فرزند جناب قاسم کا قول ہے جو آپ سنتے ہیں کہ "راہ خدا میں شہید ہونا میرے لئے شہد سے زیادہ شیریں ہے" اور امام حسینؑ کے جوان فرزند حضرت علی اکبر ہیں جو فرماتے ہیں "جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کا کیا ڈر" ائمہ معصومینؑ کی دعاؤں اور مناجاتوں میں بھی شہادت کی کس قدر شدت سے تمنا اور آرزو نظر آتی ہے ۔

---

۱ ۔ آل عمران / ۱۶۳ ۔۔۔ ۲ ۔ آل عمران / ۱۹۵

۳ ۔ نساء / ۷۴

خود پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب وانصار کی بھی یہی صورت نظر آتی ہے وہ جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گھوڑے اور تلوار کی خواہش کرتے تھے تو چونکہ پیغمبر اسلامؐ کے پاس وسائل نہیں تھے کہ حضرتؐ انھیں دے کر میدان جنگ کی طرف روانہ کریں اس پر یہ لوگ گریہ کرتے تھے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں شہادت سے زیادہ افضل کوئی اور نیکی نہیں ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے:

"فوق کل ذی بر بر حتی یقتل فی سبیل اللہ فاذا قتل فی سبیل اللہ فلیس فوقہ بر[2]"

ہر نیکی سے بالاتر کوئی نہ کوئی نیکی ہے لیکن راہ خدا میں شہید ہو جانے کے بعد اس سے برتر نیکی نہیں ہے۔

واضح رہے جو لوگ ائمہ معصومینؑ کی پیروی کرتے ہوئے تلخ وشیریں حادثات میں ثابت قدم رہتے ہیں، طاغوتی قوتوں اور ان کی راہ ورش کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، ان کی دھمکیوں، پروپگنڈوں اور حرص ولالچ کسی چیز میں نہیں آتے وہ بھی شہید ہیں کیونکہ اگرچہ ان لوگوں نے خون نہیں دیا ہے پھر بھی پوری عمر خون دل پی کر صراط مستقیم پر گامزن رہے ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں حضرت علی علیہ السلام کے اس جملہ کو بھی نقل کر دوں جس میں آپ نے فرمایا ہے:

"فانہ من مات منکم علی فراشہ وھو علی معرفۃ حق ربہ وحق رسولہ واھل بیتہ مات شھیداً ووقع اجرہ علی اللہ[3]"

۱۔ سورہ توبہ/۹۲ ۲۔ وسائل ج ۱۱ ص ۸

۳۔ نہج البلاغہ فیض خطبہ نمبر ۲۳۲ ص ۶۶۷

"یقیناً تم میں سے جس کسی کو بستر پر موت آجائے اور وہ خدا رسول اور ائمہ معصومین ؑ کے حقوق کی پوری پوری معرفت رکھتا ہو تو وہ شہید مرتا ہے اور اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے "

۴۔ موت کی ایک قسم وہ بھی ہے جو "قانون قصاص" کی صورت میں واقع ہوتی ہے۔

ہم موت سے کیوں ڈرتے ہیں ؟

موت سے خوف کے مختلف سبب اور بنیادیں ہو سکتی ہیں، بات کو آسانی کے ساتھ سمجھنے کے لئے ایک مثال جو خدا کی جانب سے ذہن میں آئی ہے پیش کرتا ہوں:

یہ مثال ہمارے تصور کائنات سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسلامی نظریہ کے مطابق دنیا ایک گزرگاہ ہے انسان مسافر ہے اور دنیا کے مال و اسباب وسیلہ ہیں اور ہماری مثال کسی خوف زدہ ڈرائیور کی سی ہے۔

۱۔ کبھی ڈرائیور اپنی گاڑی کے گرنے اور نابود ہو جانے کا خطرہ محسوس کر کے ڈرتا ہے۔ اسی طرح قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے یا مرنے کو فنا خیال کرنے والے افراد کو موت سے بھی ڈرنا ہی چاہئے کیونکہ ان کی نگاہ میں موت ایک قسم کی نابودی ہے۔

۲۔ جس ڈرائیور نے خون پسینہ ایک کر کے اپنی گاڑھی کمائی سے گاڑی خریدی ہو اور بہت زیادہ پسند بھی ہو تو اسے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی اسے چرا نہ لے خراب نہ کر دے چھین نہ لے وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس کی نظر میں اس سے زیادہ قیمتی کوئی اور چیز نہیں ہے۔

جی ہاں ! دنیا سے بہت زیادہ لگاؤ رکھنے والوں کے لئے دنیا سے جدائی عظیم ترین مصیبت اور شکنجہ ہے، زخم کے پھائے کے مانند، چنانچہ روئیں دار جگہ پر زخم کا پلاسٹر لگا دیا جائے تو نکالتے وقت کافی تکلیف ہوتی ہے اس کے برخلاف ہاتھ کے ہتھیلی یا پیشانی پہ (جہاں بال نہیں ہوتے) پھاہا لگا ہو تو جدا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ بال کے ساتھ پھاہا

نہیں چپکتا ۔

اگر انسان کا دل بھی دنیا سے چپک جائے تو اس کا چھڑانا مشکل ہے اور موت سخت ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر انسان پرہیزگار ہو اور دنیا سے زیادہ دل نہ لگائے تو اس کے لیے مرنا آسان ہے وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتا ۔

ایک شخص نے پیغمبر اسلامؐ سے سوال کیا : ہمیں نہ جانے کیوں موت سے ڈر لگتا ہے ؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا :

کیا تم مالدار ہو ؟ جواب دیا جی ہاں :

پھر پیغمبر اسلامؐ نے پوچھا :

کیا راہ خدا میں خرچ کرتے ہو ؟ کہا نہیں ۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا : یہی وجہ ہے کہ تم موت سے ڈرتے ہو ۔

امام حسن علیہ السلام سے بھی ایک شخص نے اسی سے ملتا جلتا سوال کیا تھا : امامؑ نے فرمایا : چونکہ تم نے تمام تر کوششیں اپنی دنیا کو آباد کرنے میں صرف کی ہیں اور آخرت کے لئے کوئی نیک کام نہیں کیا ہے اسی وجہ سے تم موت سے ڈر رہے ہو کہ اس آباد دنیا کو چھوڑ کر ایک خرابہ کی طرف منتقل ہونا ہے ۔

"انکم اخربتم آخرتکم و عمرتم دنیاکم فانتم تکرھون النقلة من العمران الی الخراب"[۱]

۳۔ کبھی ڈرائیور کو راستے سے ناواقفیت کی وجہ سے ڈر لگتا ہے اور یہی بے خبری اس کی پریشانی کا سبب بنتی ہے ۔

---

[۱] بحار الانوار ج ۶ ص ۱۲۹

امام علی نقی علیہ السلام ایک بیمار صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے دیکھا وہ رو رہا ہے اور مرنے کے لئے خوف زدہ ہے امام علیہ السلام نے فرمایا :

"تخاف من الموت لانك لا تعرفہ"[1]

تو موت سے اس لئے ڈر رہا ہے کہ تجھے موت کی معرفت نہیں ہے ۔

جی ہاں ! اپنے مستقبل سے لاعلمی بھی خوف و ہراس کا سبب ہوتی ہے ۔

۴ ۔ کبھی ڈرائیور کو گاڑی سے ہاتھ دھو بیٹھنے یا راستے سے ناواقف ہونے کا ڈر نہیں ہوتا ہے بلکہ سفر کے طویل ہونے کے سبب پٹرول کی کمی اور پرانے ٹائروں کی خرابی کے اندیشے سے خوف زدہ رہتا ہے،

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں :

"آہ من قلۃ الزاد و طول الطریق و بعد السفر و عظیم المورد"[2]

افسوس زاد راہ مختصر، راستہ طویل، سفر دور و دراز اور منزل بہت سخت ہے ،،

۵ ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ڈرائیور کے پاس گاڑی اچھی ہوتی ہے اس کو پٹرول ٹائر انجن وغیرہ کی طرف سے بھی خطرہ نہیں ہوتا ٹنکی میں پٹرول اور اسٹپنی میں ٹائر وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور کسی بات کی فکر نہیں پائی جاتی پھر بھی وہ ڈرتا ہے اس لئے کہ پہلے کئی مرتبہ قانون شکنیاں کر کے اتفاقاً پولیس کی زد سے بچ نکلا ہے اب ڈرتا رہتا ہے کہ راستہ میں کہیں R. T. O. نہ مل جائے خاص طور سے وہ افسر جس کے پاس اس کی تمام فائیلیں موجود ہیں اس کے علاوہ گاڑی کا میٹر اور رفتار کی سوئی بھی اس کی خلاف ورزی کی حکایت کر رہی ہے ۔ نیز مسافروں کی تھکن اور انجن کی گرمی بھی اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے خلاف قانون کام کیا ہے بس لامحالہ اس ڈرائیور کو اپنی ہار مان کر ان تمام خلاف ورزیوں کا جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے

---

[1] ۔ معاد جناب فلسفی ص ۱۷ منقول از معانی الاخبار ۔ [2] نہج البلاغہ فیض ص ۱۱۰۹ حکمت ۷۴

سورہ جمعہ میں ہے :

ولا یتمنونہٗ ابداً بما قدمت ایدیھم[۱]

"حتیٰ وہ لوگ بھی جو اپنے کو اولیا خدا سمجھتے ہیں اپنی گزشتہ خلاف ورزیوں کی بنا پر کبھی موت کی تمنا نہیں کرتے"

۶۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ڈرائیور کو گرنے پلٹنے یا پٹرول کی کمی یا خلاف ورزیوں یا راستہ کی کیفیت اور گاڑی کے خراب ہونے کا خوف وغیرہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ وہ انجام سے ڈرتا ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر اس پر کیا گزرے گی اگر بہ فرض بھی کریں کہ خلاف ورزیوں کی بنا پر بازپرس نہ ہوگی تو کیا اس کی خواہشات و میلانات کے مطابق اس کے ساتھ مہربانی کی جائے گی؟ کیا اس پیچ و خم سے بھرپور راستہ کو طے کرنے کے بعد منزل پر پہنچ کر اس کی خاطر و تواضع بھی ہوگی یا نہیں؟

جب وہ یہ جان لے گا اس اندھیرے اور پر خطر راستہ کے خاتمہ پر امید کی کرن پھوٹنے والی ہے اور مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا جائے گا تو خوف و ہراس کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا چنانچہ حسب ذیل حدیث پر توجہ فرمائیں:

"سئل امیرالمومنینؑ بماذا احببت لقاء اللہ؟ قال لما رأیتہٗ قد اختارلی دین ملائکتہ و رسلہ وانبیائہ علمت ان الذی اکرمنی بھذا لیس ینسانی فاحببت لقائہ

حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے کہ آپ موت کو دوست رکھتے ہیں (حتیٰ بعض وقت حضرتؑ نے فرمایا ہے میں موت سے اتنا زیادہ مانوس ہوں کہ بچہ اپنی ماں کے پستانوں سے بھی اتنا مانوس نہیں ہوتا)

۱۔ سورہ جمعہ / ۷ ۲۔ بحار جلد ۶ ص ۱۲۷

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: چونکہ دنیا میں الطاف الٰہی کے نمونے دیکھ کر اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ جو خدا دنیا میں میرے اوپر اتنا لطف کر رہا ہو اور جس نے میرے لئے فرشتوں، رسولوں اور نبیوں کے راستے پر چلنا پسند کیا ہے، وہ قیامت کے دن مجھے کیسے فراموش کرسکتا ہے لہٰذا مجھے قیامت کے حساس دن اپنے مقصد اور خدائے بزرگ کی طرف سے ہونے والی مہمان نوازی میں کسی قسم کی تشویش یا پریشانی نہیں ہے۔

کیا کریں کہ موت کا ڈر نکل جائے

وہ تمام چیزیں جو خوف و وحشت کا سبب ہیں ان سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اگر خوف کی بنیاد پر موت کا مطلب و مفہوم نہ جاننا اور اسے فقط نابودی سمجھ لینا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس بات کو قرآن اور عقلی دلیلوں سے سمجھیں کہ موت فنا نہیں ہے اور اس طرح موت سے خوف زدہ کرنے والے سب سے پہلے سبب کا مقابلہ کریں۔

اگر اس بات کا خوف ہے کہ مال و دولت اور بیوی بچوں سے جو نہایت عزیز ہیں۔ ہم جدا ہو جائیں گے تو ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ خداوند عالم اگر موت کے ذریعہ ہمیں مال و فرزند اور اس فانی دنیا سے جدا کر رہا ہے تو اس کے بدلے میں ایسی نعمتوں سے (کہ دنیا میں جن کی مثال نہیں ہے) نوازے گا البتہ ہمیں بھی متقی پرہیز گار بننے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ دنیا کی محبت کو اپنے دلوں میں گھر بنانے کی اجازت نہ دو ورنہ کل کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی جدائی کا غم (زخم پر لگائی جانے والی) اس پٹی کی مانند ہو جائے جسے زخمی کے ہاتھ کی پشت پر لگا کر جس وقت جدا کرتے ہیں تو کافی تکلیف ہوتی ہے۔ یوں ہی یہ غم تم کو پریشان و مضطرب کر دے۔

اگر خوف وحشت اس وجہ سے ہے کہ ہم ایک تنگ و تاریک و نامعلوم و خطرناک منزل میں داخل ہونے والے ہیں تو ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ موت کا راستہ تاریک نہیں ہے بلکہ انسان اپنے کمال و ترقی کے لئے ایک منزل سے دوسری منزل میں قدم رکھتا ہے موت کے ذریعہ آخرت کا سفر او رترقی کی منزلوں کو یکے بعد دیگرے طے کرنا یہ خود اپنی جگہ لازم اور حسین پہلو ہے

اور اگر موت سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ ایمان، عمل صالح اور زاد راہ کم ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو زیور تقویٰ سے آراستہ کریں جیسا کہ قرآن نے تاکید کی ہے:

" وتزودوا فانّ خیر الزاد التقویٰ "[1]

اپنے لئے زاد راہ فراہم کرو کہ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

اور اگر اس بات سے خوف ہے کہ چونکہ ہم سے بہت سی قانون شکنیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں تو یاد رکھو خدا رحمان و رحیم ہے اور ہمیشہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے:

"لو تعلمون قدر رحمة الله لاتّکلتم علیها"[2]

اگر تمھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ لطف و رحمت خدا کتنی زیادہ ہے (تم لوگ اس پر اعتماد کر لیتے اور) خوف و ہراس کو ہرگز اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتے یقیناً موت سے خوف و ہراس کا سبب یہی قانون شکنیاں زیادہ ہوتا ہے چنانچہ قرآن نے بھی اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے

" ولا یتمنّونهٗ ابداً بما قدّمت ایدیهم "[3]

ان گناہوں کی بنا پر جو یہ انجام دے چکے ہیں ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے "

---

[1] سورہ بقرہ / ۱۹۷ [2] ۔ نہج الفصاحۃ ص ۴۹۱ حدیث ۳۱۹

[3] سورہ جمعہ / ۷

معصومین علیہم السلام کی دعاؤں میں بھی جہاں قیامت سے خوف و وحشت کا ذکر کیا گیا ہے زیادہ تر ان ہی چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اپنی ضائع شدہ عمر کا حساب، ترک شدہ واجبات، گناہ، صراط مستقیم سے انحراف مختلف آمدو خرچ کے غلط استعمال وغیرہ کا جواب کس طرح دیں گے۔[۱]

شاید ہم لوگ بھی ان ہی گناہوں کی بنا پر موت سے ڈرتے ہیں جبکہ یہ ساری چیزیں توبہ اور صادقانہ تمناؤں کے ذریعہ قابل حل ہیں لہٰذا ہم یہاں آیات و روایات کی روشنی میں توبہ کے موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ ہر قسم کے گناہ سے پاک ہیں اور انھوں نے اس طرح کی باتیں صرف دوسروں کو سلیقۂ دعا بتانے یا سکھانے کے لئے ارشاد فرمائی ہیں۔

توبہ ہی راہ نجات ہے

یہ سوال کہ ہم موت سے کیوں ڈرتے ہیں اور اس سے خوف وحشت کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے سلسلہ میں جو گزشتہ گناہوں کے جبران اور نجات کا واحد راستہ ہے، کچھ عرض کر دیا جائے۔

توبہ کا مفہوم

توبہ کے لغوی معنیٰ برگشت اور واپسی کے ہیں اسی لئے قرآن میں خدا اور انسان دونوں کی طرف نسبت دی گئی ہے معتوب بندوں پر پھر سے رحمت خدا کا نزول "توبۂ خدا" اور گزشتہ برے اعمال سے انحراف و برگشت اختیار کرنا "توبہ انسان" کہا جاتا ہے۔

لہٰذا ہر توبہ کرنے والا انسان خدا و ند عالم کی طرف سے توبہ یعنی دوسرے لطف الٰہی کا

مستحق قرار پاتا ہے خداوندعالم کی پہلی توبہ یہ ہے کہ وہ جب اپنا لطف وکرم گنہگار بندوں کے شامل حال کرتا ہے تو اس لطف وعنایت کی وجہ سے انسان اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کی توفیق پیدا کر لیتا ہے اور اپنے غلط افکار و اعمال پر پشیمان ہو کر بارگاہ الٰہی میں پلٹ آتا ہے اس کے بعد دوسری توبہ خداوندعالم کا دوسرا لطف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بندہ کی توبہ کو قبول بھی کر لیتا ہے ویسے ہی جس طرح کبھی کبھی باپ اپنے بیٹے پر لطف کرتا ہے اور اپنا تمام سرمایہ اسے بخش دیتا ہے اور بیٹا اسی سرمایہ سے کچھ چیزیں خرید کر دوبارہ باپ کو فروخت کرتا ہے اور باپ کئی گنا قیمت پر اپنے بیٹے سے چیزیں خریدتا ہے گویا بیٹا تجارت و منفعت کے اعتبار سے باپ کے دوطرفہ لطف و کرم کا مرہون منت ہوتا ہے۔

توبۂ انسان بھی "دوسرے لطف الٰہی" کے درمیان اس طرح سے واقع ہے کہ:

۱۔ پہلے خدا انسان کو برائیوں کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عنایت کرتا ہے۔

۲۔ پھر انسان پشیمان ہو کر اپنی تمام برائیوں سے توبہ کر لیتا ہے۔

۳۔ تب خدا انسان کی توبہ قبول کرتا ہے۔

قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم[1]

یعنی خداوندعالم اپنے لطف کو ان کے شامل حال قرار دیتا ہے اور یہ لوگ اپنے برے اعمال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس کے بعد توبہ کی طرف بڑھتے ہیں اور خداوندعالم دوبارہ توبہ قبول کر کے انھیں بخش دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام توبہ کے معنی اس طرح بیان فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ سورہ توبہ/۱۱۸

" التوبة ندم بالقلب واستغفار باللسان وترك بالجوارح واضمار الا يعود " (فہرست غرر/توبہ)

توبہ کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں:

(۱) دل سے پشیمان ہونا' (اپنی پشیمانی کا) (۲) استغفار کی صورت میں زبان سے اظہار کرنا۔ (۳) اپنے اعضاء جوارح کے ذریعہ (ان برائیوں) کا ترک کر دینا۔ (۴) پھر آئندہ ان گناہوں کی تکرار نہ ہونے کا فیصلہ کر لینا۔

توبہ کے پہلو

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جامع حدیث میں توبہ کے مختلف اور گوناگوں پہلوؤں کو بیان فرمایا ہے ہم متن حدیث کو مختصر وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں پیغمبرؐ نے اصحاب سے سوال کیا۔

اتدرون من التائب ؟ قالوا اللھم لا "

کیا تم جانتے ہو (حقیقی توبہ) کرنے والا کون ہے؟ جواب ملا نہیں" آپؐ نے فرمایا:

۱- اذا تاب العبد ولم یرض الخصماء فلیس بتائب "

جب بندہ (دل و زبان سے) توبہ کرے لیکن اپنے مخالف (مظلوم و ستمدیدہ افراد) کی رضامندی حاصل نہ کرے تو اس نے گویا توبہ ہی نہیں کی ہے۔

۲- "من تاب ولم یزد فی العبادۃ فلیس بتائب "

اگر انسان توبہ کرے اور اس کی عبادتوں میں اضافہ نہ ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ توبہ نہ کی ہو"

من تاب ولم یغیر لباسہ فلیس بتائب "

"جو شخص توبہ کرے اور اپنا لباس عمل یعنی ظاہری عادتوں کو نہ چھوڑے
تو گویا اس نے توبہ نہیں کی ہے"
یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ لباس حرام و گناہ اتار کر لباس تقویٰ نہیں
پہن لیتا اور اپنے اندر ظاہر بہ ظاہر تبدیلی نہیں لاتا اس کا توبہ کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔

۴۔ "من تاب ولم یغیر رفقائہ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے (لیکن اجتماعی اور معاشرتی مسائل میں اپنی پرانی روش کو باقی
رکھے) اور غلط لوگوں کی دوستی ترک نہ کرے یعنی اس کے رفقاء نہ بدلیں تو وہ
ایسا ہے جیسے اس نے توبہ ہی نہیں کی"

۵۔ من تاب ولم یغیر مجلسہ فلیس بتائب"
"جو شخص توبہ کرے اور اس کی نشست و برخاست اور دعوت و مدارات میں
اسلام کی جھلک نہ پائی جائے تو یہ بھی حقیقی توبہ نہیں ہے"

۶۔ من تاب ولم یغیر فراشہ و وسادتہ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے لیکن میاں بیوی کے رہن سہن اولاد کی تربیت اور گھریلو زندگی
زندگی میں تبدیلی نہ ہو اور اسلامی اخلاق و کردار نہ اپنائے اور جنسی مسائل میں غلط
راستوں کو نہ چھوڑے تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے توبہ ہی نہ کی ہو۔

۷۔ "من تاب ولم یغیر خُلقہ و نیتہ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے اور اس کی روحانی فکری قلبی اور اجتماعی زندگی میں کوئی
تبدیلی پیدا نہ ہو، بجائے خدا کو خوش کرنے کے دوسروں کو راضی کرنے کی فکر میں
رہے اور تکبر، کینہ، حسد اور بخل و ریاکاری کو نہ چھوڑے اور اپنے مادی مقاصد کو
تقرب الٰہی کے لئے انجام نہ دے تو اس کی توبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی"

۸۔ "من تاب ولم یفتح قلبہٗ ولم یوسع کفّہٗ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے اور اس کے قلب میں کشادگی نہ ہو بلکہ پہلے کی طرح ہی دامن قلب تنگ کئے رہے دوسروں کے لئے اس میں گنجائش نہ ہو اور محتاجوں کی مدد سے ہاتھ کھینچے رہے تو گویا یہ شخص بھی تائب نہیں ہے۔

۹۔ من تاب ولم یقصّر املہ ولم یحفظ لسانہٗ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے اور خیال پردازیوں اور لمبی لمبی آرزوؤں سے اجتناب نہ کرے نیز اپنی زبان کو ہر قسم کی تہمت، غیبت، جھوٹ، طعن و تشنیع، جھوٹی قسم، ناجائز گواہی، افواہ گندی باتوں اور نکتہ چینیوں وغیرہ سے باز نہ رکھے تو درحقیقت اس شخص نے بھی توبہ نہیں کی

۱۰۔ من تاب ولم یقدّم فضل قوتہ من بدنہ فلیس بتائب"
جو شخص توبہ کرے اور مالی طور پر اپنی ذاتی زندگی میں سادگی اور عیش و آرام کم کر کے معاشرہ کے ناداروں پر توجہ نہ کرے اور بے اعتنائی سے کام لے تو گویا ایسے انسان نے توبہ ہی نہیں کی ہے"

پیغمبر اسلامؐ توبہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان فرمانے کے بعد سلسلہ حدیث کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا استقام علیٰ ھٰذہ الخصال فذاک التائب[۱]"
مذکورہ صفات کی رعایت کرنے والا ہی درحقیقت توبہ کرنے والا ہے۔

توبہ اور اس کے شرائط و اقسام

جس طرح بیماری کے لئے ایک دوا ہے اسی طرح ہر گناہ کے لئے اسی کے لحاظ سے توبہ بھی ہے

[۱]۔ بحار / ج ۶ ص ۳۵

مثلاً کتمان حق کے لئے توبہ یہ ہے کہ جس حقیقت کو چھپایا اور کتمان کیا ہے اس کا اظہار و اعلان کرے اس لئے کہ قرآن سخت لعنت و نفرین کی دھمکی کے بعد کہتا ہے:

"الا الّذین تابوا واصلحوا و بیّنوا فاولئک اتوب علیہم و انا التوّاب الرّحیم" [۱]

(اگر حق کو چھپانے والے) توبہ کریں اور اپنے فعل کی اصلاح یعنی تدارک کریں اور جس چیز کو چھپایا ہے اس کو واضح کر دیں تو ہم ان کی توبہ قبول کریں گے اور اپنی رحمت کو پھر سے ان پر نازل کر دیں گے ہم بہترین توبہ قبول کرنے والے اور مہربان ہیں "۔

اس آیت میں گناہ اور توبہ کے درمیان مناسبت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ قرآن میں شاید ہی کوئی ایسی آیت ملے جس میں توبہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی اور چیز ذکر نہ کی گئی ہو، مثلاً قرآن میں مکرر طور پر لفظ "تابوا" کے ساتھ کلمہ "اصلحوا" بھی استعمال ہوا ہے۔ [۲]

یعنی توبہ کے ساتھ انسان کو اپنی پچھلی غلطیوں کی اصلاح بھی کرنا چاہئے۔

جیسے منافقین کے لئے توبہ کے علاوہ دوسرے وظائف بھی بیان کئے گئے ہیں منجملہ ارشاد ہوتا ہے:

"الا الّذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینہم للہ فاولئک مع المؤمنین" [۳]

اگرچہ منافقین تو جہنم میں ہوں گے لیکن توبہ کریں اور اپنی گزشتہ غلطیوں کی اصلاح کریں (اصلحوا) بجائے اس کے کہ شرق و غرب اور غیر مسلموں سے وابستہ ہوں خدا سے لو

۱۔ سورہ بقرہ / ۱۶۰

۲۔ آل عمران / ۸۹ ، نور / ۵ ، نحل / ۱۱۹

۳۔ نساء / ۱۴۵

لگائیں "واعتصموا باللہ" بجائے اس کے کہ دوسروں کے قانون پر عمل کریں قانون خدا و سنّت رسول[۲] کی پیروی کریں "واخلصوا دینہم للہ" اور دین کو خالص اللہ کے لئے اختیار کریں اور اگر یہ لوگ توبہ کے ساتھ ساتھ ان چیزوں پر عمل کریں اور یہ ثابت کریں کہ ہم اپنی پچھلی کارستانیوں پر بہت زیادہ پشیمان ہیں تو ہم انھیں صاحبان ایمان کے ساتھ شامل کردیں گے "فاولٰئک مع المؤمنین"، یہ لوگ دنیا و آخرت میں صاحبان ایمان کے ساتھ ہوں گے ۔

قرآن کی بعض آیتوں[۱] میں کلمۂ "تابوا" کے ساتھ دوسرے جملہ استعمال ہوئے ہیں جیسے :

"اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ"

یعنی توبہ کرنے والے مشرکین کو چاہئے کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ بھی ادا کریں ... اور دوسری آیات میں توبہ کے ساتھ عمل صالح اور ایمان کو شرط قرار دیا گیا ہے[۲] ۔

مختصر یہ کہ توبہ صرف پشیمانی کا نام نہیں ہے بلکہ خدا اور بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی اور اپنی غلطیوں کی اصلاح اور جس حقیقت کا کتمان کیا ہے اس کا اظہار و اعلان نیز کفر کو ایمان میں اور شرک کو توحید میں بدلنا بھی ضروری ہے تب ہی حقیقی توبہ ہوگی ۔

بہترین نکتہ

بالفرض اگر ساری زندگی عبادتوں میں گزارے، حقوق اللہ و حقوق الناس کو ادا کرے اور قلباً پوری طرح (غلطیوں پر) پشیمان ہو لیکن سیاسی و اجتماعی مسائل میں لغزش کا شکار ہو جائے

---

۱ ۔ سورہ توبہ / ۵ ۔ ۱۱

۲ ۔ سورہ فرقان آیت ۷۱ ، سورہ طٰہٰ آیت ۸۲ ، سورہ مریم آیت ۶۰

یعنی ولایت اور قیادت کے سلسلہ میں اس کی فکر صحیح نہ ہو تو یہ توبہ اور دیگر تمام اعمال نقش برہوا ہو جائیں گے قرآن نے اس نکتہ کی طرف یوں توجہ دلائی ہے۔

"وانّی لغفّار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ"[1]

میں ان لوگوں کا بخشنے والا ہوں جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل بجالائیں (لیکن شرط یہ ہے کہ) پھر راہ ہدایت پر ثابت قدم رہیں (یعنی امام معصومؑ و برحق کی پیروی کرتے رہیں)

ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایتوں میں ملتا ہے کہ: یہاں لفظ "اہتدا" سے (مذکورہ چیزوں کے ساتھ) الہٰی قیادت اور راہبیتؑ رسالت کے ولایت کے راستہ پر گامزن رہنا مراد ہے۔[2]

دوسری جگہ ملتی ہے کہ حضرت نوحؑ نے لوگوں سے فرمایا:

"ان اعبدوا الله واتقوه واطیعون یغفرلکم"[3]

"تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور اس سے ڈرو اور میری قیادت و رہبری میں قدم اٹھاؤ تاکہ خدا تمھارے گناہوں کو بخش دے"

اس بنیادی شرط کے تحت تمام اچھے اور صالح اعمال کے ساتھ الہٰی راستہ پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔

توبہ کے راستے

آیات و روایات میں بخشش اور گناہوں کے تدارک کے عنوان سے کچھ احکام و دستور

---

[1] طٰہٰ / ۸۲ ، [2] تفسیر شبّر ، [3] نوح / ۳۰۲

بیان ہوئے ہیں ہم ان میں سے کچھ چیزیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں :

۱۔ خاموش امداد اور صدقہ

ان تبدوا الصدقات فنعمّا ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم من سیاتکم[۱]،،

اگر تم فقیروں کی امداد علی الاعلان کرو تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر صدقہ چھپا کر فقراء کے حوالے کردو گے تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہوگا اور اس کے ذریعہ تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے"

۲۔ ہجرت اور جہاد

"فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا او قتلوا لاکفرنّ عنھم سیّاتھم[۲]،،

"پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور حمایت حق کی بنا پر اپنے وطن سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جہاد کیا اور شہید ہو گئے تو میں ان کی برائیوں کی پردہ پوشی کردوں گا اور انھیں ضرور بخش دوں گا "

۳۔ گناہان کبیرہ سے دوری

" ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیّاتکم[۳]،،

" اگر تم گناہان کبیرہ سے جن سے تمھیں روکا گیا ہے پرہیز کر لو گے تو ہم تمھارے دوسرے گناہوں کو بخش دیں گے ،،

۱۔ سورہ بقرہ / ۱۷۱ ۲۔ سورہ آل عمران / ۱۹۳

۳۔ سورہ نساء / ۳۱

گناہان کبیرہ سے مراد ہر وہ گناہ ہے کہ جس پر قرآن میں عذاب کا وعدہ موجود ہے یا عقل یا مومنین کے نزدیک "بڑا گناہ" شمار کیا جاتا ہے چاہے، قرآن میں اس مخصوص نام کے ساتھ اس کا بیان نہ ہو۔ جیسے مسلمانوں کے فوجی راز کو فاش کرنا، کافروں اور دین دشمنوں کے لئے جاسوسی کرنا یہ عقل اور اسلام کے نقطۂ نظر سے "بڑا گناہ" ہے اگرچہ اس کے ضرر و خطر کے سلسلہ میں براہ راست کوئی آیت و روایت قرآن و حدیث کی کتاب نہ ملے۔

۴۔ نیک کام

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ان الحسنات یذھبن السیّئات"[۱]

"بہ تحقیق نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں"

اسی لئے اسلام نے اس بات کی زیادہ تاکید کی ہے کہ جب بھی تم سے کوئی ناجائز کام سرزد ہو فوراً اس کے جبران کے لئے نیک کام بجا لاؤ کیوں کہ نیک کاموں میں سے ایک دنیا و آخرت کی برائیوں کے آثار مٹانا بھی ہے[۲]۔

۵۔ قرض دینا

قرآن میں ہے:

"ان تقرضوا اللہ قرضاً حسنا یضاعفہ لکم و یغفر لکم"[۳]

"اگر تم اللہ کے لئے (اس کے محتاج بندوں کو) قرض حسنہ دو گے کہ جس میں فائدے

۱۔ سورۂ ہود / ۱۱۴

۲۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض گناہ انسان کے نیک کاموں کو ختم (یعنی حبط) کر دیتے ہیں۔

۳۔ سورۂ تغابن / ۱۷

اور اذیت و ذلت کا ارادہ نہ ہو تو خداوند عالم تم کو اس کا دوگنا عطا کرے گا
اور تمھیں معاف بھی کر دے گا ۔،

۶ ۔ تقویٰ

ارشاد الٰہی ہے :

ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً ویکفر عنکم سیّاٰتکم ویغفر لکم ،،[۱]

"اگر تم تقوائے الٰہی اپناؤ گے اور گناہوں سے دوری اختیار کرو گے تو وہ تم کو فرقان یعنی حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت عطا کر دے گا اس کے علاوہ تمھاری برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا ،،

بہرحال، ندامت و پشیمانی توبہ و استغفار اور معصومینؑ کی دعاؤں کو بھی بخشش خدا کے اسباب میں سے ایک سبب قرار دیا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں منابع اسلامی میں آیات و روایات بھی موجود ہیں ۔

چند مفید باتیں

۱ ۔ جو لوگ (موت) سے ڈرتے ہیں انھیں یہ جان لینا چاہئے کہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے اور خداوند عالم بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ قرآن میں تقریباً تین سو مقامات پر خدا نے خود کو "رحمان"، "رحیم"، "غفور"، اور "ودود" کے صفات سے یاد کیا ہے پس انسان اپنے ارادہ کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کر کے اپنی تمام غلطیوں کا تدارک کر سکتا ہے اور ہر ایک یاد رکھے کہ خداوند عالم اسے بھی بخش دے گا (کسی کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے) کیونکہ وہ خود فرماتا ہے ۔

"قابل التوب"[۲]

---

۱ ۔ انفال/۲۹ ۔ ۲ ۔ غافر/۳

وہ توبہ کا قبول کرنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کو دوست بھی رکھتا ہے"

۲- توبہ صرف ایک اخلاقی حکم و دستور نہیں بلکہ ایک واجب وظیفہ ہے جس کا خدا نے سات مرتبہ لفظ " توبوا" کے ذریعہ تمام انسانوں کو حکم دیا ہے۔

۳- انسان کو چاہئے کہ (گناہ کی طرف توجہ کے بعد) فوراً توبہ کرے، وہ توبہ جو آخر وقت یا عذاب سامنے دیکھ کر کی جائے بے فائدہ ہے۔

فرعون نے بھی تو دریائے نیل میں غرق ہوتے وقت موجوں کے درمیان آنے کے بعد توبہ کی تھی لیکن کیا فائدہ حاصل ہوا ؟ حقیقت میں کبھی کبھی انسان مصیبتوں میں گھرنے کے بعد مجبوراً توبہ کرتا ہے، اپنے گناہوں سے پشیمانی یا معرفت کی بنیاد پر نہیں کرتا اور اس کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ہے جو لوگ عذاب الہٰی کو دیکھ کر توبہ کر لیتے ہیں یا ایمان لے آتے ہیں انھیں اس ایمان اور توبہ سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔

"فلمّا راوا باسنا قالوا آمنّا باللہ ۔ ۔ ۔ فلم یک ینفعھم ایمانھم لمّا راوا باسنا ۔ ۔ ۔"[۱]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"ولیست التوبۃ للذین یعملون السیّات حتّیٰ اذا حضر احدھم الموت قال انّی تبت الآن"[۲]

"توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو پہلے برائیاں کرتے ہیں اور آخری عمر تک غفلت ہی میں پڑے رہتے ہیں لیکن جب موت سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں خدایا اب ہم نے توبہ کر لی۔

۱۔ مؤمن / ۸۴ ۲۔ نساء / ۱۸

البتہ سیاسی و اجتماعی مسائل میں اگر برائی اور فساد پھیلانے والے افراد پکڑ میں آنے سے پہلے توبہ کریں تو قابل معافی ہیں ورنہ دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی[1]۔

۴۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں ہر گناہ کے لئے توبہ کی ایک خاص نوعیت ہے مثلاً اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی تو اس کی توبہ یہ ہے کہ نماز کی قضا بجالائے اور اگر کسی کی توہین کی ہے یا کسی کا مال غصب کیا ہے تو اس سے معافی مانگے اور اسے راضی بھی کرے۔

۵۔ توبہ کا اثر صرف گناہوں کی بخشش تک محدود نہیں ہے بلکہ قرآن و روایات میں اس کے دوسرے اثرات بھی ذکر ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے:

(الف) تمھاری زندگی نیک اور اچھی ہو جائے گی:

"توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً"[2]

"جب تم توبہ کرو گے تو خداوند عالم تمھیں بہترین فائدہ عطا کرے گا"

(ب) کبھی گناہوں کی بخشش کے علاوہ یہی گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

"الا من تاب و اٰمن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیأتھم حسنات"[3]

"جو شخص توبہ کرے، ایمان لے آئے اور نیک عمل بھی کرے تو خداوند عالم اس کی برائیوں کو اچھائیوں میں تبدیل کر دے گا"

---

[1] ۔ سورہ مائدہ آیت ۳۴ میں ہے "الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم" فساد پھیلانے والوں کو قتل یا پھانسی پر لٹکا دیا جائے یا ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے یا پھر شہر بدر کر دیا جائے مگر یہ کہ جو لوگ گرفت میں آنے سے پہلے ہی توبہ کرلیں۔

[2] ۔ ہود/ ۳   [3] ۔ فرقان/ ۷۰

ج ۔ توبہ بارش رحمت اور قدرت وقوت میں اضافہ کا سبب ہے۔

"ثم توبوا الیه یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوة الی قوتکم"[1]

"توبہ کرو تاکہ خداوند عالم آسمان سے تمھارے لئے موسلا دھار پانی برسائے اور تمھاری موجودہ قوت میں اور زیادہ قوت واستحکام عطا کردے"۔

د ۔ کبھی بخشش کے ساتھ ہی ساتھ غیبی امداد بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انهارا"[2]

اپنے پروردگار سے استغفار کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ بخشنے والا ہے تاکہ وہ تمھارے لئے آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے، اور اموال و اولاد کے ذریعہ تمھاری مدد کرے اور تمھارے لئے باغات اور نہریں جاری کردے۔

۷ ۔ جس طرح حقیقی توبہ میں بے شمار اثرات وبرکات پائے جاتے ہیں اگر کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے یا بظاہر توبہ کرلے اور برے کاموں کو نہ چھوڑے تو گویا اس نے محض مذاق کیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"المقیم علی الذنب وهو مستغفر منه کالمستهزء"[3]

جو شخص گناہ پر قائم رہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ استغفار بھی کرتا رہے تو

---

۱ ۔ سورۂ ہود / ۵۱ ۲ ۔ سورۂ نوح / ۱۱

۳ ۔ محجة البیضاء ج / ۷ ص ۹

یہ اس شخص کی مانند ہے جس نے گویا مسخرہ پن کیا ہو "۔

۷۔ گنہگاروں کے ساتھ برتاؤ۔

گنہگاروں کے تئیں لوگوں کے فرائض کے سلسلہ میں پیغمبرؐ کی بہترین حدیث وہ ہے جس میں حضرتؐ نے فرمایا ہے:

یحبون التائب "، لوگوں کو چاہیے کہ جنھوں توبہ کی ہے اور راہ حق کی طرف پلٹ آئے ہیں ان سے محبت کے ساتھ پیش آئیں۔

"ویرحمون الضعیف"، کمزوروں پر رحم کریں۔

"ویعینون المحسن"، نیک اور احسان کرنے والوں کی مدد کریں۔

"ویستغفرون للمذنب"[۱]، گناہ گاروں کے لئے طلب مغفرت بھی کریں۔

۱۔ بحارالانوار ج ۷ / ص ۲۰

موت کے وقت

ایک اور بحث جس پر موت اور قیامت کے ذیل میں گفتگو کرنا بہتر ہوگا "اچھے انجام اور برے انجام" کا مسئلہ ہے اور چونکہ اسلامی کتابوں میں اس سلسلہ میں خاص توجہ کی گئی ہے لہٰذا ہم بھی اس پر تھوڑی گفتگو کریں گے۔ خدایا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے صدقہ میں کہ ہم ان کے روز ولادت (۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ ش) کو یہ جملے تحریر کر رہے ہیں ہم سب کا انجام بخیر فرما۔

اچھا انجام اور برا انجام

قرآن مجید میں تقریباً پندرہ مرتبہ ذکر ہوا ہے کہ ابلیس نے جناب آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا جبکہ حضرت علی علیہ السلام کے بقول اس نے چھ ہزار سال تک خدا کی عبادت کی تھی۔ (معلوم نہیں یہ دنیا کے سال تھے جو ۳۶۵ دن کے ہوتے ہیں یا اخروی سال تھے جن کا ہر روز پچاس

ہزار سال کے برابر ہوتا ہے[1]) لیکن اس کے سارے کام عبادت تھے عبودیت نہ تھی قالب تھا قلب نہیں تھا اس کی روح خدا کے سامنے تسلیم نہیں ہوئی تھی ایک منٹ کے تکبر نے تمام عبادتیں برباد کر دیں یہ "بُرے انجام" کا بہترین نمونہ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔

"برے انجام" کا ایک دوسرا نمونہ جو قرآن میں ذکر ہوا ہے اور اس شرح و وضاحت کی روشنی میں جو بعض روایات میں ملتی ہے یہ اس عالم کی داستان ہے جو جناب موسیٰ کے زمانے میں تھا اس کا کام اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ جناب موسیٰؑ بھی کبھی کبھی اس سے مبلّغ کے طور پر استفادہ کرتے تھے اس کی دعائیں مستجاب ہو جاتی تھیں لیکن فرعون کے دربار کی طرف کھنچاؤ کے سبب منحرف ہو گیا اپنا انجام خراب کر لیا اور حضرت موسیٰؑ کے مخالفوں میں شامل ہو گیا اس ناعاقبت اندیش عالم کا نام (بلعم باعورا) بتاتے ہیں کہ جس کا ماجرا سورہ اعراف میں خلاصہ کے طور پر بیان ہوا ہے[2]

قرآن "علم میں راسخ افراد" کے بارے کہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان انحرافات کی طرف سے جو انسان کی راہ میں آتے ہیں اور اس کے فکری محور کو بدل دیتے ہیں فکرمند رہتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا[3]

پروردگارا جب تو نے ہماری ہدایت کر دی ہے۔ تو ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ ہونے دے۔

قرآن میں اسی مفہوم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے "اٰمنوا ثم کفروا" بعض لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتے ہیں[4]۔ قرآن اور فقہ اسلامی میں "ارتداد" کی بحث موجود ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲ (قاصعہ) سورہ قیامت (معارج) میں ہے کہ روز قیامت پچاس ہزار سال کے برابر ہے آیت/۴

۲۔ سورہ اعراف/۱۷۵ ۳۔ آل عمران/۸

۴۔ نساء/۱۳۷۔ منافقون/۳

جس کا مطلب ہی ایمان سے پلٹ کر کفر کی طرف چلے جانے کے ہیں ۔

مومنوں کے لئے یہ بھی خدا کے لطف میں سے ہے کہ مرتے وقت (امام جعفر صادق علیہ السلام کے بقول) جب شیطان مومنوں کو شک میں مبتلا کرنے اور ایمان سلب کر لینے کی کوشش کرتا ہے خدا ان کو دین میں محکم ثابت قدم رکھتا ہے :

"یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ"[1]

حضرت یوسفؑ کو باوجودیکہ مختلف میدانوں سے گزرنا پڑا مثلاً کنویں، قید خانہ پھر محل کی منزلوں سے گزرے لیکن آپ کہیں بھی خوف زدہ نہ ہوئے، لیکن جب خدا نے عہدہ اور ذمہ داری سپرد کی ہے تو خدا سے دعا کرتے ہیں "توفنی مسلما"[2] خدایا مجھے مسلمان اٹھانا۔ گویا حضرت یوسفؑ یہ احساس کر رہے ہیں کہ مقام و منزلت وہ شئے ہے جو انسان کے دل کو بدل دیتی ہے اور سماجی و سیاسی مقام و رتبے کے بعد عاقبت خراب ہو جانے کا زیادہ خطرہ ہے۔ جی ہاں حدیث موجود ہے کہ اگر تم کسی شخص کے دوست تھے اور وہ کسی مقام پر پہنچ گیا پھر بھی اس نے اپنے پہلے کی نسبت ۱/۱۰ دوستی باقی رکھی تو یہ برا دوست نہیں ہے اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مقام و منزلت کے بعد ۹/۱۰ دوستی ختم ہو جانا ایک قدرتی بات ہے۔ آپ ۱/۱۰ دوستی پر ہی راضی رہئے اور یہ سمجھ لیجئے کہ وہ برا دوست نہیں ہے ۔

قرآن ہی میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ اپنے فرزندوں کو اس طرح وصیت کرتے ہیں "ولا تموتن الا وانتم مسلمون"[3]، کوشش کرو کہ موت کے وقت خدا کے سامنے مومن اور سراپا تسلیم رہو۔ اسی طرح خداوند عالم مومنوں کو حقیقی تقویٰ کا حکم دینے کے بعد سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے: "ولا تموتن الا وانتم مسلمون"[4]

۱۔ ابراہیم/ ۲۷ — ۲۔ یوسف/ ۱۰۲

۳۔ بقرہ/ ۱۳۲ — ۴۔ آل عمران/ ۱۰۲

قرآن میں ملتا ہے کہ مومنوں کی ایک دعا یہ بھی ہوتی ہے "وتوفنا مع الابرار"[۱]، وہ کہتے ہیں خدایا! ہمیں اپنے منتخب افراد کے ساتھ اور ان کی راہ و روش پر موت دے دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ جناب موسیٰ پر ایمان لے آنے اور فرعون کی دھمکیوں سے ڈرنے والے جادوگروں کی ایک دعا یہ بھی تھی " وتوفنا مسلمین"[۲]، خدایا ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھانا۔

یہاں میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔ حضرتؑ فرماتے ہیں:

"ان حقیقة السعادة ان یختم للمرء عمله بالسعادة و ان حقیقة الشقاء ان یختم للمرء عمله بالشقاء"[۳]

حقیقی سعادت یہ ہے کہ انسان کے کام کا سعادت پر خاتمہ ہو اور، حقیقی شقاوت و بدبختی یہ ہے کہ انسان کے کام کی انتہا شقاوت پر ہو"

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے تقریباً تیس سال قبل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان کی اہمیت کے بارے میں خطبہ دے رہے تھے اسی دوران حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر آپ کی زبان پر جاری ہوگئی لیکن حضرت علی علیہ السلام بجائے اس کے کہ یہ پوچھتے کہ میرا قاتل کون ہے؟ اس کا مقصد کیا ہوگا؟ کس طرح کیوں اور کس وقت میں شہید ہوں گا؟ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ آیا شہادت کے وقت میں دین وایمان پر ثابت قدم اور ایمانی وفکری سلامتی کے ساتھ ہوں گا؟ رسولؐ نے بشارت دی: ہاں اس وقت تم ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہوگے۔[۴]

اصول کافی میں چند روایات" باب المعارین "کے عنوان سے بیان ہوئی ہیں "معار" اس شخص کو کہتے ہیں، جس کا ایمان وقتی اور عارضی ہوتا ہے مرتے وقت اسے چھوڑ کر دنیا سے بے ایمان ہی چلا جاتا ہے۔[۵]

۱۔ آل عمران/ ۱۹۳ ۲۔ اعراف/ ۱۲۹ ۳۔ معانی الاخبار ص ۳۴۵ نقل از معاذ خلیفی خصال صدوق باب الواحد حدیث ۱۷ ۴۔ خطبہ شعبانیہ از "المراقبات" ۵۔ اصول کافی ج ۲ ص ۴۱۷

امام سجاد علیہ السلام جو دعائیں سحر کے وقت پڑھتے تھے ایک دعا یہ بھی تھی :

"اللھم انی اسئلک ایمانا لا اجل لہ دون لقائک"[1]

خدایا مجھے وہ ایمان مرحمت فرما کہ وقتی نہ ہو تاکہ مرنے کے بعد بھی اس ایمان کا سلسلہ جاری رہے۔

بعض دعاؤں میں ہم دیکھتے ہیں کہ اولیائے خدا سکون و راحت اور صحت و سلامتی کے اوقات میں اپنے عقائد خدا کی بارگاہ میں بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد خدا سے دعا کرتے ہیں :

" فردہ علیّ وقت حضور موتی " پروردگارا یہ عقائد جو میں نے آرام کے ساتھ بلا کسی اضطراب کے بیان کیے ہیں انھیں میری موت کے وقت جب طرح طرح کی وحشتیں گھیرے ہوں گی میری طرف پلٹا دینا۔

انسان کی عاقبت خراب کیوں ہوتی ہے ؟

اس سوال کا جواب نا عاقبت افراد کی کیفیت و حالت پر غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے ہم اس کے چند نمونے یہاں بیان کر رہے ہیں۔

غرور و تکبر

ابلیس کی عاقبت خراب ہونے کا باعث اس کے اندر موجود تکبر کی وہ روح تھی جس کے تحت اس نے خدا کے حکم پر حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

دنیا کی محبت

بلعم باعورا وہ عالم کہ جس کی دعائیں مستجاب ہوتی تھیں اس کی بدبختی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے کامل

---

[1] مناجات سحر ماہ رمضان دعائے عدیلہ

طور پر شیطان کی پیروی کی اور فرعون کے وعدوں میں آگیا اور حضرت موسیٰ کو چھوڑ دیا اور طاغوت کا طرفدار بن گیا دنیا کے حصول کے چکر میں پڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگا۔ قرآن اس کے بارے میں کہتا ہے۔

"فاتبعہ الشیطان ۔۔۔ ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ"[1]

یعنی شیطان نے اس کو اپنی اطاعت میں لے لیا وہ دنیا اور اس کی زمینی مادیات میں پھنس گیا اور خواہشات کی پیروی کرنے لگا۔

جی ہاں! کسی بھی چیز سے بے انتہا عشق اس سے جدائی کے وقت انسان کو غم وغصے اور خدا نہ کرے بُری عاقبت تک پہنچانے کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ دنیا کی طمع وخواہش دین سے خروج اور عاقبت خراب ہونے کا سبب بن جاتی ہے

گناہ

قرآن کہتا ہے:

ثم کان عاقبۃ الذین اساؤا السوائ ان کذبوا بآیات اللہ وکانوا بھا یستھزؤن[2]

یعنی جو لوگ بُرے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو لوگ اپنے گناہوں کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کی تلافی اور توبہ کی فکر بھی نہیں کرتے ان کی عمر کا انجام یہ ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

۱۔ اعراف / ۱۷۵ — ۲۔ سفینۃ البحار لفظ "طمع" کے ذیل میں ۳۔ روم / ۱۰

جی ہاں! جو پے در پے سگریٹ پیتا ہے اور اس کی خرابی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ایک وقت دمے کے خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ روایات میں تاکید کی گئی ہے کہ ہر گناہ کے بعد توبہ کرو کیونکہ گناہ روح پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر اس کا مداوا نہ کیا جائے تو یہ اثر بڑھتے بڑھتے پورے دل کو بدل دیتا ہے۔

۴۔ اعتقادی جڑیں نہ ہونا

کبھی کبھی افراد کا ایمان فکر و یقین و انتخاب و استدلال پر قائم نہیں ہوتا بلکہ سطحی اور بے بنیاد ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کے میلانات و رجحانات بہت جلد ڈانواں ڈول ہو سکتے ہیں، اور معمولی سے مسئلے یا شک کی بنا پر اس کا ایمان خراب ہو سکتا ہے اور مشہور کہاوت ہے "تھوک سے چپکائی جانے والی چیز ایک پھونک سے الگ ہو جاتی ہے"۔ قرآن کہتا ہے: ایسے گروہ موجود ہیں کہ جب ہم انھیں نعمت دیتے ہیں تو کہتے "ربی اکرمن" یعنی خدا ہم کو دوست رکھتا ہے اس نے ہمیں عزت اور نعمت سے نوازا ہے لیکن جیسے ہی ان کی حالت بگڑتی اور رونق میں کمی آتی ہے تو کہتے ہیں "ربی اھانن" خدا نے ہم کو ذلیل کر دیا! وہ اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ خدا کی نعمتوں میں تبدیلی خود ان کی حالت بدل جانے کے سبب ہوئی ہے جی ہاں! بعض لوگوں کا ایمان اسی پر قائم ہے کہ وہ عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جیسے ہی خوشحالی رخصت ہوتی ہے ان کا ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ ان افراد کے مقابل (کہ بدقسمتی سے ان کی تعداد زیادہ ہے) وہ لوگ نظر آتے ہیں کہ جو پہاڑ سے زیادہ مستحکم ہیں اور بارگاہ احدیت میں مناجات کرتے ہوئے کہتے ہیں خدایا! اگر تو ہمیں دوزخ میں بھی ڈال دے تو ہم وہاں بھی یہی کہیں گے کہ ہم تجھے دوست رکھتے ہیں یعنی تجھ سے میرا

یا ذخوشحالی یا زمان و مکان کا مرہون منت نہیں ہے۔

امام حسین علیہ السلام موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: الٰہی! "رضاً بقضائک" خداوندا! قتل ہو جانا میرے اور تیرے درمیان جدائی پیدا نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی میرے دل سے تیری محبت کم کرسکتا ہے اس حالت میں بھی میری رضا تیری رضا کے ساتھ وابستہ ہے۔

بارالٰہا امام حسین علیہ السلام کی عظمت کا واسطہ ہم سب کی عاقبت بخیر فرما۔

وصیت

اگرچہ وصیت موت کے وقت سے مخصوص نہیں ہے بہتر ہے انسان جلد از جلد وصیت کردے لیکن عام طور سے چونکہ مرتے دم ہی لوگ وصیت کرتے ہیں اور ہے بھی وہی وصیت کی آخری مہلت لہٰذا وصیت کے سلسلہ میں چند جملے سپرد قلم کر رہا ہوں۔

قرآن فرماتا ہے:

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيراً الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقاً على المتّقين[1]

تمھارے اوپر لازم ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آئے اور مال و اسباب تمھارے پاس ہے جو تم اپنے بعد چھوڑ کر جا رہے ہو تو اپنے

۱؎ بقرہ، آیت ۱۸۰

والدین اور قرابتداروں کے لئے عقل و عدل پر مبنی ان کے لائق وصیت کر دو یہ وصیت صاحبان تقویٰ پر لازم حق ہے "۔

وصیت کی اہمیت

وصیت انسان کی باریک بینی اور اہل حساب و کتاب ہونے کی علامت ہے۔

وصیت حقوق کی احترام کی علامت ہے۔

وصیت "انسان کو موت یاد ہونے" کی علامت ہے۔

وصیت انسان کے بلند مقاصد کا جاری رکھنا ہے۔

وصیت محروم لوگوں کے اقتصادی خلاء کا پورا کرنا ہے۔

وصیت تمام عمر کی جمع کی ہوئی چیزوں سے استفادہ کا نام ہے۔

وصیت ان کاموں کا تدارک ہے کہ جو خود اپنی زندگی میں انسان انجام نہیں دے سکا ہے۔

وصیت مرنے کے بعد انسان کی یادگار ہے۔ اور اپنی یاد زندہ رکھنے کا وسیلہ ہے۔

وصیت اس قدر اہم ہے کہ پیغمبر اکرم ؐ فرماتے ہیں:

وصیت کر کے مرنے والا گویا شہید مرتا ہے۔ اور جو شخص وصیت کر کے نہ مرے گویا اسلام سے قبل کی جاہلیت کی حالت پر مرا ہے۔[1]

---

[1] ۔ وسائل ج ۱۳ ص ۳۵۲

دس یاددہانیاں

وصیت میں چند مسائل پر توجہ رکھنا چاہیئے۔

۱۔ وصیت میں صرف مالی مسائل پر نظر نہ رہے۔ قرآن اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

"جب جناب یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب پہنچا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور پوچھا! تم میرے بعد کسی کی پرستش کروگے"

ملاحظہ فرمائیں کہ مرتے دم بھی بیٹوں کی توحید کی فکر ہے اور یہ امیرالمومنینؑ کی منزل ہے کہ ضربت کھانے کے بعد اپنے فرزندوں سے وصیت میں سب سے پہلے تقویٰ کی تاکید فرماتے ہیں۔ اس لئے وصیت میں صرف مالی یا مادی پہلو مدنظر نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مرتے دم اپنے اعزہ واقارب سے اخلاقی نصیحتیں ان کے لئے ناقابل فراموش یادیں چھوڑ جاتی ہیں۔

۲۔ وصیت سے انسان کو غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔ نہ ہی کسی کے حقوق کو ضائع کرنا چاہیئے اور نہ ہی جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے دل کی بھڑاس نکالنا چاہیئے بلکہ بھلائی، انصاف اور احتیاج وضرورت کو مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ حدیث میں ہے:

"جو شخص وصیت میں ظلم کرتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے"[۱]

۳۔ وصیت کرنے والا اپنے بیٹوں کے حقوق کو ضائع نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ:

"ایک شخص نے اپنا تمام سرمایہ (کمسن بچوں کی موجودگی میں) راہ خدا میں خیرات کردیا اور مرتے وقت اس کے پاس مال دنیا سے کچھ بھی نہ تھا۔ جیسے ہی رسول خداؐ کی خدمت میں لوگوں نے یہ واقعہ نقل کیا، آپؐ نے فرمایا: تم لوگوں نے اس کا مردہ

۱۔ سفینۃ البحار وسائل ج ۱۳ ص ۳۵۹

کیا کیا؟ انھوں نے کہا کہ ہم نے اسے مٹی میں دفن کر دیا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اگر تم نے دفن سے قبل مجھے اطلاع دی ہوتی تو میں اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی اجازت نہ دیتا کیونکہ چھوٹے بچوں کے ہوتے ہوئے اس نے ایسی وصیت کیوں کی؟[1]

دوسری حدیث میں ہے کہ کبھی انسان ستّر سال عبادت کرتا ہے لیکن اپنی وصیت میں انصاف کے کے خلاف عمل کرتا ہے اور اس عمل سے اپنے کو جہنمی بنا لیتا ہے۔[2]

ایک اور حدیث میں ملتا ہے کہ جو شخص اچھی وصیت نہیں کرتا وہ جواں مرد نہیں ہے اور اسے ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔[3]

جی ہاں! اسلامی نقطۂ نظر یہی ہے۔ وصیت میں ناانصافی وارثوں کے مال میں چوری کے مترادف ہے۔[4]

۴ بہتر ہے وصیت پر بھروسہ نہ کیا جائے۔

وصیت آخری لمحوں سے فائدہ اٹھانے کا نام ہے لیکن لوگوں کو اس پر تکیہ کر کے بیٹھ نہیں جانا چاہئے کہ موت کے وقت وصیت کرنے کی امید میں پوری زندگی مدد و انفاق کی فکر پیدا نہ ہو کیونکہ اپنے ہاتھ سے مدد کرنا کچھ اور ہی اثر رکھتا ہے۔ اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں:

ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کے (جمع کردہ) خرموں کے انبار کو راہ خدا میں تقسیم کر دیا جائے اس کی وصیت پر عمل بھی ہو گیا لیکن اس کے انبار خانے میں ایک خرما پڑا رہ گیا

۱،۲۔ سفینۃ البحار لفظ "وصی" کے ذیل میں ۳۔ وسائل ج ۱۳ ص ۳۵۷

۴۔ وسائل ج ۱۳ ص ۳۵۹

رسول خداؐ نے فرمایا: وہ اگر اس ایک عدد خرمے کو اپنے ہاتھ سے خدا کی راہ میں دیتا تو راہ خدا میں خرموں کے اس انبار کی تقسیم کی وصیت سے بہتر تھا۔ شاید رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہو کہ وصیت روح سخاوت کو حیات نہیں بخشتی فقط کچھ پیٹ بھر جاتے ہیں اسلام میں **اصل انسانی کمال** ہے نہ کہ شکم سیری اور اقتصاد، ہاں مادہ پرستوں کی نظر میں خرموں کے انبار کی تقسیم زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن اسلام کی نظر میں وہ عمل اہمیت رکھتا ہے جو انسانیت کو کمال و ارتقاء عطا کرے خرموں کے ایک انبار کی تقسیم جو آدمی کو عظمت و ارتقاء نہ دے اسے اوپر نہ اٹھائے، کوئی خاص اہمیت نہ نہیں رکھتی۔

۵۔ وصیت محبوبیت کا ذریعہ

روایات میں ہے: ہمارے ائمہ معصومینؑ اپنے ان رشتہ داروں کے لئے جو حتّٰی ان عظیم ہستیوں سے وابستہ نہیں تھے وصیت کرتے تھے اور اپنے مال سے ان کی مدد کرتے تھے اور اس طرح ان کے دلوں میں اپنے دین و مکتب کی محبت پیدا کر کے ان کو جذب کرتے تھے۔

۶۔ وصیت کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔

وصیت کرنا اگرچہ مستحب ہے لیکن قرآن میں یہ حکم (کتب علیکم) کے ذریعہ ہوا ہے یہ بالکل وہی تعبیر ہے جو روزہ کے حکم وجوب کے لئے استعمال ہوئی ہے چنانچہ وصیت مستحب ہونے کے باوجود قرآن کی تعبیر اور رہبران دین کی تاکید نے اسے (مستحب سے بڑھا کر) وجوب کی سرحد تک پہنچا دیا ہے فقہ میں بیان ہوا ہے کہ جب بھی انسان خدا کا یا کسی اور کا مقروض

ہو یا لوگوں کی ایسی امانتیں اس کے پاس ہوں جن کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو حقوق الناس کی حفاظت کے تحت اس پر وصیت کرنا واجب ہے ظاہر ہے کہ یہ وجوب ان لوگوں کو بھی شامل ہے کہ جو خمس و زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی ٹیکس کے مقروض ہیں ۔

۷۔ حق وصیت کی مقدار

اسلام میں انسان اپنے ایک تہائی (⅓) مال کی وصیت کر سکتا ہے (لیکن وارثوں کے حق میں نقصان نہ ہو اور ان کے احساسات قانون اسلامی کی طرف سے مجروح نہ ہوں) بہتر ہے کہ ایک تہائی سے بھی کم کے بارے میں ہی وصیت کرے مثلاً اپنے ایک چوتھائی مال کے بارے میں ہی وصیت کرے (بقیہ حق وراثت کے اعتبار سے تقسیم ہو) یعنی اگر بارہ ۱۲ روپیوں میں چار روپے کی وصیت کا حق رکھتا ہے تو بہتر ہے کہ تین روپے کے بارے میں ہی وصیت کرے تاکہ وارثوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے یقیناً ہم اس قانون پر ایک کلی نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہی ⅓ سرمائے معاشرے کی کتنی اقتصادی مشکلات کو حل کر سکتے ہیں ۔

۸۔ وصیت بدشگونی نہیں

شاید بہت سے لوگوں کے وصیت نامہ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہو کہ وہ وصیت کرنے کا مطلب جلد مرجانا سمجھتے ہیں لہٰذا اسے بدشگونی سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرتے ہیں ۔

۹۔ وصیت عاقلانہ ہو ۔

قرآن مجید نے جس آیت میں مسئلہ وصیت کو بیان کیا ہے ایک بڑا ہی ذومعنیٰ کلمہ "بالمعروف"

استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وصیت عقل و حکمت اور عرف سے ہم آہنگ ہو۔

وضاحت: اکثر خاندانوں میں کچھ نہ کچھ ایسے افراد پائے جاتے ہیں جنھیں ایک طرف تو مالی تعاون کی شدت کے ساتھ ضرورت ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ پہلے طبقہ کے وارثوں میں نہیں آتے لہٰذا "قانون وراثت" کے لحاظ سے انھیں میراث بھی نہیں دی جا سکتی ہے جی ہاں! امام محمد باقر علیہ السلام ان ہی کے متعلق فرماتے ہیں: جو شخص بھی مرتے وقت اپنے خاندان کے ان محروم لوگوں کے لئے وصیت نہ کرے کہ جو قانونی طور پر حق وراثت نہیں رکھتے تو یہ گناہ و معصیت ہے[۱]

اس کے برعکس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میراث کے مستحق افراد خود بہت ہی خوشحال اور مالدار ہوتے ہیں اور انھیں کسی کے مال کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ اگر قانون کے لحاظ سے ہم میراث تقسیم کریں تو طبقہ اوّل کو جو خوشحال ہے سب کچھ مل جائے گا اور اس دوسرے طبقہ کو جو محروم ہے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا جس کے نتیجہ میں دو خطرناک مسئلے سامنے آئیں گے کہ ایک گروہ جو پہلے سے ہی مالدار رہے اور مالدار ہو جائے گا اور ثروت اندوزی کرے گا اور دوسرا گروہ جو غریب ہے اس کی محرومی باقی اور جاری رہے گی یہی وہ منزل ہے جہاں انسان اپنی وصیت کے ذریعہ ایک حصّہ اس محروم طبقہ کو دے کر ان کے فقر کا سدباب نیز دوسرے گروہ کی ثروت اندوزی میں کمی کر دیتا ہے۔

۱۰۔ مثالی وصیتیں

اے کاش میری معلومات اور آپ کے حوصلے اس بات کی اجازت دیتے کہ میں اس وقت رسول خدؐا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی مثالی وصیتیں آپ کے سامنے بیان کرتا پھر بھی

۱۔ وسائل ج ۱۳ ص ۴۵۵

چونکہ ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے فی الحال ان کے حوالے بیان کئے دے رہا ہوں تاکہ صاحبان ذوق و نظر ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بحار الانوار کی بیالیسویں جلد سے اڑتالیسویں جلد تک ہمارے تمام ائمہؑ کے حالات زندگی کے آخر میں ان کی وصیتیں درج ہیں اس طرح اس کتاب کی اٹہترویں جلد میں بھی ہمارے چند دوسرے ائمہؑ کی وصیتیں نقل ہوئی ہیں۔

نہج البلاغہ میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی وصیتیں ملاحظہ کر سکتے ہیں اور آج جبکہ میں یہ چند جملے قلم بند کر رہا ہوں رمضان المبارک کی ۱۹ ویں یعنی امیرالمومنین علیہ السلام کی ضربت کی شب ہے اور امام رضا علیہ السلام کے جوار میں بیٹھا ہوں لہٰذا بہتر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ان وصیتوں کے کچھ جملے نقل کر دوں جو آپؑ نے ضربت کھانے کے بعد بستر شہادت پر اپنے فرزندوں سے کی ہیں۔

اوصیکما بتقوی اللّٰہ" یعنی اے حسنؑ و حسینؑ میں تم کو تقوے کی تلقین کرتا ہوں۔

جی ہاں! ہمارے ائمہؑ عام طور پر کسی قسم کی فرمائش و تلقین سے قبل تقوے کی تاکید فرماتے تھے۔ (یہ جملہ خدا سے انسان کے رابطہ کو بیان کرتا ہے)

"الاتبغیا الدنیا وان بغتکما" دیکھو تم دنیا کے چکر میں نہ پڑنا خواہ وہ تمھاری چوکھٹ پر دستک ہی کیوں نہ دے۔

لاتاسفا علی شیٔ منھا زوی عنکما" اگر دنیا کی کوئی چیز تم سے چھن جائے تو اس پر افسوس نہ کرنا۔ یہ دونوں جملے دنیا سے ان کے رابطے کو بیان کرتے ہیں۔

" وقولا بالحق واعملا للاجر" حق کہو اور خدا کی جزا و آخرت کے لئے کام کرو۔ (یہ جملہ انسان کے راہ و ہدف کو بیان کرتا ہے)

"وکونا للظالم خصما و للمظلوم عونا" ظالم و ستمگر کے دشمن اور

مظلوم و محروم کے مددگار رہنا۔ (یہ جملہ اپنے زمانے کی قوتوں نیز مظلوم و محروم لوگوں کے ساتھ سیاسی، اجتماعی، فوجی اور اقتصادی میدانوں میں رابطے کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہیں)

"اوصیکما و جمیع ولدی و اھلی و من بلغہ کتابی بتقوی اللہ و نظم امرکم"[۱]

میں تم دونوں فرزندوں سے بھی اور دوسرے بیٹوں سے بھی اپنے خاندان والوں سے اور تاریخ کے طویل دور میں جن افراد تک میرا یہ خط پہنچے ان سب سے تقوے اور کاموں میں نظم و ضبط کی تاکید کرتا ہوں یاد رہے کہ امام نے ساری دنیا کے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ جی ہاں پیغمبر اکرم نے فرمایا ہے کہ میں اور علی اس امت کے باپ ہیں اس لئے امت کے باپ کو وصیت کے وقت پوری امت کو مخاطب کرنا بھی چاہئے تھا۔

دلچسپ یہ ہے کہ تقوے کے ساتھ امیرالمومنینؑ نے امور میں نظم و ضبط کا بھی حکم دیا ہے یعنی جس طرح حقوق خدا کی رعایت کرنا ضروری ہے اسی طرح بندگان حق کے معاملات میں اولویت و استحقاق اور عہد و پیمان کی رعایت کرنا بھی لازم ہے کیونکہ اسلام میں کسی طرح کی بدنظمی اور الٹ پلٹ درست نہیں ہے۔

پھر امام اپنی وصیت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وصلاح ذات بینکم" اے میرے بیٹو! اور اے اسلام کے فرزندو! معاشرہ سے کدورتوں اور نفرتوں کے خاتمہ کی کوشش کرو کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ:

دو مسلمانوں کے درمیان صلح و صفائی تمام (مستحبی) نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے۔

پھر امام نے مخصوص انداز میں جیسا کہ وصیت میں بیان ہوا ہے لوگوں کو یتیموں، پڑوسیوں

۱۔ نہج البلاغہ فیض ص۹۷۷ خط ۴۷

قرآن، نماز، حج اور جہاد کے تئیں حسن روابط نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر توجہ دینے کی تاکید کی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے بہترین جملے استعمال کئے ہیں پھر اپنی وصیت جاری رکھتے ہوئے فیصلوں میں عدل و انصاف کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اپنے قاتل کے بارے میں وصیت کرتے ہیں کہ:

میرے قاتل نے مجھے صرف ایک ضربت لگائی ہے اگر میں اس ضربت سے جاں بحق ہو گیا تو تم بھی اسے صرف ایک ضربت لگانا اور دیکھو! غصہ میں آ کر قتل عام برپا ہونے دینا نہ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: تم کسی کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا خواہ وہ درندہ صفت کتا ہی کیوں نہ ہو[1]

یہاں ہم اپنی بات کو طول نہیں دینا چاہتے لیکن ان وصیتوں کی طرف اشارہ بھی نہ کرنا بے وفائی تھی اور وصیت بھی مولود کعبہ اولین شہید محراب خصوصاً اس وقت کہ جب ان کے ضربت کھانے کی تاریخ بھی ہو۔

نتیجۂ بحث

وصیت کے موضوع پر اپنی بحث کا اختتام کرتے ہوئے (جو اگرچہ طویل ہو گئی ہے) قرآن مجید کی ایک آیت کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس میں (درست) وصیت پر عمل کرنا لازم و ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس شخص کو گناہگار و جواب دہ قرار دیا گیا ہے کہ جو اپنی ہوا و ہوس کی وجہ سے وصیت کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ فمن بدّله بعد ما سمعه فانّما اثمه على الذين يبدّلونه[2] "جو شخص وصیت سننے کے بعد بدل دے تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کا گناہ بھی وصیت میں تبدیلی کرنے والے پر ہو گا۔

---

[1] ۔ یہ تمام وصیتیں نہج البلاغہ (ترجمہ فیض الاسلام) ص ۹۶۸-۹۷۱ پر موجود ہیں [2] ۔ بقرہ/ ۱۸۱

جی ہاں وصیت پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: وصیتوں پر عمل کرو اگرچہ وہ وصیت غیر مسلموں کے سلسلہ میں ہی کیوں نہ ہو (لیکن اسی وقت جبکہ وصیت کفر کی تقویت اور اسلام کی مخالفت و کمزوری کا باعث نہ ہو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان ایسی وصیت نہیں کرتا) اور اسلامی فقہ کے لحاظ سے جب کبھی وصیت میں تبدیلی سے کسی کا حق ضائع ہوتا ہو تو تبدیلی کرنے والا گنہگار اور ضامن ہے اور اسے خود اپنے مال سے وصیت کرنے والے کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے۔[1]

۱۔ تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۴۵۳

احتضار کے لمحے

یہ بہت حساس اور خطرناک وقت ہوتا ہے اس سلسلہ میں بہت سی آیات و روایات میں گفتگو ہوئی ہے، یہ وہ وقت ہے جس سے نیکوکار افراد بھی گھبراتے ہیں البتہ اس میں کوئی منافات نہیں کہ وہ خوف کے ساتھ ہی ساتھ لقائے خدا کا اشتیاق بھی رکھتے ہوں اس غوطہ خور کی مانند جو موتی تلاش کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے جبکہ دریا میں ڈوب جانے سے ڈرتا بھی ہے

اب ہم خدا و رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں کیونکہ اس حالت کا تعلق غیب اور عالم ملکوت سے ہے ہم وحی کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے اس کا انکشاف نہیں کر سکتے۔

قرآن کہتا ہے: "وجاءت سکرة الموت بالحق ذالک ماکنت منہ تحید[۱]"

---

[۱] ۔ سورۂ ق / ۱۹

اور بر حق طور پر موت کی سکراتی کیفیت طاری ہو گی کہ جس سے تم بھاگا کرتے تھے جی ہاں! جس طرح نشیلا آدمی نہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں اس وقت بھی موت کا خوف وہراس ایک طرف اور بیوی بچوں نیز دوست و منصب سے جدائی دوسری طرف اس کا ہوش باقی نہیں رہنے دیتے اور اسے اس طرح مبہوت و مدہوش کر دیتے ہیں کہ اس حالت کو قرآن و حدیث نے لفظ "سکرہ" (مستی) سے یاد کیا ہے یہ تعبیر قیامت کے بارے میں استعمال ہوئی ہے قرآن کہتا ہے: "وتری الناس سکاریٰ وما هم بسکاریٰ ولکن عذاب الله شدید[۱]" اے میرے رسول آپ اس دن کہ جب قیامت کا زلزلہ برپا ہو گا لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھیں گے حالانکہ وہ نشہ کی ترنگ میں نہیں ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب ہی شدید ہو گا یہ خدا کا بڑا عذاب ہے جس نے ان کی عقل کو مبہوت کر دیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا بیان

حضرت علی علیہ السلام موت کی کیفیت کو نہج البلاغہ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں مختلف قسم کی الجھن حسرت و یاس دنیا سے جدائی کا غم اور ایک پرخطر دنیا کا سفر انسان کے سامنے ہوتا ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں: "فغیر موصوف ما نزل بھم"

موت کے وقت جن حالات سے انسان دوچار ہوتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

بدن کے اعضا شل ہو جاتے ہیں رنگ اڑ جاتا ہے موت آتی ہے تو زبان پر مہر سکوت لگا دیتی ہے انسان اب بھی دیکھتا ہے اور سنتا ہے لیکن بول نہیں سکتا ہے اس کی فکر بھی اپنی جگہ کار فرما ہے لیکن اب

۱۔ سورہ حج/۲

یہ سوچتا ہے کہ میں نے زندگی بھر کیا کیا ہے؟ جیساکہ امام فرماتے ہیں: یفکر فیم افنیٰ عمرہ و فیم ذھب دھرہ[1] ،، سوچتا ہے کہ اپنی عمر کس راہ میں صرف کی ہے اپنی حیات کے قیمتی ایام کہاں گزارے ہیں۔

امامؑ فرماتے ہیں: مرنے والا اس وقت اپنی پوری زندگی کی جمع کی ہوئی دولت و ثروت کو یاد کرتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے یہ مال میں نے کس راستے سے حاصل کیا ہے حلال و حرام کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟ آج اس کا حساب و گناہ میرے سر اور لطف و لذت دوسروں کے نصیب میں ہے لیکن ملک الموت اسی طرح اس کے اعضاء سے روح کو جدا کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ زبان اور کان بے کار ہو جاتے ہیں صرف اس کی آنکھیں دیکھتی ہیں اور اپنے عزیز و اقارب کی کوشش و تلاش و وحشت دیکھتا رہتا ہے لیکن نہ کچھ سن سکتا نہ کچھ بول سکتا ہے اور آخری لمحات میں آنکھوں سے بھی روح نکل جاتی ہے اور وہ اپنے دوستوں عزیزوں کے درمیان کسی مردار کی صورت ہو جاتا ہے سب اس سے ڈرتے ہیں اور اطراف سے ہٹ جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے خاک اور اس کے عمل کے سپرد کر کے چل دیتے ہیں۔[1]

مرتے وقت مال، اولاد اور عمل انسان کے سامنے مجسم صورت میں آتے ہیں مال کی طرف دیکھتا ہے تو اس میں کفن کے سوا اپنا کچھ اور حصہ نہیں پاتا بیوی بچوں کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے تو دیکھتا ہے وہ صرف قبر تک پہنچانے کے روادار ہیں اس سے آگے وہ ساتھ دینے کو تیار نہیں لیکن بس اس کا اپنا عمل ہے جو ابد تک اس کے ہمراہ ہے۔[2]

قرآن کہتا ہے: "حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت[3] ،، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو وہ خدا سے دعا

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۹ ۲۔ یہ مطالب مختلف روایات میں معمولی فرق کے ساتھ ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

۳۔ مومنون / ۹۹

کرتا ہے اور ملک الموت سے کہتا ہے: مجھے زندہ کرکے واپس بھیج دو تاکہ چھوٹ جانے والے کاموں کا تدارک کرسکوں (اور جو مال میں نے جمع کیا ہے اور چھوڑے جا رہا ہوں اسے اس کی جگہ پہنچا دوں) لیکن یہ آرزوئیں کبھی عملی جامہ نہیں پہن سکتیں وہ جتنا بھی نالہ و فریاد کریں اس کا جواب نفی میں ہی ملے گا روایات میں ہے کہ یہ نالہ و فریاد ان لوگوں کی ہوگی جو اسلامی ٹیکس ادا نہیں کرتے ہیں[1]۔

قرآن میں خدا فرماتا ہے: "وانفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین[2]"، یعنی جبتک تمھاری موت تم تک نہیں پہنچی ہے جو رزق ہم نے تمھیں عطا کیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں دوسروں کو خیرات کے طور پر دے دو ورنہ اس وقت تم کہو گے خدایا کیا ہمیں تھوڑے دنوں کی مہلت نہیں دے سکتا ہے کہ ہم اپنے جمع کردہ اموال سے تیری راہ میں خیرات کریں اور اپنی بداعمالیوں سے نجات پا کر نیک بندوں میں شامل ہو جائیں؟ قیامت میں بھی یہ التماس و فریاد بلند ہوگی اور لوگ کہیں گے" فارجعنا نعمل صالحا[3]"، خدایا ہماری سمجھ میں آیا ہے ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ اعمال صالح بجالائیں۔

سچ بتائیے کیا ان روشن و واضح خبردار کر دینے والی آیات کے بعد بھی غفلت کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟! ہمارا تو عقیدہ یہ ہے کہ قرآن انسان سازی کی بہترین کتاب ہے یہ غفلت کے پردے اٹھا دیتی ہے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن نے موت کے لحات کی کیفیت کو کس طرح بیان کیا ہے سورۂ قیامت میں خدا فرماتا ہے[4]: "کلا" دنیا کو آخرت پر اس قدر ترجیح نہ دو مرنے کی بھی فکر کرو

۱۔ تفسیر المیزان ج ۱۵ ص ۷۹ — ۲۔ منافقون/ ۱۰

۳۔ سورہ سجدہ/ ۱۲

۴۔ آیت ۲۶ تا ۲۹

وہی موت کہ "اذا بلغت التراقی" "جب تمہارے (پورے) بدن سے روح کھینچ کر گلے کی ہڈیوں تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ "وقیل من راقٍ"، کون ہے جو اس انسان کو موت کے چنگل سے بچا سکے؟ کون سا ڈاکٹر یا دوا اس کو موت سے بچانے کے لئے لائی جائے؟!" وظن انہ الفراق" لیکن خود انسان جانتا ہے کہ ہر آن اور ہر لحظہ دنیا اور ان تمام چیزوں سے جن کے جمع کرنے میں ایک عمر صرف کی ہے جن کے پیچھے بھاگتا پھرا ہے اور جن چیزوں سے دل لگا رکھا ہے ان سب سے، دوست بچے، بیوی ہر ایک سے جدائی کا وقت آپہنچا ہے۔

• "والتفت الساق بالساق"[1] بدن سے روح نکل جانے کے باعث پنڈلی سے پنڈلی چپک جاتی ہے اس کے ساتھ ہی دنیا سے جدائی کا غم اور ایک دوسری دنیا میں ورود کا خیال اسے سخت تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن مجید نے انسان کی دنیا کے ساتھ گہری وابستگی کو ختم کرنے کی غرض سے کتنے بہترین انداز میں جان کنی کے لمحات کا ذکر کیا ہے، جی ہاں ہمارے تمام مشکلات ہماری غفلت اور لاعلمی کا نتیجہ ہیں اور یہ جو اس قدر قرآن کی تلاوت کی جو تاکید کی گئی ہے شاید اس کا بھی راز یہی ہے کہ لوگ تلاوت کے درمیان ان آیات کو دیکھیں گے اور غور و فکر سے کام لیں گے اور معاشرہ گزشتہ قوموں کی سرنوشت سننے کے بعد غفلت سے بیدار ہو جائیگا اور راہ خدا کو طے کرنے لگے گا جی ہاں قرآن کے ناموں میں سے ایک نام "تذکرہ" بھی ہے اسی لئے کہ بھولی باتیں یاد دلانے اور غفلت کو دور کرنے کا باعث ہے سورۂ واقعہ کی ۸۳ ویں آیت میں بھی موت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مگر ہم اسے اختصار کے تحت خود قارئین کرام کے ذوق مطالعہ کے حوالے کر رہے ہیں۔

---

[1] ۔ سورۂ قیامت / ۲۶ ۔ ۳۰

اچھوں کی موت

اس سے متعلق بھی ہم چند آیات و روایات نقل کرتے ہوئے ان کے مطالب بیان کرتے ہیں

۱۔ تحیتھم یوم یلقونہ سلام واعد لھم اجرا کریما[۱]
نیکوکار بندے جس دن خدا سے ملاقات کریں گے ان کا احترام سلام و امنیت و بشارت کی صورت میں ہو گا" اور ان کے لئے اس نے بہترین اجر مہیا کر رکھا ہے[۲]

۲۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ[۳]
یعنی اے مطمئن روح والے (ایسی روح جو یاد خدا سے مطمئن اور معصوم رہبری کے انتخاب کی وجہ سے شاد و دل گرم ہے تلخ و شیریں حادثات نے جس کی راہ نہیں بدلی ہے اور جس کے قلب کو وحشت زدہ نہیں کیا ہے) اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ اور میرے مخصوص بندوں کے ساتھ مل کر میری بہشت میں داخل ہو جا[۴]

علامہ طباطبائی نے اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث نقل کی ہے اس میں ہے کہ مومن موت کے وقت ڈرتا ہے لیکن ملک الموت اس کی ڈھارس بندھاتا ہے اور کہتا ہے: تم کیوں ڈر رہے ہو؟! میں تو تمھارے باپ سے زیادہ تم پر مہربان ہوں ذرا آنکھیں تو کھولو! جب مومن آنکھیں کھولتا ہے تو رسول خدا ائمہ اطہار کے ملکوتی چہروں کو دیکھتا ہے اور پھر خدا کی طرف سے ندا آتی ہے

۱۔ احزاب / ۴۴

۲۔ علامہ مجلسی مرحوم نے بحار الانوار کی جلد ۶ ص ۱۴۸ پر ایک حدیث نقل کی ہے کہ آیت میں "روز لقاء" سے مراد یہی موت کا دن ہے لیکن یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے روز قیامت بھی مراد ہو سکتا ہے۔

۳۔ فجر / ۲۸

۴۔ تفسیر المیزان جلد ۲۰ ص ۴۱۹ اور بحار الانوار جلد ۶ ص ۱۶۳۔

اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف پلٹ آ اور میرے مخصوص بندوں میں شامل ہو کر میری بہشت میں داخل ہو جا (خدا کے اس کلام میں پورے زور و شور کے ساتھ خدا کا لطف ظاہر ہے یہ نہیں فرمایا "بہشت میں" بلکہ کہتا ہے "میری بہشت میں"

۳۔ قرآن مجید میں ہی ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

"ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون[۱]"

یقیناً وہ لوگ جو کہتے ہیں: ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس راہ میں ثبات واستقامت دکھاتے ہیں ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں (اے راہ ایمان میں ڈٹ جانے والو مستقبل کی طرف سے) تم خوف نہ کھاؤ اور رنجیدہ نہ ہو ہم تمھیں اس جنت کی بشارت دیتے ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے

امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے جس کے مطابق فرشتے بشارت لے کر مرتے وقت نازل ہوتے ہیں[۲]۔ مذکورہ بالا آیت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ "نہ خوف کھاؤ نہ غمگین ہو" تو یہ اس لئے ہے کہ آئندہ کے محتمل خطرات کی وجہ سے خوف پیدا ہوتا ہے اور گزشتہ کے گناہ حزن واندوہ میں مبتلا کرتے ہیں[۳]۔

۴۔ الذین تتوفٰہم الملائکۃ طیبین یقولون سلامٌ علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون[۴]"

وہ ملائکہ اور فرشتے جنھیں مومنین کی روح قبض کرنے پر مامور کیا گیا ہے

۱۔ سورہ حم سجدہ / ۳۰ ۲۔ المیزان ج ۱۷ ص ۴۲۰

۳۔ المیزان ج ۱۷ ص ۴۱۵ ۴۔ نحل / ۳۱

ان پاک و پاکیزہ متقیوں سے کہتے ہیں تم پر سلام ہو اب تم اپنے نیک اعمال کی بنا پر جنت میں داخل ہو جاؤ "۔

۵۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ[1] ۔۔۔"

یاد رکھو! اولیا خدا کے لئے خوف و رنج نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ایمان اختیار کیا ہے اور تقویٰ سے کام لیتے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بشارت ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس آیت میں بشارت سے مراد وہی بشارت ہے جو مرتے وقت اولیا خدا کی زبان سے سنی جاتی ہے[2]۔

بدکرداروں کی موت

اس ذیل میں بھی ہم سالم ترین راہ یعنی قرآن اور روایات سے استفادہ کر رہے ہیں قرآن گناہگاروں کی حالت احتضار اس طرح بیان کرتا ہے:

۱۔ "الذین تتوفّٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم فالقوا السلم ما کنا نعمل من سوء بلیٰ ان اللہ علیم بما کنتم تعملون[3]"

جن لوگوں نے کفر و گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا ہے جب ان کا سامنا

۱۔ یونس/۶۳
۲۔ المیزان ج ۱۰ ص ۱۰۱
۳۔ نحل/ ۲۷

ملک الموت سے ہوتا ہے تو حواس باختہ سراپا تسلیم ہو کر کہتے ہیں: ہم نے غلط کام نہیں کئے ہیں جی ہاں جس شخص نے پوری عمر جھوٹ اور حیلہ بازی سے کام لیا ہے وہ موت اور قیامت کے سخت لمحوں میں بھی اپنے عادات واطوار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ایسے حساس موقعوں پر بھی خدا اور فرشتوں سے جھوٹ بولتے ہیں) لیکن ان کو جواب ملتا ہے ہاں! تم ظالم ہو اور خدا تمھارے کرتوت سے آگاہ ہے"

۲۔ ولو ترى إذ الظّالمون في غمرات الموت والملائكة باسطوا أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما...[1]"

اے پیغمبر اگر آپ ان ظالموں کو موت کی کربناک سختیوں میں ملاحظہ فرمائیں (تو دیکھیں کہ موت کے) فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے انھیں آواز دے رہے ہیں کہ اب اپنی جان چھوڑ دو آج تم ذلت آمیز سزاؤں میں گرفتار ہوگے"۔

اس طرح سے جان دینا دو[2] اسباب کی بنا پر ہے جو اسی آیت میں آگے بڑھ کر بیان ہوئے ہیں۔

پہلا سبب یہ کہ خدا پر جھوٹ باندھا۔

دوسرا سبب یہ کہ تم نے اس کی آیتوں کو تسلیم نہیں کیا۔

اس آیت میں بشارت کی جگہ لفظ "غمرات" کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی وسیع و ہمہ گیر شدائد کے ہوتے ہیں اور "توفی" یعنی قبض روح فرشتوں کی طرف سے ہونے کے بجائے خود

---

[1] انعام/۹۲

مرنے والے سے اپنی جان فرشتوں کے سپرد کرنے کو کہتے ہیں جس طرح کسی قاتل سے پھانسی کے وقت کہتے ہیں "سرجاؤ" جس میں ایک طرح کی حقارت و ذلت پائی جاتی ہے۔

۳۔ فلمّا نسوا ما ذکّروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء حتّی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا ھم بغتۃ ...[۱]"

خداوند عالم اس آیت سے قبل فرما چکا ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو بھیجا لیکن لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہم نے ان مخالفوں کو خبردار کرنے کے لئے ناگوار شدائد و مشکلات میں مبتلا کیا کہ شاید وہ ہوش میں آجائیں اور بارگاہ خدا میں گریہ و زاری کے ساتھ توبہ کریں لیکن پھر بھی انھوں نے کسی مغرور و سرمست کی طرح اپنا کام جاری رکھا تو ہم نے بھی دوسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ: ان غافل و بدمست لوگوں کو خوشحال اور طرح طرح کی نعمتوں میں مشغول کر دیا تاکہ جب یہ لذت اندوزی تفریح اور کامیابیوں میں مشغول ہو جائیں اس وقت اچانک ان سب کو اپنے قہر کا نشانہ بنا ڈالیں جی ہاں یہ طریقہ اس گروہ کے لئے ہے جن کو انبیاء کی آمد تنبیہ و سرزنش اور حوادث روزگار کچھ بھی ٹس سے مس نہیں کرتے۔

۴۔ ولو تری اذ یتوفّی الّذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم و ادبارھم و ذوقوا عذاب الحریق[۲]"

فکیف اذا توفّتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم و ادبارھم[۳]

یہ دو آیتیں جو قرآن کے دو سوروں میں بیان ہوئی ہیں کفار کی روح قبض ہونے کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں، ایک جگہ خدا فرماتا ہے:

۱۔ انعام / ۴۴ ۲۔ انفال / ۵۰

۳۔ محمد / ۲۷

اے پیغمبرؐ اگر آپ کفّار کی وہ دل خراش وعبرت انگیز کیفیت دیکھتے جب موت کے فرشتے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوئے کہتے ہیں اب آتش جہنم کا مزہ چکھو (تو آپ جان جاتے کہ ان کا انجام کتنا دردناک ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اس وقت ان مجرموں کا حال کیا ہو گا جب موت کے فرشتے ان کے پاس آئیں گے ایک طرف تو اس شخص کو طرح طرح کے وسوسے، جدائیاں اور خطرات اپنے گھیرے میں لئے ہوں گے اور دوسری طرف یہ فرشتے تسلّی کے بجائے ان کے چہروں اور پشت پر مسلسل مارتے ہوئے ان کی جان لیں گے

۵۔ "انّ الذین توفّٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنّا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللّٰہ فتھاجروا فیھا[۱]"

یہ آیت بھی کہتی ہے کہ روح قبض کرتے وقت فرشتے ان لوگوں سے کہ جنھوں نے ہجرت نہیں کی اور خود پر ظلم کرتے رہے کہتے ہیں تم نے کس حال میں زندگی گزاری! کفار کی صف میں کیوں کھڑے رہے! وہ کہیں گے کہ ہم اس ماحول میں بہت گھٹن اور دباؤ کی زندگی گزار رہے تھے نہیں فرشتے ان کی بات کو قبول نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: کیا خدا کی زمین میں وسعت نہ تھی کہ تم ہجرت اختیار کرتے؟ جی ہاں جیسے ہی مسلمان یہ سمجھے کہ ایک علاقہ غیر اسلامی ماحول اور افکار و نظریات کے تحت اثر آچکا ہے تو اپنے عقیدہ اور ایمان و افکار کی حفاظت کے لئے اس پر ہجرت واجب ہے اسے حیوان کی منزل سے بھی زیادہ نیچے نہیں جانا چاہئے کیوں کہ ہم نے دیکھا ہے حیوانات کی ایک بڑی تعداد اپنی حیوانی

---

[۱] نساء/۹۷

زندگی کو باقی رکھنے کی خاطر ایک خطے سے دوسرے خطے کی طرف کوچ یعنی ہجرت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی کی آخری سانسوں میں لاپرواہ کاہل اور تن پرور افراد سے فرشتے جو گفتگو کرتے ہیں اور انھیں شرمندہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان سے پوچھتے ہیں تم نے اس ماحول میں ہجرت کیوں نہیں اختیار کی۔

آسان موت

اب جب کہ ہم نے نیکو کاروں اور بدکرداروں کے وقت احتضار کی کیفیت کو قرآن مجید کی روشنی میں بیان کر دی، یہاں چند حدیثیں بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جن میں "آسان موت" کے عوامل واسباب بیان کئے گئے ہیں البتہ یہاں اس طرح کے تمام نمونے بیان کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں ہے اس لیے کہ ہر بحث کے ذیل میں ہم نے اختصار اور سادہ گوئی کا خیال رکھا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من کسا اخاہ کسوۃ کان حقاً علی اللہ ان یکسوہ ثیاب الجنۃ وان یھوّن علیہ سکرات الموت[1]"

جو شخص اپنے برہنہ بھائی کو لباس پہنائے خداوند عالم اس پر موت آسان کر دیتا ہے

ایک دوسری روایت میں رسول خداؐ نے فرمایا ہے: حضرت علیؑ کے دوستوں پر موت آسان ہو جاتی ہے[2]۔

۱ے۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۱۹۸ ۲ے۔ بحار الانوار ج ص ۲۲۱

ظاہر ہے کہ دوستی و محبت سے مراد اپنے لئے اس رہبر معصوم (حضرت علیؑ) کی راہ کا انتخاب اور ان کی فکری، عقیدتی، اور علمی روش کی حمایت کرنا ہے۔

اولیاء خدا سے ملاقات

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بحار الانوار کی چھٹی جلد میں ۵۶ حدیثیں اس بارے میں نقل کی ہیں کہ انسان عالم احتضار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کو دیکھتا ہے اور ان کے بعد فرمایا ہے: رسول اسلامؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی آمد اور ان کا دیدار ان مسائل میں سے ہے جن کے لئے کثیر تعداد میں روایات موجود ہیں اور شیعی مکتب فکر میں ان کو خاص شہرت حاصل ہے اور ایک عقلمند انسان جس کا مقصد کٹھ حجتی نہیں ہے، اگر کسی مسئلہ کے بارے میں متعدد روایتیں موجود ہوں تو اسے وہ مسئلہ مان لینا چاہئے۔

علامہ طباطبائی مرحوم تفسیر المیزان کی دسویں جلد میں سورۂ یونس کی ۶۲ ویں آیت کی تفسیر میں موت کے وقت رسول اللہؐ سے انسان کی ملاقات کے بارے میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

جانکنی کے عالم میں انسان کی رسول اللہؐ اور ائمہ اطہار سے ملاقات متعدد اسناد سے نقل ہوئی ہے۔[۱] اور روایتوں کے ذیل میں ان حضرات کے تشریف لانے کی وجہ بھی ذکر ہوئی ہے کہ مومنین اولیاء خدا کے نورانی چہروں کو دیکھنے کے بعد اور وہ بھی ان کی بشارتوں

۱۔ المیزان ج ۱۰ ص۱۰۰

کے ساتھ جو دہ دیتے ہیں بڑی آسانی کے ساتھ دنیا ترک کر کے ان ہستیوں کے جوار میں حاضری کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے جانکنی کی سختیاں آسان ہو جاتی ہے اس کے برخلاف جن لوگوں نے اپنی پوری عمریں برائیوں اور گناہوں میں گزاری ہیں جیسے ہی ان کی نگاہیں آسمانی پیشواؤں پر پڑتی ہیں، ان کے غم و رنج میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے ایک خاص قسم کی شرمندگی ان کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے خصوصاً جب ان کو ان ہستیوں کی جانب سے اپنی زبوں حالی کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

قبض روح کون کرتا ہے؟

قرآن مجید نے ایک مقام پر قبض روح کی خدا کی طرف نسبت دی ہے ۔
ارشاد ہوتا ہے :
"اللہ یتوفی الانفس حین موتہا"[1]
یعنی یہ خدا ہی ہے جو موت کے وقت روحوں کو بغیر کمی و زیادتی کے
قبض کرتا ہے "
دوسری جگہ قبض روح ملک الموت کا کام بتایا گیا ہے رسولؐ سے خطاب ہے:
"قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم"[2]

---

1 ۔ سورہ زمر / ۴۳

2 ۔ سورہ سجدہ / ۱۱

لوگوں سے کہہ دیجئے ملک الموت تم لوگوں کی روح قبض کرتا ہے یہ وہی فرشتہ ہے جو تم پر اس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔[1]

دوسرے مقام پر اسی کام کی فرشتوں کی طرف نسبت دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے:

"توفتہ رسلنا"[1] "ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں کسی قسم کی منافات نہیں ہے اس لئے کہ ملک الموت بھی خدا ہی کا مقرر کردہ ہے جس کی طرف قرآن میں ہے "وکل بکم" کے ذریعہ اشارہ ہوا ہے اسی طرح فرشتے بھی خدا کے ہی مقرر کردہ ہیں چنانچہ کلمہ "رسلنا" کے ذریعے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اس بنا پر اصل قبض روح کرنے والا خدا ہے اور ملک الموت یا فرشتے خدا کی جانب سے اس کام پر مقرر ہوئے ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق کچھ فرشتے ملک الموت کی مدد کرتے ہیں اور دنیا کے مختلف کونوں میں روحیں قبض کر کے ملک الموت یعنی عزرائیل کے حوالے کرتے ہیں اور وہ تمام روحیں خداوند عالم کی خدمت میں تقدیم کر دیتا ہے۔[2]

اس بنیاد پر قبض روح کی نسبت خدا کی طرف بھی صحیح ہے اور ملک الموت یا فرشتوں کی طرف بھی دینا صحیح ہے، یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے لکھنے کی نسبت خود انسان کی طرف بھی دے سکتے ہیں اور ہاتھ کی طرف یا قلم کی طرف بھی دے سکتے ہیں اس لئے کہ قلم دست انسان میں اور ہاتھ انسان کے اختیار میں ہے یہاں بھی فرشتے ملک الموت کے اختیار میں

۱۔ سورہ انعام/۶۱

۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۴۴

اور ملک الموت خدا کے اختیار میں ہے معلوم ہوا ان میں آپس میں کسی قسم کی منافات نہیں پائی جاتی اور ان تمام چیزوں سے قطع نظر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ملک الموت کی مدد کے لئے اس طرح کے فرشتے نہیں پائے جاتے کہ جن کو وہ مغرب و مشرق میں اس کام پر مامور کرے تو بھی ملک الموت ہماری طرح کا مادی مخلوق نہیں ہے کہ اس کے لئے ایک وقت میں چند مقامات پر پہنچنا ناممکن یا کوئی مشکل مسئلہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج ملک الموت سے پوچھا: تم کس طرح ایک ہی وقت میں مشرق میں بھی پہنچ جاتے ہو اور مغرب میں بھی؟ اس نے کہا: میرے نزدیک یہ پوری دنیا بالکل اس سکہ کی مانند ہے جو آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے[۱]

موت کے وقت ہماری ذمہ داری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زندگی کے آخری لمحات میں مرنے والے کو کلمہ "لا الہ الا اللہ" پڑھوانا چاہئے بیشک جس کی زندگی کا آخری کلمہ یہ ہو وہ ضرور جنت میں جائے گا[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ابلیس اپنے دوستوں کو اس بات پر معین و مقرر کرتا ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہو تو اس کے سرہانے حاضر ہو کر اس کو کفر یا شک و شبہ میں ڈال دے تاکہ وہ اسی عالم میں اس دنیا سے جائے۔ اسی لئے جب

۱۔ تفسیر صافی سورہ سجدہ کی آیت ۱۱ کے ذیل میں۔

۲۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۶۲

جب تم کسی مرنے والے کے سرہانے پہنچو تو اس سے کلمہ شہادتین "لا الہ الا اللہ" اور "اشہد ان محمداً رسول اللہ" کی اتنی مرتبہ تکرار کراؤ کہ یہی دہراتے دہراتے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردے۔

دوسری روایت میں ہے: وحدانیت اور نبوت کی گواہی کے علاوہ تمام اماموں کی امامت کی گواہی بھی یکے بعد دیگرے زبان پر جاری کرانا چاہئے[1]

البتہ یہ گواہیاں ایمان و یقین کی بنیاد پر ہوں اور ہم بھی مہر و محبت کی بنیاد پر یہ کلمات مرنے والے کو تلقین کریں۔

دعا کی معتبر کتابوں میں ایک دعا وارد ہوئی ہے کہ عالم نزاع میں مرنے والے کی زبان پر جاری کرائے رسالہ عملیہ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے یہاں اس کو نقل کرکے ترجمہ پیش کر رہے ہیں

"اللّٰھمّ اغفرلی الکثیر من معاصیک واقبل منّی الیسیر من طاعتک یا من یقبل الیسیر و یعفو عن الکثیر اقبل منّی الیسیر واعف عنی الکثیر انّک انت العفوّ الغفور اللّٰھمّ ارحمنی فانّک رحیم"[2]

بار الٰہا میرے کثیر گناہوں کو بخش دے اور میری قلیل اطاعت کو قبول فرما اے قلیل (نیکیوں) کو قبول کرنے اور اے کثیر (گناہوں سے) درگزر کرنے والے میری قلیل (نیکیوں) کو بھی قبول فرما اور کثیر (گناہوں) کو معاف کردے تو صاحب عفو و بخشش ہے میرے پروردگار تو مجھ پر رحم فرما اس لئے کہ تو ہی رحم کرنے والا ہے۔

---

۱ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۶۳ اور بحار الانوار ج ۶ ص ۱۹۵

۲ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۶۵ - بحار الانوار ج ۶ ص ۱۹۵ حدیث ۴۸ اور توضیح المسائل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ مسئلہ ۵۳۷

رسول اکرمؐ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص کا وقت آخر ہے اور اس کی زبان بند ہو گئی ہے رسول خداؐ اس کے سرہانے سے تشریف لائے اور فرمایا: کہو "لا الٰہ الّا اللہ" کہو لیکن وہ شخص نہ کہہ سکا رسول اکرمؐ نے پھر کہا لیکن وہ دوبارہ بھی نہ کہہ سکا۔ رسول اکرمؐ نے اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی خاتون سے پوچھا: آیا اس شخص کی ماں موجود ہے اس خاتون نے جواب دیا ہاں میں خود اس کی ماں ہوں، رسول اکرمؐ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو؟ اس نے کہا نہیں میں اس سے ناراض ہوں۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تو اس سے راضی ہو جائے تو ماں نے کہا: آپ کی وجہ سے میں راضی ہو گئی اس کے بعد رسولؐ نے اس شخص سے کہا: پہلے کہو "لا الٰہ الّا اللہ"، اس شخص نے یہ جملے دہرائے جی ہاں ماں کی رضا ایسے حساس ترین مرحلے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے[۱]۔

جب کوئی مسلمان نزع کے عالم میں ہو تو واجب ہے کہ اسے پیٹھ کے بل اس طرح لٹائیں کہ اس کے پیر کے تلوے قبلے کی طرف ہوں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد، توحید نبوت امامت اور معاد کی گواہی وغیرہ اس طرح پڑھائیں کہ وہ اس کو سمجھ کر پڑھے اور مستحب ہے کہ جس کی جان نکلنے میں مشکل پیش آ رہی ہو اذیت نہ ہو تو جہاں وہ نماز پڑھتا تھا وہاں لے جائیں اور اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ تنہا نہ چھوڑیں، حائض اور مجنب افراد بھی اس کے قریب نہ جائیں، اس کے پاس گریہ وزاری اور زیادہ باتیں کرنے سے بھی پرہیز کریں جتنا بھی ممکن ہو اس کے قریب قرآن خصوصاً سورہ یٰس، صافات، احزاب اور آیۃ الکرسی کی تلاوت کریں[۲]۔

بارالٰہا اس خطرناک اور مشکل گھڑی میں ہم کو ایمان اور راحت کے ساتھ اٹھانا۔

۱۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۶۵

۲۔ رسالہ امام خمینی

جنازہ کی ہمراہی

تشییع جنازہ کے سلسلہ میں تین مسئلے سامنے آتے ہیں :

۱۔ دنیا سے جانے والے کا احترام ۔

۲۔ پسماندگان کو تعزیت و تسلیت ۔

۳۔ تشییع جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے لیے درس عبرت ۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو وہ جو بھی دعا مردے کے حق میں کرتا ہے ملائکہ وہی دعا اس شخص کے حق میں کرتے ہیں[1]۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص کسی میت کی نماز جنازہ پڑھے خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور جو شخص کسی جنازہ کا ایک گوشہ تھام لے خداوند عالم اس کے ۲۵ گناہان کبیرہ کو بخش دیتا ہے[2]۔

---

[1] و [2] سفینۃ البحار مادہ "تشییع"، ملاحظہ فرمائیں ۔

روایات میں ملتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنازہ کی تشییع میں بہت زیادہ محزون و متفکر اور خود اپنے آپ سے محو گفتگو ہوتے تھے[۱]

حضرت موسیٰؑ نے اپنے خدا سے پوچھا: جو شخص تشییع جنازہ میں شرکت کرتا ہے اس کا اجر کیا ہے؟ جواب آیا کہ میں اپنے فرشتوں کو اس بات پر معین کر دیتا ہوں کہ اس کو علم کے سائے میں قبر سے جنت تک لے جائیں[۲]۔

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کو سب سے پہلے جو تحفہ دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اور اس کی تشییع جنازہ میں شرکت کرنے والے تمام افراد کے گناہ اور لغزشیں بخش دی جاتی ہیں[۳]۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عودوا المريض واتبعوا الجنائز تذكركم الآخرة[۴]" مریض کی عیادت کرو اور جنازوں میں شریک ہو کیونکہ یہ عمل تمھیں آخرت کی یاد دلائے گا۔

رسول اکرمؐ کی دوسری حدیث میں ہے کہ تشییع جنازہ میں جو قدم بھی اٹھاتا ہے ہر قدم کے بدلے خداوند عالم دس کروڑ نیکیاں اور ثواب عطا کرتا ہے اور دس کروڑ گناہ بخش دیتا ہے

ایک تشییع جنازہ میں شرکت کے عوض اتنا زیادہ ثواب ان تعمیری اثرات کے سبب ہے جو ممکن ہے کہ ایک انسان پر مرتب ہو جائے تشییع جنازہ میں شرکت انسان کو فکر عطا کرتی ہے۔ یہ بیداری کی گھنٹی ہے، ہوا و ہوس پر قابو پانے کا وسیلہ ہے دنیا سے منہ موڑنے اور تمام مسائل میں آخرت پر نظر رکھنے

۱۔ سفینۃ البحار مادہ "تشییع" ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۰۸

۳۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۸۲۱

۴۔ نہج الفصاحہ کلام ۱۹۹۳

کا ذریعہ ہے۔ نورانیت ہے مومن کی شخصیت کا احترام اور دردونی انقلاب و دگرگونی ہے،
خصوصاً اگر جنازہ کسی شہید کا ہو تو مرنے والے کی ان تمام جلالتوں کے علاوہ مذہب و مکتب،
اسلام و قرآن اور جہاد و انقلاب کی عظمت و جلالت بھی ہویدا ہوتی ہے۔

دردناک پیغامات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کفار اور دشمن خدا دنیا سے جاتے ہیں اور لوگ ان کو قبرستان کی سمت لے جاتے ہیں یہ لوگ اپنے اطراف میں موجود افراد کو پیغامات اور آواز دیتے ہیں (ایسے پیغامات جن کو سننے کے لئے ملکوتی کان کی ضرورت ہے اور ہمارے جیسے لوگوں کو کہ جن کے پاس وہ کان نہیں ہیں، چاہئے کہ رسول اسلامؐ کے کلام کا سہارا لیں جو آپؐ نے فرمائیں)
وہ دشمن خدا کہتے ہیں:

...میں شیطان کے فریب میں آگیا، خیر خواہ بن کر اس نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ دنیا نے بھی مجھے دھوکا دیا میں نے اس سے دل لگایا اور اسی اطمینان کر کے خدا سے غافل ہو گیا۔
میں نے مصنوعی دوستوں سے دھوکا کھایا جنھوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور ذلیل و خوار کیا۔
میں اپنے بیوی بچوں کے فریب میں آگیا جو ان کی خوشی کے لئے اپنے دین و دنیا کو تباہ و برباد کر لیا۔
میں نے دولت و ثروت سے فریب کھایا، حق الناس اور حق اللہ کی ادائیگی میں بخل سے کام لیا اور راہ خدا میں خرچ نہ کیا...
قبر کی طولانی مدت سے میرا پتہ پانی ہوا جا رہا ہے اور فریاد میں کر رہا ہوں...
قبر ایک تنگ و تاریک، وحشتناک گھر ہے...
اے میرے ساتھ چلنے والو! تم فریب نہ کھانا، مجھے ذلت و رسوائی اور عذاب و عتاب کی

کی خبر دی جا چکی ہے۔

اور آخر میں کہتے ہیں: وٰاحسرتا ہ علی ما فرطت فی جنب اللہ ...[1] وا حسرتا کہ میں نے راہ خدا میں اس قدر سہل انگاری و سستی سے کام لیا۔

اس موقع سے متعلق رسول اسلامؐ کی ایک دوسری حدیث بھی ہے: حضرت فرماتے ہیں: قسم اس قادر مطلق کی کہ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر لوگ مردے اٹھانے والوں کا مشاہدہ کر لیتے اور ان کی باتیں سن سکتے ہوتے تو اسے چھوڑ کر خود اپنے حال پر گریہ کرتے اس لئے کہ مرنے والے کی روح جنازہ کے ساتھ فریاد کرتی رہتی ہے اور کہتی ہے: اے میرے عزیزو اور میری گود کے پالو! دنیا تمھیں اپنا کھلونا نہ بنائے پائے جیسا کہ اس نے مجھے اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا رکھا تھا، میں نے حرام و حلال ہر طریقے سے مال و دولت جمع کیا اور دوسروں کے لئے چھوڑ دیا۔ دوسرے اب مزے اڑا رہے ہیں اور میں عذاب میں مبتلا ہوں میرے اوپر جو بلا نازل ہوئی ہے اس سے ڈرو۔[2]

حضرت علی علیہ السلام نے تشییع جنازہ کے موقع پر ایک شخص کے ہنسنے کی آواز سنی آپؑ کو اس سے تکلیف پہنچی اور فرمایا: گویا موت ہم کو نہیں آنی ہے صرف دوسروں کے لئے ہے!! اس کے بعد آپ نے گلے کئے یہاں تک کہ فرمایا: مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی آنکھوں سے موت کو دیکھ رہے ہیں پھر بھی غافل رہتے ہیں۔ اور اسے بھلا دیتے ہیں۔[3]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب بھی کسی جنازہ کے ہمراہ چل رہے ہو تو فرض کرو کہ تم خود اس تابوت میں ہو اور خدا سے التماس کر رہے ہو کہ پروردگار! مجھے دنیا میں واپس پلٹا دے اور خدا نے تمھیں پلٹا دیا۔ اب دیکھو تم نے کیا ہے؟[4]

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۵۸ حدیث ۹۴ نقل از کتاب کافی [2] ۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۶۱

[3] ۔ 〃 〃 〃 ص ۱۳۶ [4] ۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۸۸۳

مسئلہ کفن

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: کفن اس لئے دیا جاتا ہے کہ انسان خدا سے ملاقات کے وقت پاک و صاف رہے اور اس کا جسم اور شرمگاہ برہنہ نہ رہے مرنے والے کا چہرہ لوگوں کی نگاہوں سے پنہاں رہے اس لئے کہ کفن کے بغیر صورت دیکھنے سے انسان قسی القلب ہو جاتا ہے ان تمام چیزوں سے قطع نظر مرنے والے سے دیکھنے والوں کی محبت برقرار رہتی ہے لوگ خود اس کا اور اس کی وصیتوں کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر کوئی مردہ بغیر کفن کے پڑا رہے تو لوگوں کی نگاہ میں اس کی منزلت گھٹ جائے گی اور لوگ اسے کسی پست مردار کی حیثیت سے دیکھیں گے اور اس طرح اس کی انسانی حیثیت اس کی وصیت اور اہداف و مقاصد کو اہمیت نہ دیں گے۔[1]

اسلامی روایات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے: بہتر ہے کفن ایسے کپڑے کا ہو کہ جس کا احرام باندھ کر حج انجام دیا ہے اس لباس میں نماز جمعہ یا دوسری تمام عبادتیں انجام دیتا رہا ہے۔[2]

اسی طرح روایات میں تاکید کی گئی ہے کہ انسان اپنا کفن آمادہ رکھے اور کبھی کبھی اس کو نکال کر دیکھا کرے تاکہ وہ غفلتوں سے بھی نکل آئے اور اجر و ثواب بھی ملے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "من کان کفنہ معہ فی بیتہ لم یکتب من الغافلین وکان ماجوراً کلما نظر الیہ"[3]

۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۲ ص۶۷۵ مرحوم عاملی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔

۲۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص۷۳۲

۳۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص۷۵۶

غسل وتدفین

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں مُردوں کو غسل دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موت سے پہلے کے ہر قسم کے مرض اور آلودگیوں سے بھی پاک وصاف ہو جائیں اور یہ بھی اچھا نہیں تھا کہ وہ بغیر طہارت و پاکیزگی کے ملائکہ اور اہل آخرت سے ملاقات کریں۔[1]

امام رضا علیہ السلام سے ایک دوسری حدیث بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

مُردوں کو دفن کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ لوگ مردہ جسم سے پیدا ہونے والی بدبو اور تعفن اور صورت کی تبدیلی سے تکلیف میں مبتلا نہ ہوں اس لئے کہ اگر مردے دفن نہ ہوں تو جسم فاسد ہو جاتا ہے جس سے دشمن شاد اور دوست رنجیدہ ہوں گے۔[2]

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۶۷۹

۲۔ " " " ص ۸۱۹

عالم برزخ

عقلی دلیل، قرآنی آیات اور اسلامی روایات سب اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ ہماری روح ایسے ہی باقی رہتی ہے اور بدن کے بوسیدہ ہو جانے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ خود مستقل حقیقت و اصالت رکھتی ہے چونکہ جن لوگوں نے معاد کے بارے میں بھی کتابیں لکھی ہیں روح کی بقا کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس لئے اس موضوع کے ذیل میں ہم مطالب کی تکرار سے بچنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاد کی بحث میں وہ مطالب بیان کئے جائیں کہ جن پر ان بزرگوں نے کم تحقیق کی ہے۔

دوسرے ہمارا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اجمالی طور پر معاد کو قبول کرتے ہیں اور تعلیمات دین کے ذریعہ معاد کی حقیقت سے آشنا ہونا چاہتے ہیں روح کی بقا اور مادہ پرستوں کو جواب دینے کا مسئلہ نسبتاً فنی اور اس شخص سے مخصوص ہے جو روح کو مادی فعل و انفعلات کا نتیجہ تصور کرتے ہیں اور روح کی بقا و اصالت کی فلسفی بحث ہی درحقیقت ان کے لئے دنداں شکن و محکم جواب ہے

لیکن کیا یہ درست ہوگا کہ ہم ایک فیصد قاری کے لئے سیکڑوں ہزار معاد کے معتقدین کی طرف سے چشم پوشی کریں جی نہیں اُس گروہ کے لئے ویسی کتابیں اور اِس گروہ کے لئے ایسی کتابیں لکھی جانا چاہئے لیکن اگر ان کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے تو اس میں کوئی لطف نہیں ہے لہٰذا ہم چند سطریں لکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔

ہماری شخصیت کا دارومدار روح و جان پر موقوف ہے نہ کہ ہمارے جسم و بدن پر، اگر آپ دس سال کی عمر میں کسی شخص کو ایک طمانچہ مار کر بھاگ جائیں اور ستّر سال کی عمر میں وہ آپ کو آپکڑے انتقام کا طالب ہوتا ہے، آپ کتنا ہی کہیں کہ میرے ہاتھوں کے وہ خلیئے کہ جن سے آپ کو طمانچہ مارا گیا تھا ساٹھ سال قبل سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت سے آج تک دسیوں مرتبہ خلیئے بدل چکے ہیں وہ یہی کہے گا کہ تمھارے جسم اور خلیئے سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے تم وہی شخص ہو کہ جس نے مجھے طمانچہ مارا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جسم کے بدل جانے سے انسان کی شخصیت نہیں بدلتی یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی موٹر پہ سوار ہو کر چوری کرے اور اس کے بعد لباس اور گاڑی بدل کر فرار ہو جائے۔ اب جب وہ پکڑا جائے گا تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا لباس اور گاڑی چونکہ بدل چکی ہے اس لئے میں وہ چور نہیں ہوں کیونکہ اس سے کہا جائے گا کہ تم وہی چور ہو تمھارے چہرے اور گاڑی کے بدلنے سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے کبھی کبھی ہم خود اپنے بارے میں ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جن میں غیر محسوس طور پر روح کی بقا کا اقرار پایا جاتا ہے مثلاً ہم بڑھاپے میں کہتے ہیں کہ میں بچپنے میں بہت شریر تھا، جب کہ ہمارا بدن ہر چند سال میں ایک دفعہ بدل جاتا ہے لیکن ہمارے وجدانی احساسات بالکل نہیں بدلتے ہم اس بڑھاپے میں بھی اپنے کو وہی بچپنے والا پہلا شخص سمجھتے ہیں اور بدن کے بدل جانے سے (میرے، میرے ہونے میں) کوئی فرق نہیں آتا۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہی بدن جو برسوں مٹی کے نیچے رہ کر سڑ گل چکا ہے سالم انسان کی صورت میں ہمارے خوابوں میں آتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو حقائق

پرمبنی ہوتی ہیں چنانچہ جب ہم تھوڑی بہت تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ سب کچھ صحیح بتایا تھا' یا کبھی وہی بوسیدہ جسم ہمارے خواب میں آکر مستقبل کی خبریں دیتا ہے جو بعد میں بغیر کم و کاست کے واقع ہوتی ہیں' اس طرح کے خواب بہت زیادہ ہیں اور یہ اس بات کی طرف ایک اور علامت ہے کہ جسم کے بوسیدہ ہونے اور مرجانے سے روح کی فعالیت اور آگہی پر کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی روح اس بدن کی قیدی نہیں ہے جب یہ بدن ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اپنے امور انجام دیتی ہے اور اگر یہ سڑ گل کر منتشر ہو جائے تو روح ذاتی طور پر اس کے مثل ایک دوسرا (مثالی) بدن تلاش کرلیتی ہے اور اس سے منسلک ہو کر اپنے امور جاری رکھتی ہے۔[1]

دیکھیں قرآن کیا کہتا ہے ؟

قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی مرنے کا ذکر کیا ہے لفظ "توفی" کا استعمال کیا ہے جس کے معنی کسی کم و زیادتی کے بغیر کسی شئے کا لینا یا دریافت کرنا ہے' مثلاً "اللہ یتوفی الانفس حین موتہا"[2] کا مطلب ہے کہ خداوند عالم موت کے وقت نفسوں کو پوری شخصیت و واقعیت کے ساتھ اپنی تحویل میں لے لیتا ہے اور اس آیت "یتوفیٰکم ملک الموت"[3] کے معنی بھی یہی ہیں کہ ملک الموت بلا کم و کاست تمھاری جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں' آپ اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں گے کہ جان و روح کو قبضہ میں لینا اس کے باقی رہنے کی دلیل ہے اس لئے کہ یہ بدن

---

[1]۔ وہ بدن کہ جس سے ہماری روح مل کر اپنا کام انجام دے گی اس کا ذکر روایات میں ہے ہم بعد میں اس کو بیان کریں گے۔

[2]۔ سورہ زمر/۴۲ [3]۔ سجدہ/ ۱۱

جب مٹی کے ڈھیر کے نیچے دب کر سڑ گل جاتا ہے یہ روح وجان ہی تو ہے کہ جس کے بارے میں قرآن نے چودہ مرتبہ کہا ہے "ہم اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں یا تحویل میں لے لیتا ہے" کی تعبیر استعمال کی ہے۔ جی ہاں! قبضہ میں لینا اس کے ثابت اور باقی رہنے کی دلیل ہے۔

بے شمار روایتوں میں مختلف موارد کے تحت پیامبر اکرمؐ و ائمہ معصومینؑ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان مرنے کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح زندہ اور باقی رہتی ہے اور لطف یا قہر کے ساتھ مخاطب قرار پاتی ہے اس کو عذاب وثواب کی خبر دی جاتی ہے ہم ان روایات کے چند نمونے بطور اشارہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ جنگ بدر میں قتل ہونے والے کافروں کے جسموں کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا رسول خداؐ نے اوپر سے انھیں آواز دی ہے اور ان سے گفتگو کی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا وہ لوگ سن رہے ہیں آپؐ نے فرمایا تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب فاطمہ زہرا(س) کے دفن کے وقت ان دونوں سے گفتگو فرمائی تھی۔

۳۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی قبرستان میں آکر مُردوں سے باتیں کرتے تھے حدیث میں ملتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت علیؑ کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد کو سپرد خاک کیا اور تلقین پڑھی اور حقیقتاً تلقین سے متعلق روایات ہیں خود میت کی فہم پر ایک دلیل ہیں۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل کے خاتمہ کے بعد کعب کی میت کو بلند کیا اور اس سے باتیں کیں لوگوں نے کہا کہ کیا وہ سن رہا ہے آپ نے فرمایا: ہاں[1]۔

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۵۵

۵ ۔ قرآن کی آیتیں گزشتہ لوگوں کو سلام کہتی ہیں مثلاً ۔

"سلام علی نوح فی العالمین"[1] ، تمام عالمین کے درمیان نوحؑ پر سلام ہو (طول تاریخ میں تمام نسلوں امتوں کے درمیان)

"سلام علی ابراھیم"[2] ابراہیمؑ پر سلام ہو ۔

سلام علی موسیٰ وھارون"[3] موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو ۔

کیا یہ بے شمار آیتیں جن میں مرنے والوں پر سلام و درود بھیجا گیا ہے روح کی بقا کی دلیل نہیں ہیں ؟ ان سب کے علاوہ بے شمار روایتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ ہمارے معصومینؑ قبرستان میں جاکر اہل قبور کو سلام کرتے تھے اور ان سے ہمکلام ہوتے تھے ان سے سوال کرتے تھے اور انھوں ہمیں بھی تاکید کی ہے کہ ہم بھی اہل قبور پر وہی سلام پڑھیں ۔ بہت سی روایتوں میں ہے کہ مردوں کی روحیں حتیٰ تشیع کرنے والوں کے قدم کی آوازیں سنتی ہیں ۔ اور کبھی کبھی اپنے گھر والوں کی طرف توجہ و عنایت رکھتی ہیں اپنے وارثوں کے گناہوں سے انھیں رنج ہوتا ہے وہ ان کی بھلائی کی منتظر رہتی ہیں گزشتہ تمام جملوں کے لئے متعدد روایات پائی جاتی ہیں جن سے بعض روایتیں المیزان کی پہلی جلد کے صـ۳۹۶ پر ذکر ہوئی ہیں اور ان تمام روایات کا ماحصل یہ ہے کہ مرنے اور جسم و بدن کے سڑنے گلنے سے روح ختم نہیں ہوتی بلکہ اسی طرح باقی باقی رہتی ہے[4] ۔

جی ہاں ! آیات و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جسم پر آنے والی آفتوں اور عوارض روح

---

[1] ۔ سورہ صافات / ۷۹ ۔
[2] ۔ سورہ صافات / ۱۰۹
[3] ۔ " " / ۱۲۰
[4] سچے خواب کہ جو مستقبل کی خبریں دیتے ہیں خود روح کے مجرد اور مستقل ہونے پر دلالت کرتے ہیں ۔

کو متاثر نہیں کرتے ۔ شاید اس سے زیادہ اس سلسلہ میں کچھ کہنا میری سادہ اور مختصر بیانی کی روش سے میل نہ کھائے لہٰذا جو تفصیلی بحث کے طالب ہوں انھیں بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اب ہم برزخ کی بحث شروع کر رہے ہیں ۔

عالم برزخ

اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہوتا ہے :

"ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون"[1] "اور ان کے پیچھے (روز حشر) مبعوث کئے جانے تک برزخ کا فاصلہ ہے ۔

عالم برزخ سے عالم قبر مراد ہے اور یہ وہ دنیا ہے کہ جس میں انسان قیامت تک ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرتا ہے، یہ حقیقت متعدد آیات اور بے شمار سنی اور شیعہ راویوں کی نقل کردہ روایات میں موجود ہے[2] ۔

برزخ زندگانی دنیا و آخرت کے درمیان کا عرصہ ہے یہ وہ دور ہے جو نیکوکاروں کے لئے قفس جسم سے رہائی کا زمانہ ہے اور گناہگاروں کے لئے بہت ہی زیادہ دہشت ناک اور پر اضطراب دور ہے ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :

" واللہ ما اخاف علیکم الا البرزخ و اما اذا صار الامر الینا فنحن اولیٰ بکم[3]"

خدا کی قسم میں تمہارے لئے برزخ کی تکلیفوں کے سوا کسی اور بات سے نہیں ڈرتا ہوں

---

[1] سورہ مومن / ۱۰۰ [2] ۔ تفسیر المیزان ج ۱۵ ص ۷۲

[3] ۔ تفسیر المیزان ج ۱۵ ص ۸۰

اس لئے روز قیامت میں تم سے زیادہ اولی اور مستحق ہوں وہاں میں تم لوگوں کی شفاعت کر سکتا ہوں

قرآن مجید میں دوسری آیات بھی برزخ کے حالات پر دلالت کرتی ہیں من جملہ سورہ مومن کی ۴۶ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "النار یعرضون علیها غدوا و عشیا و یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب"[1]

وہ (فرعون اور اس کے ہم نوا) ہر صبح و شام جہنم کے سامنے گزارے جاتے ہیں (یہاں تک یہ برزخ سے متعلق جملہ ہے اور قیامت کے عذاب کی طرف بعد والے جملے میں اشارہ ہے کہ) جب محشر برپا ہوگا تو کہا جائے گا کہ ان (فرعونیوں) کو شدید ترین عذاب میں مبتلا کر دو[2]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عالم برزخ میں صرف آگ سامنے لانے جانے کی بات ہے جبکہ روز قیامت آگ میں ڈال دیئے جانے کی نوبت ہے اس کے علاوہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا قیامت میں دائمی عذاب ہوگا اور آیہ کریمہ میں صبح و شام آگ کے سامنے لائے جانے کا جو تذکرہ ہے وہ برزخ کے عذاب سے مربوط ہے[3]

سورۂ نوح میں ارشاد ہوتا ہے: "اغرقوا فادخلوا نارا"[4] قوم نوح گناہوں کی کثرت کے سبب غرق ہوئی اور جہنم میں ڈال دی گئی۔ تفسیر المیزان میں علامہ طباطبائی مرحوم اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں آگ میں ڈالنے سے مراد وہی آگ ہے جو برزخ میں ہے[5]

اس آیت میں ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ ڈوبنے اور آگ میں ڈالنے کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے

۱۔ غافر/۴۶

۲۔ علامہ طباطبائی نے المیزان جلد ۱۰ ص ۳۵۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت صاف طور پر برزخ میں مجرموں کی حالت پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۸۵ ۴۔ نوح/۲۵ ۵۔ اگر آیت سے قیامت مراد ہے تو "ادخلوا"

جی ہاں! یہ بدن ڈوب جائیں گے اور پانی میں رہیں گے لیکن روح ایک دوسرے قالب میں آگ میں ہوگی بالکل اس انسان کے مثل جو اسی بدن کے ساتھ ایک وسیع دنیا میں سو رہا ہے لیکن خواب میں اس کو کسی تنگ جگہ فشار میں مبتلا کرتے ہیں۔

وہ آیات جو شہدائے راہ خدا کے بارے میں کہتی ہیں کہ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو گئے ان کو مردہ گمان نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں خوشیاں ان کا نصیب ہیں اور وہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، موت کے بعد کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں[1]۔

روایتوں میں ملتا ہے کہ گنا ہگار جیسے ہی برزخ کے عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے:

"ربنا لا تقم لنا الساعة" پروردگار میرے لئے قیامت کا محشر بپا نہ کر[2]

عالم برزخ کی زندگی

عالم برزخ ہماری دسترس سے باہر ہے اور جب تک وہاں پہنچ نہ جائیں اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کیا ہے موت کے بعد کے دنیا کو جاننے کے لئے ہمارے پاس ایک سالم ترین راہ آیات و روایات کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ تمام مسائل یہاں تک کہ تشبیہات میں بھی خود روایات کا سہارا لیں ہم مقدمہ کے طور پر ایک مختصر سی بات عرض کر کے اصل بحث شروع کرتے ہیں۔

ـــ "کو سید خلون"، اور فعل ماضی کو فعل مضارع کے معنی میں لیں ۔ المیزان ج ۲۰ ص ۱۰۹

[1]۔ بقرہ/۱۵۴ و آل عمران/ ۱۶۹

[2]۔ نور الثقلین جلد ۳ ص ۵۲۳ اور صافی ج ۳ ص ۴۸۸

انسان کے دو جسم ہیں سنگین (مادی) جسم اور سبک (مثالی) جسم۔ سنگین جسم عالم بیداری والا ہمارا یہی بدن ہے جس میں ہم زندگی گزارتے ہیں۔

سبک جسم وہ مثالی جسم ہے جس میں عالم خواب میں ہم ایک دوسرے سے ملاقات اور گفتگو کرتے ہیں۔

اس بدن کو ہم نے سبک جسم کیوں کہا ہے؟ اس لئے کہ کبھی دو منٹ کے خواب میں ہمارا جسم کرۂ زمین کے اس طرف سے اُس طرف تک چلا جاتا ہے سمندروں میں تیراکی کرتا ہے ہوا میں اپنے ان ہی مادی ہاتھوں سے اڑان بھرتا ہے۔۔۔ جبکہ بیداری کے عالم میں اگر اسی مسافت کو طے کرنا چاہے تو گھنٹوں جہاز سے سفر کرنا پڑے گا۔ اور ہرگز انسان اڑ نہیں سکتا بہت سے افراد ایسے ہیں جو تیرنا نہیں جانتے لیکن خواب کے عالم میں تیرتے ہیں اس بنیاد پر ہم اس بدن کو کیوں نہ سبک جسم کہیں کیوں کہ ایک سکنڈ میں ہزاروں کیلومیٹر کا راستہ طے کر لیتا ہے۔ اڑتا بھی ہے اور تیرتا بھی ہے، بہرحال جس طرح ہم بیداری کے عالم میں ایک جسم کے اور خواب کے عالم میں دوسرے جسم کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح دنیا میں ہم اس سنگین جسم کے ساتھ اور قبر یا عالم برزخ میں سبک جسم کے ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ میدان حشر گرم ہو اور مٹی گلی منتشر ہڈیوں سے دوبارہ ہمارا سنگین جسم وجود میں آئے بالکل خواب اور بیداری کی طرح سے۔

ایک قابل توجہ مثال

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ڈرائیور اپنی گاڑی سے اتر کر وقتی طور سے کسی دوسری گاڑی میں سوار ہو جاتا ہے لیکن اپنی گاڑی کا انجن بند نہیں کرتا۔ اس کی بتیاں جلتی رہتی ہیں۔ عالم خواب میں بھی اس جسم کی اصل ڈرائیور یعنی روح اس سنگین جسم سے جو یہاں راحت کر رہا ہے نکل کر

دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے اور کچھ امور بھی انجام دیتی ہے لیکن انسان کا قلب جو گاڑی کے انجن کی منزل میں ہے کام کرتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی ڈرائیور اپنی گاڑی کے انجن کو بند کر دیتا ہے اور باہر نکل کر دوسری گاڑی میں سوار ہو جاتا ہے جی ہاں! یہی موت کی کیفیت ہے کہ اصل ڈرائیور (روح) جسم سے نکل جاتی ہے اور تمام انجن اور بتیاں (قلب، پھیپھڑے، معدے وغیرہ) کو بھی بند کر دیتا ہے جی ہاں سونے میں بھی اور موت میں بھی ہماری روح اس بدن سے ہجرت کر جاتی ہے لیکن سونے میں انجن روشن چھوڑ کر جاتی ہے اور پھر بعد میں پلٹ آتی ہے لیکن موت میں انجن کو بند کر کے چلی جاتی ہے واپس نہیں آتی (سوائے اس کے کہ خدا قیامت میں اس جسم کو دوبارہ بنائے اور اس میں روح پلٹا دے)۔

اس بنا پر عالم برزخ کی زندگی عالم خواب کی زندگی کی مانند ہے جس طرح ہم بیداری میں خوشی و غم اور لذت و تکلیف محسوس کرتے ہیں اسی طرح خواب کے عالم میں بھی ان چیزوں کو محسوس کرتے ہیں انسان برزخ میں ایک لطیف اور سبک بدن، جیسا کہ متعدد روایات میں ہے[1]۔ انسان دنیاوی بدن کی مانند ایک بدن (یعنی مثالی قالب) میں رہتا چنانچہ اگر وہ مطیع و فرمانبردار تھا تو مادی و روحانی لذتوں سے بہرہ مند رہتا ہے اور اگر گناہگار تھا تو طرح طرح کے عذاب کے مزے چکھتا ہے۔

بہتر ہے کہ ہم یہاں وہی تعبیریں کہ جن کا تذکرہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات میں ہے نقل کر دیں برزخ کی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں "فی صورۃ کصورتہ"[2] یعنی برزخ میں زندگی اسی دنیاوی جسم کی طرح کے جسم میں ہے، یہ بات ذہن میں رہے وہ جسم کہ جو خواب کے عالم میں ادھر اُدھر جاتا ہے بالکل اسی جسم کی طرح ہوتا ہے کہ جو یہاں سو رہا ہے۔

۱ے۔ بحار الانوار ج ۶ ص

۲ے۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۴۴

یعنی سبک جسم بھی بالکل سنگین جسم کی طرح کا ہے دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: فی قالب کقالبہ فی الدنیا[۱] "برزخ میں انسان اپنے اسی دنیاوی پیکر کی مانند پیکر میں رہے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے: "کھیئۃ الاجساد[۲]" عالم برزخ میں اسی دنیاوی جسم کی طرح کا جسم ہوگا جسے اصطلاح میں "مثالی قالب" کہتے ہیں۔

اس بنا پر قبر اور برزخ کی منزل میں ہر طرح کا عذاب و فشار خوشیاں اور لذتیں سب کچھ اسی مثالی قالب یا سبک جسم کو محسوس ہوں گی لہٰذا اگر کسی مردے کو جلا کر راکھ کر ڈالا اور اسے فضا میں منتشر کر دیا اور اس کی قبر کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے یا کسی انسان کو کوئی درندہ چیر پھاڑ کر کھا جائے یا کسی مردے کو امواج دریا کے سپرد کر دیا گیا ہو پھر بھی اسے قبر کے فشار اور عذاب اور رنج ولذت سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ عذاب ولذت روح سے مربوط ہے اور وہ بھی سبک و لطیف جسم کے ساتھ آپ اس سنگین بدن کے ساتھ جو جی چاہے کریں اس کا لطیف اور سبک بدن سے کچھ مطلب نہ ہوگا۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بحار الانوار کی چھٹی جلد کے صفحہ ۲۷۱ پر تحریر فرمایا ہے: برزخ میں سبک اور مثالی قالب کا ہونا بے شمار معتبر روایتوں میں ذکر ہوا ہے۔

جی ہاں! اگر آپ اس سوتے ہوئے سنگین جسم کے لئے نہایت ہی نرم و گداز آرام دہ بستر کا اہتمام کریں، بہت ممکن ہے سونے والا شخص خواب میں شدید عذاب میں گرفتار ہو اور آپ اپنے سامنے موجود آرام سے لیٹے ہوئے جسم کے بارے میں خیال کر رہے ہوں کے کہ یہ بہت آرام میں ہے میں ایک بار پھر یہ بات دہراتا ہوں کہ یہ تمام مثالیں اور تشبیہیں جو روایات کی روشنی میں بیان ہوئی ہیں عالم برزخ کے متعلق ہیں قیامت کا حساب و کتاب برزخ سے بالکل جدا ہے وہاں ہم

---

۱ و ۲ ۔ کافی جلد ۳ ص ۲۴۵

اسی سڑی گلی، بوسیدہ اور منتشر ہڈیوں والے سنگین بدن کے ساتھ محشور ہوں گے۔

قبر میں سوال

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: من انکر ثلاثۃ اشیاء فلیس من شیعتنا المعراج والمسألۃ فی القبر والشفاعۃ [۱] جو شخص تین چیزوں کا انکار کر دے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے ایک معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے قبر میں سوال کا مسئلہ اور تیسرے قیامت میں اولیائے خدا کی شفاعت۔

علامہ طباطبائی مرحوم نے اپنی کتاب "شیعہ در اسلام" میں ایک نہایت عمدہ مثال دی ہے آپ فرماتے ہیں: برزخ میں انسان کی زندگی کا حال اس انسان کی طرح ہے جس کو اس سے سرزد ہونے والے عمل کے سبب کسی عدالت میں طلب کیا جائے، سوال و جواب اور چھان بین کے بعد ان کی فائل تکمیل کا مرحلہ طے کرے اور اس درمیان وہ شخص عدالتی کارروائی کے انتظار میں حراست کی زندگی گزار رہا ہو۔

قبر میں کیا سوال ہوگا؟

امام زین العابدین علیہ السلام ہر جمعہ کو مسجد النبی میں لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اپنے بیانات کے دوران آپ موقع موقع سے ان چیزوں کو بتاتے ہوئے جس کے بارے

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۳

میں قبر میں سوال ہوگا اس کی طرف سے لوگوں کو آگاہ و خبردار کرتے تھے۔ بحار الانوار کی چھٹی جلد میں یہ حدیث ذکر ہوئی ہے ہم یہاں اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ ضمناً یہ خیال رہے کہ برزخ میں عقائد کے کلی مسائل پوچھے جائیں گے۔

۱۔ قبر میں دونوں فرشتوں (منکر و نکیر) کا پہلا سوال یہ ہوگا کہ خدائے وحدہ لاشریک کے ماننے والے ہو یا مشرک؟

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین و مذہب اور کتاب کے بارے میں سوال کریں گے

۳۔ ولی اور رہبر کے بارے میں پوچھا جائے گا کس کو اپنا رہبر مانا اور کس کو چھوڑا؟

۴۔ عمر کے بارے میں سوال ہوگا کس راہ میں صرف کی؟

۵۔ مال و دولت کے بارے میں سوال ہوگا کس راستے سے جمع کیا؟ اور کہاں خرچ کیا؟

اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ اپنے کو قبر کی پہلی شب کے لئے تیار کر لو[۱]۔

۶۔ دوسری روایات میں ہے کہ مذکورہ سوالات کے ساتھ دوستوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ تم کس کو دوست رکھتے تھے؟[۲]

کس سے سوال ہوگا

بعض روایات میں ملتا ہے کہ قبر میں صرف ان لوگوں سے سوال ہوگا کہ جو ایمان کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوں یا پھر کفر کی پست درجہ میں ہوں یہی وہ لوگ جو واقعی مومن

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۳

۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۷۵ اور ص ۲۶۱ کافی سے جو متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔

یا واقعی کافر ہیں لیکن عام درمیانی سطح والے برزخ میں آزاد رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آپہنچے [1]

بعض روایتوں میں ہے کہ عالم برزخ میں عقائد کی دلیلیں اور بنیادیں بھی معلوم کرتے ہیں کہ آیا عقیدہ استدلالی تھا یا تقلیدی [2]؟

سوال کے بعد کیا ہوگا

متعدد روایتوں میں ہے کہ سوال وجواب کے بعد نیک افراد سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ یہ ایک ایسی نیند ہوگی کہ جس میں وحشت ناک خواب بھی دکھائی نہ دیں گے [3]۔ ایک ایسی نیند جس میں طرح طرح کی کامیابیاں دیکھے گا [4]۔

جی ہاں! روایات میں مختلف تعبیریں استعمال ہوئی ہیں اور ان سب کا لب لباب "شیریں خواب" ہے۔

قبر میں عذاب یا لذت

قرآن مجید میں ہے: فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم وامّا ان کان من المکذبین الضالّین فنزل من حمیم

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۵
۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۶۳
۳۔ " " " ص ۲۳۶
۴۔ " " " ص ۲۶۲

وتصلیۃ جحیم[1]، پس اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آسائش، خوشبودار گل اور نعمتوں سے مملو باغات ہوں گے ... اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی اور جہنم میں جھونک دیئے جانے کی منزل ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا[2]: کہ اگر کوئی شخص دنیا سے جاتا ہے اور وہ دنیا کے مقرب بندوں میں ہے تو وہ خدا کی رحمت و وسعت اور آرام (فروح) اور رزق (وریحان)[3] میں بسر کرتا ہے یہ دو باتیں برزخ سے مربوط ہیں لیکن قیامت کی مہمان نوازی کا ذکر بعد کے ٹکڑے میں ہے "وجنت نعیم" اس کے لئے جنت نعیم ہے، اسی طرح اگر دنیا سے جانے والا ایسا پکا کافر ہو جو ہر حقیقت کو جھٹلاتا رہا ہو تو برزخ میں اس کی مہمان نوازی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی "فنزل من حمیم" اور قیامت میں واصل جہنم ہوگا۔ "وتصلیۃ جحیم[4]"

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ایک خط میں تحریر فرمایا ہے: والقبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار[5]۔ قبر آب و درخت سے معمور جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا پھر جہنم کے خطرناک گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

برزخ کے ساتھی

روایتوں میں ملتا ہے کہ انسان کے بعض اعمال جیسے نماز و زکات حج و روزہ اور اسی

۱۔ سورہ واقعہ/۸۹
۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۱۷
۳۔ المیزان/ج ۱۹ ص ۱۵۸
۴۔ المیزان ج ۱۹ ص ۱۵۹
۵۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۱۸۔

طرح قلبی لگاؤ اور سیاسی رابطے (ولایت و رہبری کے سلسلے) حسین وجمیل شکل میں انسان کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم تمھارے وہی نیک اعمال ہیں" اور اس طرح عالم برزخ میں وہ انسان کو خوشحال کرتے ہیں[1] لیکن اگر کافر مرتا ہے تو برزخ میں طرح طرح کی تاریکیاں، فشار قبر، شیطانوں کے ٹولے اور کیڑے مکوڑے اس کے ساتھ ہوتے ہیں[2]۔

بشارتیں

بعض روایتوں میں ملتا ہے برزخ میں مومن کو جنت میں اس کا مقام دکھاتے ہیں اور اس کے ذریعے اس کو شاد کرتے ہیں[3]

عذاب وثواب قبر

علامہ مجلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بحار الانوار کی چھٹی جلد میں ۱۲۸ حدیثیں نقل کرنے کے بعد نہایت ہی اچھے انداز میں ان مطالب کو جمع کیا ہے اور اس کے ضمن میں فرمایا ہے پوری ملت اسلامیہ برزخ میں عذاب وثواب پر متفق ہے شیعہ وسنی دونوں کے یہاں بے شمار روایتیں اس سلسلہ میں (متواتر مضمون کے ساتھ) وارد ہوئی ہیں اور اس کے بعد خواجہ نصیر الدین طوسی رح، علامہ حلی رح اور شیخ مفید علیہم الرحمۃ کے نظریات قبر میں عذاب وثواب کے حتمی ویقینی

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۴ ۔ ۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۴

۳۔ " " " ص ۲۳۷ حدیث نمبر ۵۶ کے ذیل میں ۔

جاننے کے سلسلے میں نقل فرمائے ہیں۔

کیا اہل برزخ کے حالات قابل حس ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خدا جو درخت کے وجود میں آگ کو پنہاں رکھتا ہے وہ عالم برزخ میں عذاب قبر کو بھی ہماری نگاہوں سے مخفی و پنہاں رکھ سکتا ہے۔
وہ خدا جو جبرئیل کو رسول اسلام کے پاس بھیجتا ہے اور لوگوں کی چشم بینا انھیں نہیں دیکھ پاتی، وہ دو فرشتے قبر میں بھی سوال و جواب کے لئے اس طرح بھیج سکتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں انھیں نہ دیکھ سکیں، انسان کس طرح خواب میں تکلیف اٹھاتا ہے، سانپ بچھو اس کو ڈستے ہیں وہ چیختا چلاتا ہے پھر بھی ہم کو اس کے گرد نہ کوئی سانپ دکھائی دیتا ہے اور نہ بچھو بظاہر وہ آرام سے لیٹا ہوتا ہے اس طرح برزخ میں گزرنے والے امور ہماری مادی آنکھوں سے پنہاں رہتے ہیں خلاصہ یہ کہ قبر میں عذاب و ثواب کا مسئلہ محال نہیں ہے اور ہر ممکنہ مسئلہ جس کی کوئی سچ بولنے والا (صادق) تصدیق کر دے ہمیں قبول کر لینا چاہئے، چہ جائیکہ کہنے والا خالق کائنات اور انبیاء و مرسلین و ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں اور وہ بھی جبکہ موضوع سخن دوسری دنیا کی باتیں ہوں۔

برزخ میں عذاب کے اسباب

۱۔ حدیث میں ہے کہ بعض اچھے لوگ بھی برزخ میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جیسے ہی فرشتے ان کو تازیانہ مارنا چاہتے ہیں یہ منت و سماجت شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک

تازیانہ پڑھا تا ہے اور وہ کہتے ہیں یہ تازیانہ اس لئے مارا ہے کہ تو نے نماز کو سبک سمجھا، بغیر وضو کے نماز پڑھی اور اسی طرح ایک کمزور اور ضعیف کے پاس سے گزر گیا اور اس کی مدد نہ کی اور مختصر یہ کہ نالہ و فریاد کے بعد ایک تازیانہ ایسا مارتے ہیں کہ اس کے مارتے ہی اس کی قبر شعلوں میں گھر جاتی ہے[1]۔

۲۔ ایک حدیث میں ملتا ہے کہ ایک تہائی (⅓) عذاب قبر غیبت کی وجہ سے ہے[2]

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عذاب قبر چغل خوری اور پیشاب کی چھینٹ سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوگا (مراد وہ لوگ ہیں جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں اور اس کی چھینٹ سے اجتناب نہیں کرتے)۔

۴۔ وہ لوگ کہ جو اپنی زوجہ سے دوری اختیار کرتے ہیں اور اس کی فطری خواہشات کو پوری نہیں کرتے[3]

ایک سبق آموز واقعہ

سعد ابن معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی تھے جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کے مرنے کی خبر رسول اکرم ص کو ملی حضرت فوراً اپنے تمام اصحاب کے ساتھ بیرونی لباس (عبا اور جوتیاں وغیرہ) پہنے بغیر ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے آپ نے غسل کا حکم دیا اور کھڑے رہے یہاں تک کہ غسل مکمل ہو گیا، آپ نے سعد کے جنازہ کو کاندھا دیا

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۱ ۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۴۵

۳۔ " " " " ص ۲۲۲

یہاں تک کہ قبرستان پہنچ گئے آپ نے خود سعد کو قبر میں اتارا اور دوسرے اصحاب کی مدد سے اینٹ اور گارے سے لحد ڈھانپی اس کے بعد مٹی دی یہاں تک کہ قبر تیار ہوگئی ان کے دفن کے وقت رسول اکرمؐ کے جملوں میں سے ایک جملہ یہ بھی تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ ان کا بدن دکفن ہٹر گل جائے گا لیکن خدا کو یہی پسند ہے کہ انسان جو کام بھی انجام دے محکم انداز سے صحیح طور پر انجام دے سہل انگاری سے کام نہ لے لہٰذا میں لحد کو مضبوط بنا رہا ہوں۔

اب ہم اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں: سعد کی ماں نے جب اپنے بیٹے کے ساتھ رسول اللہؐ کی یہ محبت و شفقت تشییع جنازہ اور دفن میں شرکت دیکھی تو کہا اے میرے لال تجھے جنّت مبارک ہو" اس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا: اے مادر سعد اجلدی نہ کرو اور اس کے لئے جنت کو قطعی و یقینی نہ جانو (اس لئے کہ سعد جیسی باعظمت شخصیتیں بھی کہ جن کا معنوی مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جب میں نے دیکھا کہ ملائکہ سر و پا برہنہ تشییع جنازہ میں شریک ہیں میں بھی سر و پا برہنہ تشییع میں آگیا جی ہاں! اللہ کے ایسے بندے بھی کبھی کبھی کسی معمولی کمزوری کی وجہ سے مورد تنبیہ قرار پاتے ہیں) تمہارا بیٹا سعد بھی اپنی زوجہ سے بداخلاقی کے سبب فشار قبر میں گرفتار ہے۔[۱]

اس حدیث شریف میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ عالم ہستی کی سب سے عظیم شخصیت تشییع جنازہ میں شریک ہوئی۔

۲۔ وفات مومن کے احترام میں ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں اور تشییع جنازہ میں شرکت کرتے ہیں۔

---

[۱]۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۰

۳۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ کام اگرچہ وہ مردوں کو دفن ہی کرنا کیوں نہ ہو صحیح اور محکم طور پر انجام دو۔

۴۔ ماں اسلامی تربیت کے زیر سایہ اس قدر بلند اور حاذق ہے کہ وہ صرف فکری اور ایمانی مسائل کو معیار بنا لیتی ہے حتیٰ بیٹے کی موت بھی اس نے جو راہ اختیار کی ہے اس پر اثر نہیں ڈالتی بلکہ وہ اس کی قبر پر کھڑی ہو کر اسے جنت کی مبارک باد پیش کرتی ہے۔

۵۔ بہت جلدی کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

۶۔ اسلامی تہذیب و ثقافت میں ایک ایسا گہرا اور مضمر رابطہ موجود ہے کہ دنیا میں اپنی زوجہ یا اہل خاندان کو تکلیف پہنچانا۔ عالم برزخ میں انسان کی پریشانی یا فشار قبر اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

۷۔ گھر میں مرد کا با اخلاق رہنا اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ بد اخلاقی کی سزا کو فرشتوں کا نزول اور رسولؐ کی نظر توجہ بھی کم نہیں کر سکتی۔

۸۔ یہ حدیث شریف اولیاء اللہ کو آگاہ کر رہی ہے کہ خبردار اللہ و رسولؐ اور لوگوں کے پسندیدہ امور و اعمال انجام دے کر مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ ہر لحظہ اس بات کا خیال رہے کہ ممکن ہے ہماری نشست و برخاست میں کوئی معمولی سا ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ بڑے سے بڑے نیک اعمال بھی ہم کو ہلاکت سے نہ بچا سکیں۔

بعض مومنوں پر برزخ میں عذاب کیوں؟

یہ اس لئے ہے کہ قیامت میں پاک و پاکیزہ اور ہر قسم کی سزا سے محفوظ رہ کر جنت

میں جاسکیں اس ذیل میں یہ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ضغطہ القبر للمؤمن کفارۃ لما کان منہ من تضییع النعم[1]"۔

پیغمبر السلام فرماتے ہیں: فشار قبر مومنوں کے لئے اللہ کی نعمتوں میں اسراف اور ضائع کرنے کے گناہ کا کفارہ ہے"۔

برزخ میں فلاح وسعادت کے اسباب

قرآن کا ارشاد ہے: وہ لوگ کہ جو راہ خدا میں شہید ہو گئے انھیں مردہ گمان نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں[2]"

اس بنا پر عالم برزخ فلاح وسعادت کا ایک سبب "راہ خدا میں شہادت" ہے البتہ یہ جزا صرف میدان جنگ میں شہید ہونے والوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس لئے کہ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ان میت منکم علی ھذا الامر شھید قلت وان مات علی فراشہ؟ قال وان مات علی فراشہ حتی عند ربہ یرزق[3]"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم میں سے جو بھی اس امر یعنی (راہ معصوم پر) چلتے ہوئے اس دنیا سے جائے شہید کی منزل میں ہے، پوچھا گیا "اگر بستر پر اس کو موت آئے؟" امام نے فرمایا: ہاں! اگر اسے بستر پر موت آئے تو بھی وہ شہید اور زندہ ہے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۱

[2] آل عمران / ۱۶۹

[3] " " " ص ۲۴۵

اور نزد خدا برزخ کے رزق سے کامراں رہے گا اس بنا پر امام معصوم ؑ کی راہ پر گامزن رہنا اور تلخ و شیریں حوادث سے دھوکہ نہ کھانا اسی طرح کلی و جزئی منحرف راہوں کے مقابل جو ہمیشہ چھوٹے بڑے شیاطین کی طرف سے لوگوں کے لئے ہموار ہوتی ہے، استقامت کا مظاہرہ کرنا بھی شہادت کی ایک قسم ہے اس لئے کہ شہید ہدف کی بقا کی خاطر جان دیتا ہے اور اس نے بھی ہدف پر قائم رہ کر جان دی ہے۔

من قوّیٰ مسکیناً فی دینہ ضعیفاً فی معرفتہ علیٰ ناصب مخالف فافحمہ لقنہ اللہ یوم یدلیٰ فی قبرہ ۔ ۔ ۔ یتحوّل علیہ قبرہ انزہ ریاض الجنۃ[۱]

جو فکری اعتبار سے کمزور افراد کی مدد کرے اور اس کو ہمارے مخالفوں کے خلاف بیان و استدلال کے اسلحے سے لیس کرے اس برزخ میں اللہ کا خاص لطف و کرم ہوگا اور وہ لطف ان ہی معارف حقہ کی تلقین ہے جی ہاں ! اگر اس نے زندگی میں ان کو ان کو استدلال کے طریقے تلقین کئے ہیں تو خداوند عالم اس کو خطرناک ترین اور مشکل ترین مراحل میں عقائد حقہ تلقین کرتا ہے، "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"[۲] آیا احسانوں کا بدلہ اس طرح کے احسان کے علاوہ کچھ اور ہو سکتا ہے ؟ ۔

اس کے علاوہ پروردگا عالم اس کی قبر کو بہشت کے باغات میں تبدیل کر دے گا (البتہ ہم نے یہاں حدیث کا بس بعض حصہ نقل اور ترجمہ کیا ہے)

۳۔ بعض روایات کے مطابق خداوند عالم شب جمعہ کے احترام میں چونکہ یہ مبارک ایام ہیں، لطف الٰہی ان شب و روز میں مرنے والے کے شامل حال ہوتا ہے اور عذاب قبر

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۸ ۔ ۲۔ سورہ رحمٰن /۶۰

اس پر سے اٹھالیا جاتا ہے[1]۔

۴۔ دوسری حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: من اتم رکوعہ لم یدخلہ وحشۃ القبر[2] جو شخص نماز میں صحیح طور سے قلبی توجہ کے ساتھ اطمینان سے رکوع بجا لائے خداوند عالم اس سے وحشت قبر اٹھا لیتا ہے۔

۵۔ روایتوں میں ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

حبی وحب اھل بیتی نافع فی سبعۃ مواطن اھوالھن عظیمۃ عند الوفاۃ وفی القبر وعند النشور وعند الکتاب وعند الحساب وعند المیزان وعند الصراط[3]"۔

میری اور میرے اہلبیت کی محبت سات بہت ہی سخت اور خطرناک منزلوں پر کارساز و نجات کا ذریعہ ہے۔

الف۔ موت اور قبض روح کے لئے ملک الموت کی آمد کے وقت۔

ب۔ قبر اور برزخ میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت۔

ج۔ قیامت میں دوبارہ مردے زندہ کئے جانے کے وقت۔

د۔ نامہ اعمال کھلنے اور ہاتھ میں دیئے جانے کے وقت۔

ھ۔ الٰہی عدالت میں حساب کے لئے حاضری کے وقت۔

و۔ الٰہی پیمانے اور میزان حق پر انسانی افکار و اعمال تولے جانے کے وقت۔

ز۔ دوزخ پر قائم پل صراط سے گزرتے وقت۔

۱۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۲۳ ۲۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۴۴

۳۔ " " " ص ۲۴۸

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہم پر صلوات بھیجنا قبر میں نورانیت کا سبب ہے۔[1]

۷۔ پیغمبر اسلام ہی کا ارشاد ہے: عورتوں کا تین گروہ قیامت میں عذاب سے محفوظ رہے گا اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ محشور ہوگا۔

- وہ عورت جو فقر و غربت میں بھی اپنے شوہر کے ساتھ بسر کر لے۔
- وہ عورت جو شوہر کی بد اخلاقی کے مقابلہ میں صبر و بردباری کا مظاہرہ کرے (البتہ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد کو بد اخلاقی سے پیش آنے کی چھوٹ مل گئی ہے کیونکہ دوسری روایتیں بد اخلاق مرد کی شدت سے تنبیہ کرتی ہیں)
- وہ عورت کہ جو اپنا مہر شوہر کو بخش دے (اور اس طرح اس کا بوجھ کم ہو جائے پھر اسے دوسرے وسائل فراہم کرنے کا موقع مل جائے)[2]

۸۔ روایتوں میں ہے کہ قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنے والے کو اللہ ایک اجر یہ بھی دیتا ہے کہ اس کو قبر کے عذاب اور فشار سے نجات مل جاتی ہے۔[3]

تحفے اور ایصال ثواب

عالم برزخ میں مُردے کی فلاح اور آرام کی زندگی کے عوامل واسباب میں سے ایک وہ تحفے بھی ہیں جو اسے دنیا سے بھیجے جاتے ہیں۔

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۹۴ ص ۷۱ [2] ۔ مواعظ العددیہ ص ۸۵ سو توجہ کی ضرورت

[3] ۔ کامل الزیارات ص ۱۴۳ حدیث ۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قبر میں مردہ اس انسان کی مانند ہے جو ڈوب رہا ہو اور ہر لمحہ کسی مدد کے پہنچنے کا منتظر ہو۔ کبھی ان کی کبھی اُن کی دعاؤں پر نظر جمی رہتی ہے جہاں کہیں کوئی شخص اس کے حق میں یا اس کی نجات کے لئے دعائے خیر یا استغفار کرتا ہے تو جیسے اس کو ساری دنیا دے دی جائے وہ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انّ ھدایا الاحیاء للاموات الدعاء والاستغفار[1]

مردوں کے لئے زندوں کے تحفے ان کے لئے دعائیں اور استغفار ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مردے کے لئے سخت ترین راتوں میں سے قبر کی پہلی رات ہے تم لوگ صدقہ کے ذریعہ اپنے مردوں پر رحم و کرم کر سکتے ہو اگر صدقہ دینے کے لئے تمھارے پاس مال و دولت نہ ہو تو کم سے کم دو رکعت نماز پڑھ کر اس کی روح کو ہدیہ کر دو[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا مردے کے لئے نماز پڑھی جا سکتی ہے آپؑ نے فرمایا: کبھی کبھی مردہ فشار قبر میں مبتلا ہوتا ہے تمھاری ہدیہ کی ہوئی نماز سے اسے آرام ہو جاتا ہے کہ تمھیں یہ سکون و آرام اس ہدیہ کی ہوئی نماز کے سبب ملا ہے جو تمھارے فلاں ایمانی بھائی نے ہدیہ کی ہے اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

"انّ المیت لیفرح بالترحم علیہ والاستغفار لہ کما یفرح الحی بالھدیۃ[3]"

جس طرح کہ زندہ افراد تحفہ و ہدیہ پاکر خوش ہو جاتے ہیں اسی طرح مردے بھی اپنے تئیں رحم و

۱۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۹۲ ۲۔ سفینۃ البحار صلواۃ

۳۔ " " " ۸ ص ۲۹۲

استغفار کی دعا کی وجہ سے شاد ہو جاتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے: جب بھی کوئی مسلمان کسی مردے کے لئے کار خیر انجام دیتا ہے تو اس سے مردہ کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور خود کار خیر کرنے والا بھی مورد لطف الٰہی قرار پاتا ہے[1]

سفینۃ البحار میں روایت ہے کہ اگر فرزند عوام کے لئے سڑک بنوا دے یا کسی یتیم کو کھانا کھلا دے تو اس کے باپ سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے[2]

۱۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۹۲

۲۔ یہ حدیث سفینۃ البحار کے "یتیم" و "طریق" و "ولد" تینوں مادوں میں آئی ہے

قبروں کی زیارت

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: "زوروا القبور تذکّر بها الآخرة"[۱] قبروں کی زیارت کرو تاکہ یاد آخرت تمھارے دلوں میں زندہ رہے۔

ایک دوسرے جملے میں فرماتے ہیں: "زوروا موتاکم فسلّموا علیهم فانّ لکم فیهم عبرة"[۲]، مُردوں کی زیارت کو جاؤ ان کو سلام کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم کو درس عبرت حاصل ہو

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: من زار قبر ابویه او احدهما فی کل جُمعة غفر له و کتب عند الله باراً[۳] "جو شخص ہر جمعہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک قبر کی زیارت کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور وہ اللہ کے نزدیک فرزند صالح بھی شمار ہوگا۔ والدین کی قبر پر دعائیں قبول ہوتی ہیں[۴]۔

---

۱ و ۲ و ۳۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۸۹ کے بعد   ۴۔ وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۸۷۸

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری قبر کی زیارت کرے قیامت میں اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہے[1]

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہفتہ میں ایک بار جناب حمزہ کے قبر کی زیارت کو اور ہر سنیچر تمام شہدا کے قبور کی زیارت کو جاتی تھیں ان کے لیے طلب رحمت اور گریہ و استغفار کرتی تھیں[2]

روایتوں میں ہے کہ مردے تم لوگوں کی زیارت سے آگاہ و خوش ہوتے ہیں اور تم لوگوں سے مانوس ہو جاتے ہیں[3]

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر مومن کی زیارت کے وقت سات مرتبہ "انا انزلنا" پڑھا جائے تو اللہ مردے کو اور اس کی زیارت کو آنے والے کو بخش دیتا ہے[4]۔

موت کے بعد نیکیاں

اسلامی روایتوں میں ملتا ہے: انسان مرنے کے بعد عالم برزخ میں کچھ امور جن کی بنیاد خود اس نے اپنی حیات میں رکھی ہے ان سے بہرہ مند ہو سکتا ہے منجملہ

۱۔ وہ فرزند صالح جو والدین کو یاد اور ان کے لئے استغفار کرتا رہے[5]۔

۲۔ قرآن یا کوئی کتاب جو وہ چھوڑ کر جائے اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھائیں[6]۔

۳۔ کنواں یا (ٹیوب ویل) بنوانا جس سے لوگ سیراب ہوں[7]۔

۱، ۲، ۳، ۴ ۔ محجۃ البیضاء ج ۸ ص ۲۸۹

۱، ۲، ۳ ۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۹۳ یہ تمام روایتیں ایک ساتھ ذکر ہوئی ہیں کتاب تسلیۃ الفواد میں بھی یہ حدیث ص ۱۲۴ پر نقل ہوئی ہے۔

۴۔ درخت جو وہ لگا کر گیا ہے اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں۔[۱]

۵۔ کسی راہ و روش نظام حکومت یا راہ خیر جو اس کے مرنے کے بعد لوگوں میں مورد قبول ہو اور لوگ اس راہ و روش اور نظام پر عمل پیرا ہوں۔[۲]

۶۔ وہ اعمال خیر جو میت کی نیابت میں انجام دیئے جائیں مثلاً اس کی نیابت میں[۳] حج، روزہ یا راہ خدا میں صدقہ دیں۔

۷۔ وہ مال جو انسان وقف کرتا ہے جب تک اس وقف سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے انسان کو برزخ میں اس کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔[۳]

جب صور پھونکا جائے گا

قیامت آنے سے پہلے تمام آسمان اور زمین والے مر جائیں گے اس حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون[۴]۔ "اور جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی تمام مخلوقات اس کی آواز سے مر جائیں گے سوائے اس کے کہ جس کو خدا بچانا چاہے[۵] اور کچھ مدت کے بعد (خدا ہی جانتا ہے کہ یہ مدت کتنی ہوگی) دوبارہ صور پھونکا

۱، ۲، ۳۔ ماخذ گزشتہ

۴۔ سورہ زمر / ۶۸

۵۔ یہاں استثناء سے کون لوگ مراد ہیں اس میں کئی نظریات ہیں علامہ طباطبائیؒ نے المیزان میں تمام نظریات کو نقل کرنے کے بعد بہت کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ صور پھونکے جانے کے بعد تمام بدن مردہ ہو جائیں گے۔

جائے گا لیکن لوگ یہ آواز سنتے ہی زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے نکل کر اپنے انجام کا انتظار کریں گے دو مرتبہ صور پھونکنے کا تذکرہ قرآن کے علاوہ شیعہ اور سنی دونوں طریقے سے نقل ہونے والی حدیثوں میں بھی ملتا ہے۔

البتہ وہ آیت جو کہتی ہے پہلا صور پھونکنے سے سب مر جائیں گے۔ اس مفہوم کی صرف یہی ایک آیت ہے اور دوبارہ صور پھونکنے سے سب زندہ ہو جائیں گے یہ مضمون اس سے زائد آیتوں میں موجود ہے۔

امام علیہ السلام سے پوچھا گیا ان دونوں صور کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ امام[۴] نے فرمایا کہ: اس کا علم خدا کو ہے۔

ہے۔ سوائے روحوں کے جو زندہ ہیں اور اس کی روایات کے ذریعہ دلیل دی ہے۔

نظامِ آفرینش درہم وبرہم ہو جائے گا

قرآن مجید میں دسیوں آیتیں ایسی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قیامت کے دن یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اس کی جگہ قیامت کے مناسب حال ایک نیا نظام آجائیگا ہم یہاں پر (اپنی عادت کے مطابق) وہ آیتیں جو ان حوادث کو بتاتی ہیں نقل کر کے ان کے ترجمہ اور ان آیات کی تفسیر میں جو روایات وارد ہوئی ہیں انھیں بھی ذکر یں گے۔

قرآن میں آسمانوں اور زمین کے لئے ایک مدت معین کر دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ماخلقنا السمٰوات والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمّیٰ"[1]

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کو برحق طور پر ایک مقرر مدت کے ساتھ پیدا کیا ہے،

۱۔ احقاف / ۳

اور وہی قیامت ہے۔ اس دن آسمان کی بساط سمیٹ دی جائے گی اور زمین میں بنیادی تبدیلیاں آئیں گی تنہا زمین و آسمان نہیں بلکہ چاند سورج اور تمام کرات سماوی، ان کا نظام یہ سب کچھ ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے بلکہ وہ سب اور ان کا نظام بھی وقتی اور ایک معین وقت کیلئے ہے اور جب وہ مدت ختم ہو جائے گی تو یہ بساط سمیٹ دی جائے گی [1]

اس بنا پر قرآن مجید نے پہلے ہی سے کلمہ "اجل مسمیٰ" کے ذریعہ یہ بات ہمارے کانوں میں ڈال دی ہے کہ یہ نظام وقتی ہے۔ اور وہ مدت وہی وقت ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی۔

ہم ایک ایک کرکے آسمان و زمین، ستارے اور دریا میں پیش آنے والے حادثات کو ذکر کریں گے اور جو کچھ قرآن سے سمجھے ہیں یہاں اسے بھی بیان کریں گے۔ خوش قسمتی سے اس نظام دنیا کے مستقبل کے سلسلہ میں جو علمی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں وہ بھی بڑی حد تک وحی کے نظریہ کی عکاسی کرتی ہے۔

آسمان کی حالت

قرآن مجید آسمانوں کے لئے فرماتا ہے: "سبعاً شداداً" [2] "ہم نے سات محکم آسمان تمھارے لئے بنائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "سبع سمٰوات طباقاً" [3] "ہم نے سات آسمان

۱۔ سورۂ لقمان/۲۹، سورہ فاطر/۱۳، سورہ زمر/۵ ان تینوں سوروں میں ایک ہی عبارت ہے "سخر الشمس والقمر کل یجری الی اجل مسمی"، ترجمہ

۲۔ سورۂ نباء/۱۲ ۳۔ سورہ نوح/۱۵

کو طبقوں کی صورت میں پیدا کیا۔

ایسے آسمان جو خدا کے دست قدرت کے ذریعہ ہر کجی، شگاف اور بے ترتیبی سے محفوظ ہیں" فسوّاھن[۱]"۔

ایسے آسمان جو ایک محفوظ چھت کی صورت میں پیدا کئے گئے ہیں۔" وجعلنا السّماء سقفاً محفوظاً[۲]"

...وہ آسمان جو حکم خدا سے قائم ہیں: ومن آیاتہ ان تقوم السّماء والارض بامرہ[۳]"

وہ آسمان جن میں شگاف نہیں ہے: ومالھا من فروج[۴]"

وہ آسمان جن کی تخلیق میں جدت واختراع ہے: بدیع السّمٰوات والارض[۵]"

خدا آسمان وزمین کا موجد ہے۔

یہ خدا ہی ہے جس نے آسمان کو نظر آنے والے کسی بھی ستون کے بغیر ازکنا قابل دید قدرت کے ذریعہ بنایا اور بچھایا ہے "... بغیر عمد ترونھا[۶]"

ایسے آسمان جن کو ستاروں کے قمقموں سے سجایا گیا ہے۔ انا زیّنا السّماء الدنیا بزینۃ الکواکب[۷]"

وہ آسمان جو خدا کی مخصوص حفاظت میں ہیں:" وحفظناھا من کل شیطان رجیم[۸]"

جی ہاں! ان صفات کے حامل آسمان قیامت کے ہنگام میں اپنی یہ تمام خصوصیات

۱۔ سورہ بقرہ/ ۲۹
۲۔ سورہ انبیاء/ ۳۲
۳۔ روم/ ۲۵
۴۔ سورہ ق/ ۶
۵۔ بقرہ/ ۱۱۷ وانعام/ ۱۰۱
۶۔ لقمان/ ۱۰ ورعد/ ۲
۷۔ صافات/ ۶
۸۔ حجر/ ۱۸

کھو بیٹھیں گے۔

مضبوطی اور استحکام کے بجائے بھس پھسے ہو جائیں گے فھی یومئذ واھیة[۱]،،

پائیدار و منسجم ہونے کے بجائے ان میں شگاف پڑ جائیں گے۔ اذ السماء انشقت[۲]،،

تمام خوبصورتیاں و زیبائیاں دھواں دھواں ہو جائیں گی۔ تاتی السماء بدخان[۳]۔

پانی سے سیراب کرنے کے بجائے وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیں گے۔" تکون السماء کالمھل[۴]،،

استقرار کے بجائے ان میں دراڑیں پڑ جائیں گی۔ واذا السماء فرجت[۵]

محکم و استوار ہونے کے بجائے اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے" واذا السماء کشطت[۶]،،

قرار و ثبات کے بجائے ان میں حرکت و زوال کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ تمور السماء مورا[۷]،،

وسعت و گستردگی کے بجائے ان کو تہ بہ تہ لپیٹ دیا جائے گا۔ نطوی السماء[۸]،،

چاند و سورج کی حالت

وہ سورج کہ جس میں نور و حرارت ہے: سراجا وھاجا[۹]،،

۱۔ سورہ حاقہ/۱۶ — ۲۔ انشقاق/۱

۳۔ دخان/۱۰ — ۴۔ معارج/۹

۵۔ مرسلات/۱۰ — ۶۔ تکویر/۱۱

۷۔ طور/۱۰ — ۸۔ انبیاء/۱۰۲ — ۹۔ نباء/۱۳

وہ سورج کہ جس کی اس کے نور کے ساتھ خدا نے قسم کھائی ہے: "والشمس وضحٰھا"[1]

وہ سورج اور چاند ایک مقرر کردہ حساب کے تحت گردش کرتے ہیں: "والشمس والقمر بحسبان"[2]

وہ سورج کہ جو اپنے مخصوص مدار میں مصروف گردش ہے: "والشمس تجری لمستقر لھا"[3]

وہ سورج و چاند کہ جس کے لئے بارہا قرآن نے فرمایا کہ ان کا نظام وقتی ہے دائمی نہیں ہے "کل یجری لاجل مسمّی"[4]

اب جبکہ وقت آپہنچا تو وہ نظام درہم برہم ہو گیا زمین و آسمان کی طرح چاند و سورج بھی منقلب ہو گئے اور وہ تمام مدار حساب و کتاب نور افشانیاں اور جوش و حرکت جس کے تحت وہ نور و حرارت پیدا ہوتی تھی سب کچھ ختم ہو گیا۔ اسی کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے: "اذا الشمس کوّرت"[5] جب سورج تاریک ہو جائے گا اور اس کا وسیع و نورانی دامن کپڑے کے تھان کی طرح تہ بہ تہ لپیٹ دیا جائے گا۔

اور وہ چاند بھی جو اپنی حرکت و نور میں سورج کا تابع ہے آسمان و سورج کی بساط سمٹ جانے کے بعد ایک لمحہ بھی ثبات کا مظاہرہ نہیں کر سکے گا لہٰذا اس کا نور بھی ختم ہو جائے گا۔ "وخسف القمر"[6]

اس نظام عالم کو اس طرح منظم کیا گیا ہے کہ کرات آسمانی میں اپنی حرکت کے دوران ٹکراؤ یا کھنچاؤ اور تناؤ نہیں پیدا ہوتا مثلاً سورج چاند سے نہیں ٹکرا سکتا "لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر" لیکن جب قیامت آئے گی تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا سورج اور چاند

۱۔ شمس / ۱ — ۲۔ رحمٰن / ۵

۳۔ یٰس / ۳۸ — ۴۔ فاطر / ۱۳ و لقمان / ۲۹ و رعد ۲

۵۔ تکویر / ۱ — ۶۔ قیامت / ۸

سب کے سب اپنے اصل مدار سے خارج ہو کر ایک جگہ پر جمع ہو جائیں گے۔
"جمع الشمس والقمر"[1]

ستاروں کی حالت

یہ ستارے جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: کلّ فی فلک یسبحون[2]" چاند سورج اور تمام کے تمام ستارے[3] اپنے مخصوص فلک اور مدار میں مصروف حرکت ہیں اس دن اپنے مدار سے باہر ہو جائیں گے اور جس طرح موتیوں کے ہار زنجیر کھینچ جانے کے بعد ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اسی طرح یہ بکھر جائیں گے" واذا الکواکب انتثرت[4]"، ہاں اسی دنیا میں جس قدر نظم و ترتیب تھی وہاں قیامت کے دن اتنی ہی بے نظمی و بے ترتیبی ہو جائے گی۔ اور اس دنیا میں جس قدر مزین و منور تھے۔ اناّ زینّا السماء الدنیا بمصابیح[5]" وہاں تاریکیوں میں ڈوب جائیں گے" واذا النجوم انکدرت[6]"۔

ہر چند کہ دنیا میں یہ ستارے تمہارے راہنما تھے خشکی اور دریاؤں میں ان کے ذریعہ تم راستوں کی سمت اور قبلہ کی جہت معلوم کیا کرتے تھے "ھوالذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البرّ والبحر[7]"

۱۔ یٰس/۳۹ ۲۔ قیامت/۹

۳۔ " " ۴۔ تفسیر المیزان ج ۱۰ ص ۹۴

۵۔ انفطار/۲ ۶۔ فصلت/۱۲

۷۔ تکویر/۴

قیامت میں ان کا نور چھن جائے گا۔ ان کی ہدایت کے آثار محو اور نابود ہو جائیں گے:
"فاذا النجوم طمست"[1]

زمین اور پہاڑوں کی حالت

یہ زمین جس میں گہوارے کی مانند آرام و سکون کی حرکت پائی جاتی ہے۔ اور بندوں کے لئے خدا کی عظیم نعمتوں میں ایک نعمت اس کا یہی آرام کے ساتھ حرکت کرنا ہے: "الم نجعل الارض مھادا"[2] جب قیامت برپا ہوگی تو اسی زمین کو ایسے جھٹکے لگیں گے جسے خداوند عالم نے بہت بڑا زلزلہ کہا ہے: "ان زلزلة الساعة شئ عظیم"[3] اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "اذا زلزلت الارض زلزالھا"[4] یعنی جب زمین کو وحشتناک جھٹکے لگیں گے۔

یہ زمین جس پر لوگ سکون و آرام سے چل پھر رہے ہیں اس کے خزانوں سے فائدے اٹھا رہے ہیں عمارتیں کھڑی کر رکھی ہیں اور کھیتیاں کر رہے ہیں، اور جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: زمین تمھارے لئے رام شدہ سواری کی طرح ہے کہ جس کی پشت پر تم سوار ہو۔ "جعل لکم الارض ذلولا"[5]

یہی زمین قیامت کے دن (کسی سرکش و بے لگام حیوان کی طرح) بے چین و بے قابو ہو جائے گی بلکہ اس میں ایسا اضطراب پیدا ہو جائے گا کہ نہ تنہا قابل استفادہ

۱۔ انعام/۹۷
۲۔ مرسلات/۸
۳۔ نبا/۶
۴۔ حج/۱
۵۔ ملک/۱۵

نہیں رہ جائے گی بلکہ اس پر بنی ہوئی تمام چیزیں تباہ و برباد ہو جائیں گی۔ یوم ترجف الارض[1] جس دن زمین کو شدید جھٹکے لگیں گے آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی "اذا دکت الارض دکاً دکاً[2]"۔

یہ زمین کہ جس کو طبیعی نعمتوں اور تمہاری دن رات کی انتھک کوششوں نے سجا اور بنا رکھا تھا: "انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا[3]" ہم نے زمین کو (نہروں، پیڑ پودوں، حیوانوں اور عمارتوں وغیرہ ... کے ذریعہ جو کچھ بھی اس پر ہے مزین کیا[4]۔ لیکن یہ تمام زینتیں ایک ہی جھٹکے میں تباہ و برباد ہو جائیں گی "واذا رجت الارض رجاً" جو امانت دفن کے وقت اپنی آغوش میں لیتی ہے ہنگام قیامت سب کچھ واپس کر دے گی اور باہر پھینک دے گی۔ "واخرجت الارض اثقالہا[5]"

یہ عجیب زمین ہے! ہم پوری زندگی اس کو ساکت اور بے شعور سمجھتے رہے لیکن یہی زمین قیامت کے کروڑوں سال کے حالات بیان کر دے گی اور وہ تمام حادثات و واقعات جو اس پر گزرے ہیں بعینہ نقل کر دے گی۔ اور انسانوں کے گزرے ہوئے دنوں کی گواہ بن جائے گی۔

جی ہاں! (ارادۂ خدا سے حضرت موسیٰ کے بے جان عصا میں جان پڑ جانے اور اژدہے کی صورت اختیار کر لینے کے بعد جمادات کے جاندار ہونے کا مسئلہ محال و ناممکن نہیں رہ گیا ہے چنانچہ قیامت میں (پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے اور اس کے بعد ریت اور

۱۔ معارج/۱۲ — ۲۔ فجر/ ۲۳

۳۔ کہف/ ۷ — ۴۔ مجمع البیان ج ۶ صفحہ ۴۵

۵۔ واقعہ/۵

۶۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: سب سے بہترین نظریہ یہ ہے کہ اثقال سے مراد دفن شدہ انسان ہیں۔

نرم ردئی کی صورت میں تبدیل کر دینے کی وجہ سے) زمین سطح دبرابر ہو جائے گی اور یہاں سے وہاں تک پورا کرۂ ارض سامنے نظر آئے گا اور کوئی بھی فصیل دیوار اور رکاوٹ اس کے ایک حصّہ کو دوسرے حصّے سے جدا نہیں کر سکے گی : "وتری الارض بارزۃ"[1] جب پہاڑ ختم ہو جائیں گے تو لامحالہ زمین وسیع اور دراز ہو جائے گی "واذا الارض مدت"[2]۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے : اس روز زمین شگافتہ ہو جائے گی اور اس کے اندر سے انسانوں کو باہر نکالا جائے گا "یوم تشقق الارض"[3] جس طرح آج دنیا میں پیڑ پودے اور دانے زمین کا سینہ چیر کر باہر نکل آتے ہیں (اسی طرح) قیامت میں انسان زمین سے نکل کر دوڑتے ہوئے عدالت الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ اس دن کی زمین میں اور آج کی زمین میں (بہت زیادہ) فرق ہوگا زمین بنیادی طور پر بالکل بدل جائے گی :

"یوم تبدل الارض غیر الارض"[4]

پہاڑوں کی حالت

قرآن مجید نے چند آیتوں میں پہاڑوں کی حالت بھی بیان فرمائی ہے۔ اس کے مطابق پہاڑ شدید زلزلہ کے سبب اپنی جگہ چھوڑ دیں گے "واذا الجبال نسفت"[5] اور حرکت میں آجائیں گے "وسیرت الجبال"[6] آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

۱۔ کہف / ۴۷ — ۲۔ انشقاق / ۳

۳۔ ق / ۴۴ — ۴۔ ابراہیم / ۴۸

۵۔ مرسلات / ۱۰ — ۶۔ نبا / ۲۱

"فدکتا دکۃ واحدۃ[1]"، اور اس کے بعد یہ ٹکڑے آپس میں ٹکرا کر خاک کی صورت میں بکھر جائیں گے "فکانت ھباء منبثا[2]"، اس وقت یہ بالو اور ریت سے بھی زیادہ نرم دھنی ہوئی روئی کے مانند ہو جائیں گے" تکون الجبال کالعھن[3]"

خلاصہ یہ کہ پہاڑ کی وہ تمام بلندی، بزرگی اور سنگینی اس طرح ختم ہو جائے گی گویا یہاں تھا ہی نہیں کسی سراب کی طرح "فکانت سرابا[4]"

اب جبکہ زمین و آسمان چاند سورج، زمینی و آسمانی کروں اور پہاڑوں کی بربادی اور تباہی کے سلسلہ میں ہم نے آیت پیش کر دی اور تفسیر "المیزان" کی روشنی میں ان کے مختصر اور سادہ الفاظ میں ترجمے بھی ذکر کر دیئے تو اب ہم کو اپنے حالات پر ایک نگاہ ڈالنا چاہئے کہ اس دن ہمارا کیا حشر ہوگا؟ ہم کو وہاں کیوں لایا جائے گا؟ ہم کیا کریں گے؟ اور کیا جواب دیں گے؟ کیا نالہ و فریاد، توسل و فریاد، پشیمانی و عذر خواہی گریہ و زاری کوئی بھی چیز ہم کو فائدہ پہنچا سکے گی میں نے تو ابھی خود کو وہاں جانے کے لئے آمادہ نہیں کیا ہے بہر حال دیر یا سویر سب کو اس عدالت الٰہیہ میں حاضر ہونا ہے۔

قارئین محترم! قرآن کا ارشاد ہے: لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ قیامت کو ابھی بہت دن ہیں جبکہ قیامت بہت نزدیک ہے: "انھم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا[5]"، کیا حدیث میں نہیں پڑھا کہ انسان جیسے ہی مرتا ہے اس کی "قیامت" شروع ہو جاتی ہے کیا ایسا نہیں ہے کہ برزخ و قبر میدان قیامت میں ورود کا دروازہ ہیں کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم میں اور اس دروازہ میں محض ایک سانس کا فاصلہ ہے۔

1۔ سورہ الحاقہ/ ۱۴ — 2۔ واقعہ/ ۶

3۔ معارج/ ۱۰ — 4۔ نبا/ ۲۱ — 5۔ معارج/ ۷

کیا معاد جسمانی ہے؟

بعض گروہ یہ خیال کرتے ہیں کہ "معاد" محض روحانی جنبہ رکھتی ہے یعنی انسان مرنے کے بعد اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو اچھے اور برے اعمال کی جزا اور سزا روحانی لذّتوں یا تکلیفوں کے طور پر ملے گی۔ جی ہاں! اس فکر کے مقابل قرآن کا عقیدہ و نظریہ "جو مختلف مقامات پر دسیوں آیات قرآنی سے ظاہر ہے" یہ ہے کہ معاد جسمانی ہے یعنی یہی بوسیدہ ہڈیاں ان ہی قبروں سے نکالی جائیں گی۔

قرآن مجید میں تین مقامات پر اس بات کا تذکرہ ہے کہ قیامت کے دن "احداث" سے (جو قبروں کے معنی میں ہے) مردے زندہ ہو کر نکلیں گے۔[۱]

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ لوگ قیامت میں کہیں گے کہ کس نے ہم کو ہمارے مرقدوں

۱۔ "یخرجون من الاجداث"، سورہ معارج /۴۳/ و سورہ قمر /۷ و سورہ یٰس /۵۱

سے اٹھا دیا (مرقد کے معنی خوابگاہ اور قبر کے ہیں[۱])

سورۂ حج میں ارشاد ہوتا ہے: ان اللہ یبعث من فی القبور[۲] "بے شک اللہ لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھائے گا" سورہ زلزال میں بھی ہے کہ زمین اپنے محمول و وزن کو (اس میں مردے بھی شامل ہیں) باہر پھینک دے گی "اخرجت الارض اثقالھا[۳]"

سچ بتائیے کہ اگر معاد' روحانی جزا و سزا سے ربط رکھتی جسم سے کوئی مطلب نہ ہوتا تو قرآن کیوں صاف صاف قبر، مرقد اجداث اور زمین کی گفتگو کرتا؟ روح قبر کے اندر تو ہے نہیں قبروں میں یہی بوسیدہ جسم ہیں جو زندہ ہوتے وقت قبر سے دوبارہ نکلیں گے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر وہ تمام مثالیں اور تشبیہیں جو قرآن نے قیامت کے ممکن اور معمول کے مطابق ہونے کی سلسلے میں دی ہیں اور مادی دنیا سے معاد کے نمونے پیش کئے ہیں یہ سب کے سب جسمانی معاد سے تعلق رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں کفار جس چیز سے انکار اور شک و شبہ کا اظہار کیا کرتے تھے اور جس کو بعید تصور کیا کرتے تھے وہ روح کا زندہ ہونا نہیں ہے بلکہ انھیں سڑی گلی ہڈیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ہے وہ کہتے تھے: "ءاذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید[۴]" جب ہمارے جسم زیر خاک سڑ گل جائیں گے اور ہمارے ذرات بدن منتشر ہو جائیں گے تو کیا اس کے بعد بھی ہم دوبارہ زندہ ہوں گے؟

کبھی قرآن نے استدلال کے ذریعہ اور کبھی نمونے پیش کر کے ان لوگوں کو جواب دیا ہے۔ خلاصہ یہ قرآن کے نقطۂ نگاہ میں معاد جسمانی ہے یعنی ان ہی قبروں سے ہمارے بوسیدہ جسموں کو دوبارہ ٹھیک

۱۔ من بعثنا من مرقدنا "کس نے ہم کو ہماری خوابگاہ سے اٹھا دیا؟" سورہ یٰس / ۵۲

۲۔ حج / ۷ ۳۔ زلزال / ۲

۴۔ سجدہ / ۹

کر کے ہماری روح اس میں ڈال دی جائے گی اور ہم عدالت الٰہی میں حاضر ہوں گے چنانچہ جو لوگ روحانی معاد کے قائل ہیں نہ تنہا یہ کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کو چاہئے کہ وہ قرآن مجید کی ان سیکڑوں آیتوں کو جو وجود برزخ، جنت اعضا کی گواہی اور قیامت کے دن ان کی گفتگو کے بارے میں ہے ان سب کو اپنی اصل اور ظاہری راہ سے منحرف کردیں اور ان تمام آیتوں کے لئے ایک بے معنی دلیل اور خلاف قرآن توجیہ کریں۔

آکل و ماکول

کہتے ہیں کہ جب مرنے کے بعد ہمارا جسم مٹی میں مل گیا اور وہ مٹی نباتات کے ذریعہ پھلوں کی صورت اختیار کرگئی اور اس پھل کو دوسرے لوگوں نے کھالیا تو اب ہم چند واسطوں سے کچھ مدت گزر جانے کے بعد دوسروں کے جسم کا جزو بن گئے تو یہ آپس میں مخلوط و درہم و برہم اجزا قیامت میں کس طرح جدا ہوں گے؟

ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ہمارا پورا بدن مٹی ہو جائے اور اس کے بعد پھل کی صورت اختیار کرلے اور دوسرے لوگ اسے کھا بھی لیں پھر بھی اگر ایک خلیے کے برابر بھی ہمارا (جسم) باقی رہ جائے تو وہی کافی ہے کہ ہماری پوری شخصیت کا غماز ہو اور قیامت میں اسی ایک خلیے سے ہمارا جسم بن جائے کہ جس طرح ہم رحم مادر میں ایک خلیے سے ہی بنے ہیں۔

آپ درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ لے لیجئے اور قلم کرکے زمین میں لگا دیجئے تو شاخ کا وہی چھوٹا سا حصہ پورا درخت بن جائے گا۔ آپ بعض کیڑوں کے کئی ٹکڑے کردیجئے لیکن آپ دیکھیں گے کہ ہر ایک ٹکڑے میں الگ سے سر اور دم نکل آئی ہے اور مکمل کیڑا بن گیا ہے۔ ہم بھی جو کہ رحم مادر میں ایک خلیے سے ہی وجود میں آچکے ہیں قیامت میں ایک خلیے سے انسان کامل بن سکتے ہیں۔

ان تمام چیزوں سے قطع نظر آپ کیسے یہ مانتے ہیں کہ جب ایک کمزور و ناتواں انسان تیل کے اندر سے، دھاگا، کپڑا، ٹائر، پٹرول، ڈیزل، مٹی کا تیل تارکول وغیرہ نکال سکتا ہے تو کیا خود انسان کا خدا ہمارے جسم کے اجزا کو بستی کے سینہ سے نہیں نکال سکتا۔؟!!!

کیا ہم نہیں دیکھتے گائے چارہ کھاتی ہے اور خدا اس چارہ کے ذریعہ دودھ نکالتا ہے ؟ کیا ہم روٹی کا ایک ٹکڑا جو کھاتے ہیں اس سے گوشت خون چربی آنسو ناخن، بال وغیرہ وغیرہ۔۔۔ نہیں بنتا ؟ سچ بتایئے جس خدا میں یہ قدرت ہے کہ وہ ایک روٹی سے اتنی چیزیں بنا دے کیا وہ قیامت میں ہمارے جسم کے مخلوط اجزا کو جدا نہیں کر سکتا؟ خدا کے لئے کوئی بھی کام دوسرے کام سے آسان یا کوئی بھی چیز خدا کے لئے دوسری چیز سے بڑی اور مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن نے حسب قسم کھانا چاہی تو کبھی سورج کی اس کی اس عظمتوں کے ساتھ قسم کھائی اور فرمایا: "والشمس وضحٰھا"[1] "سورج اور اور اس کے نور کی قسم اور کبھی فرمایا" والتین والزیتون"[2] انجیر اور زیتون (جیسے معمولی درختوں) کی قسم، جی ہاں! خدا کے لئے انجیر و خورشید کا پیدا کرنا ایک ہی جیسا ہے اور دونوں کی قسم بھی کھاتا ہے۔

مختصر یہ کہ مخلوط اجزاء کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لئے صرف لامتناہی علم و قدرت کی ضرورت ہے یعنی اسے یہ معلوم ہو کہ ایک جسم کے ذرے کہاں اور کس شکل میں ہیں؟ اور اس بات پر بھی قادر ہو کہ جہاں بھی ہیں اور جس حالت میں بھی ہیں ان کو پہلی صورت میں پلٹا دے ۔

(ہم توحید کی بحث میں خدا کے علم و قدرت کا لامتناہی ہونا ثابت کر چکے ہیں) اور اس قسم کے اعتراضات (جو برسوں سے ہوتے آئے ہیں) عقلی دلیلوں اور قرآنی راہنمائیوں کو خدشہ دار نہیں کر سکتے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے کتاب کی ابتدا (یعنی امکان معاد کی بحث) میں جناب ابراہیمؑ کے واقعہ کے ضمن میں قرآن سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جو خود ایک عملی نمونہ اور بہت سے شبہوں کا جواب ہو سکتا ہے اگر (شبہ آکل و ماکول کے سلسلہ میں) اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو تو جو کتابیں اس سلسلہ میں قدرے تفصیل سے لکھی گئی ہیں ان کا مطالعہ فرمایئے ۔

---

[1] شمس /۱ [2] التین /۱

قیامت میں حاضری کی کیفیت

میدان قیامت میں حاضری کا عنوان قرآن نے کئی انداز سے بیان کیا ہے: کبھی قرآن کہتا ہے کہ انسان تنہا مبعوث ہوگا مثلاً " وکلھم آتیہ یوم القیامۃ فردا "[1]۔ اور کبھی کہتا ہے انسان اسی رہبر کے ساتھ مبعوث ہوگا کہ جس کی دنیا میں پیروی کی ہے: یوم ندعوا کل اناس بامامھم[2]۔ اور کبھی کہتا ہے کہ لوگ گروہ گروہ لشکروں کی صورت میں آئیں گے " فتاتون افواجا "[3] عبارتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مقام حساب میں انسان تنہا ہے یعنی مال و دولت، دوست واحباب، اعزا و اقربا کوئی بھی اس کی فریاد کو نہ آئے گا۔ اور سرنوشت کے لحاظ سے جس رہبر کو انتخاب کیا ہے اس کے ساتھ رہے گا اور شکل و صورت کے لحاظ سے اپنے ہم فکر و ہم عمل گروہ کے درمیان خود کو پائے گا۔

---

[1] مریم/۹۵ — [2] اسراء/۷۱ — [3] نباء/۱۸

لہٰذا ممکن ہے کہ ایک انسان ایک خاص شکل وصورت میں اپنے رہبر کے پیچھے پیچھے لوگوں کی بھیڑ میں چل رہا ہو لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہ ہو اور وہ اپنے کو تنہا پائے۔

اب ہم آپ کے سامنے ایک دلچسپ روایت جو " فتأتون افواجا" کے ذیل میں نقل ہوئی ہے پیش کرتے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے اس آیت کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو رسول خداؐ رو پڑے اور فرمایا تم نے بہت اہم سوال کیا ہے اس کے بعد فرمایا: کہ قیامت میں لوگ دس صورتوں میں محشور ہوں گے۔

۱۔ افواہ اڑانے والے بندر کی صورت میں۔ ۲۔ حرام کھانے والے سور کی صورت میں ۳۔ سود کھانے والے سر کے بل (الٹے ہو کر)۔ ۴۔ ناحق فیصلہ کرنے والے قاضی اندھے ہو کر ۵۔ خود پسند مغرور بہرے گونگے ہو کر۔ ۶۔ بے عمل علما اپنی زبان چباتے ہوئے۔ ۷۔ پڑوسی کو ستانے والے ہاتھ پیر سے لولے لنگڑے ہو کر۔ ۸۔ چغل خور آتشیں شاخوں میں لٹکے ہوئے ۹۔ عیاش مردار سے زیادہ بدبو کے ساتھ اور ۱۰۔ متکبرین آگ کے لباس میں لپٹے ہوئے محشور کئے جائیں گے۔[1]

سورۂ قمر میں ہے" کانھم جراد منتشر"، جب قبر سے باہر نکلیں گے اس طرح وحشت زدہ اور بوکھلائے ہوئے ہوں گے کہ جیسے ٹڈیوں کے جھنڈ آپس میں مل گئے ہوں۔[2]

سورۂ معارج میں ارشاد ہوتا ہے۔ یہ لوگ جیسے ہی قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکلیں گے اس طرح سراسیمہ ہو کر تیزی سے دوڑیں گے گویا کوئی نشانی یا مخصوص بورڈ سامنے ہے جس کو ہدف بنا کر جلد سے جلد اس تک پہنچنا چاہتے ہوں " یوم یخرجون من الاجداث

۱۔ تفسیر مجمع البیان و نور الثقلین و صافی سورہ نبا کی آیت ۱۸ کے ذیل میں۔

۲۔ سورہ قمر آیت ۸۔ المیزان ج ۱۹ ص ۶۴

سراعاً کانھم الی نصب یوفضون[1]"۔

قرآن کی متعدد آیات میں ہے کہ قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد مردے اپنے چاروں طرف بڑی ہی شرمندہ اور اشک بار آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی" خاشعة ابصارھم ترھقھم ذلة[2]"

وہ دن ایسا وحشتناک ہے کہ قرآن فرماتا ہے: لوگ تتلیوں اور چڑیوں کی طرح پریشان حال اور مضطرب ہوں گے شاید آپ نے دیکھا ہو کبھی اگر کسی درخت پر بہت ساری چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں جیسے ہی کہیں کوئی تیز آواز ہوئی سب ایک ساتھ پھر سے اڑجاتی ہیں اور کوئی محفوظ جائے پناہ تلاش کرتی ہیں۔ لیکن اس جائے امن کی تلاش میں ہر گروہ ایک مخصوص سمت میں پرواز کرتا ہے اور اس تیزی سے پرواز کرتا ہے گویا کوئی مخصوص جگہ ان کی نگاہوں میں موجود ہے جبکہ واقعاً ان کی نظر میں کوئی مخصوص جگہ نہیں ہوتی بس اس صدا نے ان کو" سر پر پیر رکھ کر" بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے جی ہاں! قیامت میں بھی ایک بھیانک آواز گونجے گی" القارعة" اس آواز سے اہل محشر حیرت و پراگندگی کا شکار ہو کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کردیں گے ہر گروہ مختلف سمتوں میں اس طرح بھاگے گا کہ جیسے کسی مخصوص مقام کی طرف بھاگ رہا ہو۔

خداوند عالم اپنے پیغمبر سے فرماتا ہے: "تری الناس سکاری...[3]" محشر میں آپ کو لوگ مست نظر آئیں گے لیکن واقعاً مست نہیں ہوں گے۔ عذاب اتنا شدید ہے کہ ان کی عقل سر دن سے غائب۔

البتہ یہ وحشت اور خوف گناہگاروں اور کفار کے لئے ہے۔ باایمان افراد مخصوص نورانیت

۱،۲۔ سورۂ معارج/۴۴ ۔ سورۂ قلم/۴۳

۳۔ حج ۳

کے ساتھ محشر میں آئیں گے اور کسی قسم کا خوف و اضطراب نہ ہو گا" یسعٰی نورھم بین ایدیھم[1]"

اگر قرآن مجید میں ہے کہ انسان اپنے بھائی، ماں، باپ بیوی اور بچوں سے فرار کرے گا تو یہ کفار کے بارے میں ہے[2] ورنہ اسی دن (اگر) بعض چہرے غبار آلود[3] اور ان پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہوں گے تو اسی دن اعمال صالحہ انجام دینے والے نورانی و خنداں چہروں کے ساتھ اس عالم میں کہ ان کو پیغام بشارت مل چکا ہو گا میدان حشر میں آئیں گے۔ وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ[4]"

اس دن عدالت الٰہیہ میں حاضری لازمی و غیر اختیاری ہے اس سے (کسی کو) مفر نہیں ہے اس لئے کہ ہر انسان پر الٰہی مامور مقرر ہوں گے جو اسے آگے بڑھائیں گے اور ایک دوسرا مامور اس کے اعمال کی گواہی دے گا" وجاءت کل نفس معھا سائق و شھید[5]"

قیامت کے نام اور اوصاف

مرحوم فیض کاشانی نے اپنی عظیم کتاب محجۃ البیضاء کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۲۳۱ پر سو سے زیادہ قیامت کے اسماء اور اوصاف ذکر کئے ہیں۔ آیات و روایات میں بھی یہ اسماء بیان ہوئے ہیں چوں کہ ان کا ترجمہ اور سادہ لفظوں میں ان کی تشریح کر دینا مفید ہو گا۔ اس لئے ہم ان کو بیان کر رہے ہیں لیکن یہاں ہمارا ہدف صرف ان کی فہرست بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے وہ اوصاف بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ان میں سے کسی بھی نام کے بارے میں غور و فکر کریں تو

۱۔ حدید/۱۲ ۲۔ عبس/۳۵

۳،۴۔ عبس/۴۲ و ۳۸ ۵۔ ق/۲۰

ہمیں درس حاصل ہو۔

ہم سب سے پہلے ان اسماء و اوصاف کو نقل کر رہے ہیں جو قرآن میں ذکر ہوئے ہیں۔

۱ : یوم تبلی السرائر[1] "جس دن پردے اٹھ جائیں گے اور ہر انسان کا راز فاش ہو جائے گا۔

۲ : یوم یکون الناس کالفراش المبثوث[2] "جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانے کی طرح مبہوت و متفرق بوکھلائے ہوئے ہوں گے۔

۳ : "یوم الموعود[3]" وہ دن کہ جس کا تمام انبیا نے آسمانی کتابوں میں وعدہ کیا ہے۔

۴ : "یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه[4]" جس دن انسان کی پریشانی اور مشکلات اتنی زیادہ ہوں گی کہ وہ اپنے قریب ترین افراد بھائی، ماں، باپ اور بیوی بچوں سے بھی گریز و فرار اختیار کرے گا۔

۵ : یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ[5] "جس دن کہ انسان روز محشر کے لئے پہلے سے بھیجے ہوئے اپنے اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور اپنے گناہوں کو نظروں میں مجسم پائے گا۔

جس دن مجرموں سے خطاب ہوگا ان لوگوں سے الگ ہو جاؤ جیسا کہ قرآن میں ہے: "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون[6]"، یہ دن "یوم الفصل[7]" انسانوں کی جدائی کا دن ہے،

۱۔ طارق / ۹ — ۲۔ قارعہ / ۴

۳۔ بروج / ۲ — ۴۔ عبس / ۳۴

۵۔ نبا / ۴۰ — ۶۔ یٰس / ۵۹

۷۔ مرسلات / ۱۳، ۱۴ و ۳۸۔

انسانوں کے بارے میں خدا کے حکم و فیصلہ کا دن ہے۔

۷ : "یوم لاینطقون"[۱] جس دن لبوں پر مہر سکوت لگادی جائے گی اور کسی کو معافی اور عذر خواہی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

۸ : "یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر"[۲] کافروں کے لئے بہت سخت دردناک دن ہے کوئی آسان دن نہیں ہے۔

۹ : "یوم یخرجون من الاجداث"[۳] جس دن لوگ تیزی کے ساتھ قبروں سے نکلیں گے۔

۱۰ : "یوم التغابن"[۴] جس دن بہت سے لوگوں کو اس بات کا احساس ہوگا کہ دنیا میں گھاٹا اٹھایا ہے۔ فریب میں آگئے اور اپنی عمر سستی بلکہ مفت میں گنوادی۔

۱۱ : یوم لاتملک نفس لنفس شیئا[۵]" جس دن کوئی کسی کا مالک نہ ہوگا کسی کو کسی کے کام میں مداخلت اور تصرف کی طاقت و قدرت نہ ہوگی۔

۱۲ : یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ[۶]"، جس دن اللہ پیغمبر اور مومنوں کو ذلیل و خوار نہ ہونے دے گا وہ لوگ امن و لطف الہی کے زیر سایہ ہوں گے۔ (اس روز) تمام پریشانیاں اور اضطراب، گناہگاروں اور کافروں کے لئے ہے۔

۱۳ : "یوم الجمع"[۷] جس دن تمام لوگ جمع ہوں گے۔

۱۴ : یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم[۸]

۱۔ مرسلات / ۳۵
۲۔ مدثر / ۹
۳۔ معارج / ۴۳
۴۔ تغابن / ۹
۵۔ انفطار / ۱۹
۶۔ تحریم / ۸
۷۔ تغابن / ۹
۸۔ حدید / ۱۲

جس دن مومن مرد و عورت "انجام شدہ اعمال صالحہ کی وجہ سے" خود اپنے نور کی روشنی میں جو ان کے سامنے ہوگا آگے بڑھیں گے۔

۱۵ : "یوم معلوم"[۱] وہ دن کہ جو قطعی اور یقینی ہے۔

۱۶ : "یوم یدعّون الیٰ نار جہنّم دعّا"[۲] "جس دن قیامت کے منکرین کو اوندھے منہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

۱۷ : "یوم الخروج"[۳] "جس دن (مردے) قبروں سے نکلیں گے۔

۱۸ : "یوم یسمعون الصّیحۃ"[۴] "جس دن عجیب و غریب چیخ و فریاد سنائی دے گی۔

۱۹ : "یوم الخلود"[۵] وہ دن جو ہمیشگی کے ساتھ ہے (اور دوبارہ موت کا تصور بھی نہیں ہے)

۲۰ : "یوم الوعید"[۶] "جس دن انبیا کی دھمکیوں اور ان کے بتائے ہوئے خطرات کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

۲۱ : "یوم عظیم"[۷] "بہت ہی عظیم دن۔

۲۲ : یوم الیم[۸] "نہایت ہی دردناک دن۔

۲۳ : "ویوم یعرض الّذین کفروا علی النّار"[۹] "، جس دن کفّار کو آتش جہنم کے

۱۔ واقعہ/۵۰ ۔ ۲۔ طور/۱۳

۳۔ ق/۴۲ ۔ ۴۔ ق/۴۲

۵۔ ق/۳۴ ۔ ۶۔ ق/۲۰

۷۔ احقاف/۲۱ ۔ ۸۔ زخرف/۶۵ ۔ ۹۔ احقاف/۲۰

کے حوالے کیا جائے گا۔

۲۴ : "یوم لاینفع الظالمین معذرتھم"[1]۔ جس دن ظالموں کی معذرت خواہی بے فائدہ ہوگی۔

۲۵ : "یوم یقوم الاشھاد"[2] جس دن گواہی کے لئے سارے گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۲۶ : "یوم التناد"[3]، جس دن لوگ اپنی مدد کے لئے ایک دوسرے کو صدائیں دیں گے۔ لیکن اس کا کیا فائدہ۔

۲۷ : "یوم الحساب"[4] جس دن چھوٹے بڑے تمام کاموں کا حساب ہوگا۔

۲۸ : یوم التلاق[5]: جس دن انسان بھی ایک دوسرے سے، اور بندے خدا سے، آسمان والے زمین والوں سے، ظالم مظلوم سے نیز انسان اپنے اعمال سے ملاقات کرے گا

۲۹ : یوم الآزفۃ[6]، وہ دن جو قریب ہے اور تم تصور کر رہے تھے کہ دور ہے

۳۰ : یوم یغشٰھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم[7] "جس دن کافروں کو عذاب اوپر اور نیچے سے "رات کی طرح" ڈھانپ لے گا۔

۳۱ : یوم لاینفع مال ولا بنون[8]" جس دن مال و اولاد کوئی بھی انسان کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

۳۲ : یوم یعض الظالم علیٰ یدیہ[9]" جس دن ظالمین شدت پشیمانی سے

۱۔ غافر/۵۲ ۲۔ غافر/۵۱

۳۔ غافر/۳۲ ۴۔ غافر/۲۷

۵۔ غافر/۱۵ المیزان ج ۱۷ ص ۳۳۳ ۶۔ غافر/۱۸ تفسیر المیزان کے مطابق

۷۔ عنکبوت/۵۵ ۸۔ شعراء/۸۸ ۹۔ فرقان/۲۷

انگشت بدنداں ہوں گے اور فریاد کریں گے کہ کاش فلاں سے دوستی نہ کرتے کاش پیغمبرؐ کے نقش قدم پر چلتے ۔

۳۳ : یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون[۱] جس دن صرف زبان ہی نہیں بلکہ ہاتھ پیر بھی انسان کے اعمال کی گواہی دیں گے ۔

۳۴ : یوم الحسرۃ[۲] " جس دن انسان اپنے دلوں میں حسرتیں لئے ہوئے ہوگا ۔ اور اندر سے اسے کاش کی صدا آئے گی ۔

۳۵ : یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا و ما عملت من سوء[۳] " جس دن انسان اپنے اچھے اور برے اعمال کو سامنے مجسم دیکھے گا ۔

۳۶ : یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ[۴] " جس دن بعض چہرے سفید اور بعض چہرے سیاہ ہو جائیں گے ۔

۳۷ : یوم لا ریب فیہ[۵] " ایسا دن کہ جس کے بارہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے ۔

۳۸ : یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ[۶] " جس دن نجات کے لئے لین دین اور سفارش سب بے فائدہ ہوگی ۔

میں نے یہ جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا ہے وہ مقامات ہیں جو لفظ "یوم" کے ذریعہ قرآن میں ذکر ہوئے ہیں اور دوسری بہت سی آیتیں بھی قیامت کے صفات کے سلسلہ میں آئی ہیں جو فیض کاشانی مرحوم نے ذکر کی ہیں لیکن میں بیان کو مختصر کرنے کے لئے ان کو ذکر نہیں کر رہا ہوں[۷] ۔

---

۱ ۔ نور / ۲۴ ۔ ۲ ۔ مریم / ۳۹ ۔ ۳ ۔ عمران / ۳۰

۴ ۔ آل عمران / ۱۰۶ ۔ ۵ ۔ آل عمران / ۹ ۔ ۶ ۔ بقرہ / ۲۵۴

۷ ۔ المحجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۳۳۱ ۔

وسائل کا فقدان

سورۂ مریم (آیت ۹۵) میں ہے کہ قیامت میں ہر انسان اکیلا اکیلا محشور ہوگا چنانچہ تفسیر المیزان اور مجمع البیان کے مطابق "اکیلا" سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی قوت و طاقت اس کی مدد نہ کر سکے گی۔ اس مسئلہ پر ہم یہاں تفصیل سے روشنی ڈالیں گے وہ اسباب و وسائل جو عام طور سے انسان کے لئے دنیا میں مددگار ہوتے رہے ہیں یہ ہیں :

۱۔ رشوت اور تحفے : لیکن قرآن فرماتا ہے: "لا یؤخذ منها عدل[۱]" قیامت میں گناہوں اور معصیتوں کے سلسلہ میں تحفہ و رشوت دینے سے کام نہیں چلے گا کوئی چیز ان کا بدل نہیں بن سکتی۔

۲۔ گروہ بندی ۔ قیامت میں پارٹی بازی بھی نہیں چلے گی (یہودیوں کا عقیدہ تھا چونکہ ان کے آباد اجداد رسول پیغمبر ہیں اس لئے آخرت میں ان پر عذاب نہ ہوگا)

قرآن فرماتا ہے: "لا یقبل منها شفاعة[۲]" ان کے سلسلہ میں کوئی سفارش و شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ معافی طلبی ۔ دنیا میں معافی مانگ کر بھی نجات حاصل کر لی جاتی ہے لیکن قیامت میں معافی بھی ہرگز کام نہ آئے گی۔ قرآن فرماتا ہے : "لا ینفع الذین ظلموا"

۱۔ بقرہ / ۴۸

۲۔ یقیناً اسلام میں قابل قبول شفاعت بھی موجود ہے ہم آئندہ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کریں گے لیکن یہاں جس شفاعت کے لئے کہا گیا ہے وہ یہودیوں کے سلسلہ میں ان کی بے جا توقعات کے متعلق ہے جو انھوں نے گزشتہ پیغمبروں سے رشتہ داری کی بنیاد پر قائم کر رکھی تھیں ۔

معذرتھم[1]"۔ قیامت میں ظالموں کا معافی مانگنا بے کار ہے۔

۴۔ دوستوں سے کنارہ گیری ۔ قرآن کا ارشاد ہے: وتقطّعت بھم الاسباب[2]" ظالم اور ستمگر جب قیامت میں عذاب الٰہی سامنے دیکھیں گے تو اپنے پیروؤں سے اظہار نفرت کریں گے لیکن کیا فائدہ؟ اس لئے کہ اس دن تمام اسباب منقطع ہو چکے ہوں گے اب ہاتھ پیر مارنا بے کار ہوگا۔

۵۔ حلیفوں کی امداد ۔ دنیا میں وعدے اور معاہدے کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں لیکن قیامت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا" یوم لا یغنی مولیً عن مولیً شیئاً[3]" (لفظ "مولی" آقا اور غلام نیز حلیف اور پناہ دہندہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے)

۶۔ حیلہ و نیرنگ ۔ کبھی کبھی دنیا میں حیلے اور بہانے بھی کام میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ (وہ محدود مدت کے لئے سہی) لیکن قیامت میں کوئی بھی حیلہ اور بہانہ نہ چلے گا ارشاد ہوتا ہے: "یوم لا یغنی عنھم کیدھم شیئاً[4]" یعنی جس دن ان کا حیلہ اور بہانہ ذرہ برابر بھی ان کی نجات میں مؤثر نہ ہوگا۔

۷۔ فدیہ و قربانی ۔ دنیا میں کبھی انسان قید سے رہائی حاصل کرنے کے لئے اپنی قیمتی اشیا کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن قیامت میں یہ چیزیں کام نہ آئیں گی "فالیوم لا یؤخذ منھم فدیۃ[5]" جی ہاں اس روز کسی قسم کا فدیہ قبول نہ کیا جائے گا یہ خیال نہ آئے کہ اگر زیادہ فدیہ ہوا تو نجات مل جائے گی اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے: فرض کرو کہ جو کچھ روئے زمین پر ہے (مال و دولت، گھر بار اور خزانے) سب کچھ بلکہ اس کا دونا بھی تمھارے قبضۂ قدرت میں ہو

۱۔ روم/۵۷
۲۔ بقرہ/۱۶۶
۳۔ دخان/۴۰
۴۔ طور/۴۵
۵۔ حدید/۱۵

اور تم سب کے مالک ہو اور عذاب قیامت سے نجات حاصل کرنے کے لئے سب کچھ دینے پر تیار ہو جاؤ پھر بھی قبول نہ کیا جائے گا "لو ان لھم ما فی الارض جمیعاً و مثلہ معہ لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیامۃ ما تقبل منھم و لھم عذاب الیم[1]"۔ جی ہاں! اس دن تن تنہا انسان کو یرغمال بنا لیا جائے گا۔

۸۔ **مال و اولاد** ۔ قرآن کی متعدد آیتیں اس بات کی گواہ ہیں کہ قیامت میں مال و اولاد کچھ کام نہ آئے گا (اس روز) صرف قلب کی پاکیزگی اور عمل صالح کام آئے گا۔

تفسیر المیزان کے مطابق ہر قسم کی مادی و اعتباری قدریں جو اس دنیا میں کام آتی ہیں وہاں بالکل بے کار ہو جائیں گی "یوم لا ینفع مال ولا بنون[2]" حتیٰ یہ وہ دن ہے کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد فائدہ پہنچائے گی۔

۹۔ **خاندان** ۔ انسان کی نجات میں خاندان اور رشتہ ناتہ ذرہ برابر مؤثر نہ ہوگا نہ باپ بیٹے کی مدد کر سکے گا اور نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا۔ "لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود ھو جاز عن والدہ شیئاً[3]"، اعزا کا بھی بس نہ چلے گا "لن تنفعکم ارحامکم[4]"۔ مختصر یہ کہ کسی طرح کا نسبی و حسبی رشتہ یا قرابت داری بے فائدہ ہو جائے گی۔ فلا انساب بینھم[5]"

کاش کہ یہ صرف فائدہ پہنچانے سے قاصر ہوتے!! بلکہ حد یہ ہے کہ وہاں لوگ خود اپنے مشکلات کی وجہ سے ایک دوسرے سے فرار اختیار کریں گے چنانچہ اس فرار کا منظر قرآن نے سورۂ عبس میں اس طرح بیان کیا ہے: قیامت کا دن وہ دن ہے جب انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، میاں، بیوی اور اولاد سے بھاگتے ہوئے نظر آئیں گے۔[6]

۱۔ مائدہ/۳۶ ۲۔ شعراء/۸۸ ۳۔ لقمان/۳۲

۴۔ ممتحنہ/۳ ۵۔ مومنون/۱۰۱ ۶۔ عبس/۳۶

حساب و کتاب

معاد مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا، نظام دنیا کا درہم برہم ہو جانا اور ایک نئے نظام کا وجود میں آنا یہ تمام کے تمام مسائل حساب و کتاب کے لئے ہیں قرآن مجید اور روایات معصومینؑ میں اس کی تفصیل پیش کی گئی ہے چنانچہ نمونے کے طور پر ہم ان میں سے کچھ آیتیں اور کچھ روایتیں انشاء اللہ پیش کریں گے۔

اس بحث کے ذیل میں چند باتیں لائق توجہ ہیں:

تمام لوگوں سے سوال ہوگا

قرآن کہتا ہے: فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین[1]

---

[1] اعراف / ٦

ہم یقیناً اُن لوگوں سے بھی کہ جن کے لئے رسول بھیجے ہیں، سوال کریں گے اور خود ان انبیاء سے بھی اس بارے میں سوال کریں گے کہ انھوں نے ہماری باتیں لوگوں تک پہنچائی ہیں یا نہیں۔ جی ہاں! قیامت میں عمومیت کے ساتھ ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

۲۔ تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا

دوسری بات یہ ہے کہ تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا: "ولتسئلن عما کنتم تعملون[۱]" حتماً تمہارے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔

دوسری آیت میں ہے: "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ[۲]" جو بھی ذرہ برابر نیکی یا بدی کرے گا قیامت کے دن بالکل وہی اس کے سامنے آئے گا۔ یقیناً یہ آیت تمام نیک و بد کاموں کے لئے ایک کلّی قانون کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ان ہی اعمال میں بعض عمل اتنی بلندی کے حامل ہوتے ہیں کہ بعض گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا بعض گناہ اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ وہ نیکیوں کو ختم و برباد کر دیتے ہیں۔

۳۔ ہر حالت میں سوال ہوگا

"ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ[۳]"

۱۔ نحل/۹۳　　۳۔ بقرہ/۲۸۴

۲۔ سورۂ زلزال کلمہ "مثقال" مقدار اور وزن کے معنی میں ہے "ذرہ" ان چھوٹے چھوٹے موجودات کو۔

جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اس کو آشکار کرو یا مخفی رکھو اللہ (بہرحال) اسی کے مطابق تمھارا حساب لے گا۔ جی ہاں! وہ گناہ جو ظاہراً قابل دید نہیں ہوتے مثلاً شرک، ریاکاری اور کتمان حق جیسے بڑے بڑے گناہ ان کے بارے میں بھی خدا سوال کرے گا یہاں ناقابل احساس نیات و افکار کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے کسی فقیر کی مدد کی لیکن اس مدد کا مقصد خوشنودی خدا کے بجائے شہرت کا حصول تھا یا اسی کے مثل کچھ اور، تو خدا اسی مقصد و ہدف کے سلسلہ میں سوال کرے گا۔

۴۔ ہر جگہ کے اعمال کا حساب

قرآن نے جناب لقمان کی زبانی نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنے فرزندوں سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: یا بنی انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السمٰوات او فی الارض یات بھا اللہ ان اللہ لطیف خبیر[۱]

اے بیٹا! جب بھی ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی نیکی یا بدی چاہے کسی پتھر کے نیچے چھپ کر یا آسمانوں کی بلندیوں پر یا زمین کی گہرائیوں میں کیوں نہ انجام دی جائے خدا روز قیامت اسے ضرور سامنے لائے گا اور تمھارے اچھے اور برے کام کی جزا یا سزا ضرور دے گا جی ہاں! دکھائی نہ دینے والی کوئی بھی رکاوٹ اس کے علم میں حائل نہیں ہے نہ کام کا چھوٹا ہونا نہ دور ہونا نہ جگہ کا پنہاں ہونا نہ تاریک ہونا اور یہ اس لئے ہے کہ خدا لطیف بھی ہے

ے کہتے ہیں کہ جو سورج کی شعاعوں جھروکوں کے ذریعہ کسی تاریک حصہ میں پڑتے وقت فضا میں چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں

[۱] ۔ لقمان/۱۶

اور خبیر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کا عالم ہے۔ اسی آیت کے مثل اور ان ہی جملوں کے ساتھ سورۂ انبیا کی ۴۷ ویں آیت بھی ہے۔

دو سوال انگیز آیتیں

اب تک ہم نے پڑھا کہ قیامت میں تمام لوگوں سے تمام اعمال اور تمام احوال کے بارے میں سوال ہوگا، لیکن قرآن مجید میں دو مقامات پر دو آیتیں ہیں کہ جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم گناہگاروں سے حساب و کتاب نہیں لیں گے اگر ان دونوں آیتوں کی وضاحت نہ کی جائے تو ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ سوال اٹھے کہ کیوں ایک جگہ کہا کہ حساب و کتاب لیا جائے گا اور دوسری جگہ کہا کہ ہم حساب و کتاب نہیں لیں گے؟!

پہلی آیت وہ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم مجرموں سے سوال نہیں کریں گے۔ "لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون[1]"، یہ آیت قارون کے واقعہ میں ہے جس میں خبردار کیا گیا ہے کہ اے وقت کے قارونو! ابھی موقع ہے سدھر جاؤ، راہ راست پر آجاؤ اس لئے کہ جب ہمارا قہر و غضب نازل ہوگا تو توبہ اور معذرت طلبی کی مہلت نہ ملے گی ہم فاسد اور معصیت کار افراد کو ہلاک کرتے وقت ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کہ ان کو معافی مانگنے، توبہ کرنے یا تاویل و توجیہ کرنے کی فرصت ملے۔

معلوم ہوا یہ آیت قیامت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا ربط دنیا میں فاسد افراد کی ہلاکت سے ہے کہ اب بھی سنبھل جائیں۔ جب خدا کا قہر نازل ہوگا تو سوال و جواب کی

---

[1]۔ قصص/۷۸

فرصت نہ ملے گی۔ یا دوسری تفسیر کے مطابق اپنے جرم و گناہ سے مجرموں کے واقف ہونے کے سبب سوال نہ ہوگا اس لئے کہ خداوند متعال بھی ان لوگوں کو پہچانتا ہے اور دوسرے بھی مجرموں کو ان کے چہروں کے ساتھ پہچانتے ہیں۔

اب رہی دوسری آیت جس میں ارشاد ہوتا ہے: "فیومئذٍ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان[۱]"۔ ہم قیامت میں انسان اور جنات سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کریں گے یہاں ہمیں یاد رکھنا چاہیئے اور جیسا کہ اسلامی روایات میں ہم دیکھتے ہیں علامہ طباطبائی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے[۲]۔ قیامت میں متعدد منزلیں اور مرحلے ہیں اور انسان سے بعض جگہوں پر سوال ہوگا اور بعض جگہوں پر سوال نہ ہوگا اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں "سوال ہونے سے متعلق آیت کا تعلق ایک مرحلے سے ہے اور یہ آیت (جس میں سوال نہ کئے جانے کا ذکر ہے) دوسرے مرحلے سے متعلق ہے۔ یا یہ آیت بھی مجرموں کے پہچانے جانے سے مربوط ہے۔ کہ خدا کو پہنچوانے کی ضرورت نہیں ہے (کہ سوال کر کے کسی مجرم کو پہچانے) ملائکہ اور مومنین بھی مجرموں اور گناہگاروں کو ان کے چہروں سے پہچان لیں گے چنانچہ آگے بڑھ کر آیت میں ارشاد ہوتا ہے "یعرف المجرمون بسیماھم[۳]" مجرموں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا۔

کون حساب لے گا اور کون سوال کرے گا؟

قیامت میں حساب لینے والا خدا ہے وہ خدا جو عالم و عادل اور عزیز و بزرگ ہے

۱۔ رحمان/۳۹ ۲۔ المیزان ج۱۹ ص۱۲۱

۳۔ رحمن/۴۱

جو کسی پر ظلم نہیں کرتا" وکفیٰ بنا حاسبین"[1] ہم سب کا حساب لینے کے لئے کافی ہیں۔

ایسا حساب لینے والا جو مہربان ہے لیکن جو ہمارے ہر چھوٹے بڑے اعمال وافکار سے باخبر ہے ایسا حساب لینے والا کہ جو پلک جھپکنے (سے بھی کم مدت) میں ساری مخلوق کا حساب لے لیتا ہے[2]۔ "وھو اسرع الحاسبین"[3]

ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ خدا کس طرح اس قدر زیادہ لوگوں کا حساب لے گا تو امامؑ نے فرمایا جس طرح تمام افراد کو روزی دیتا ہے اسی طرح ان کا حساب وکتاب بھی کرتا ہے (نہج البلاغہ)

سوال

اگر خدا اس قدر سریع الحساب ہے اور ایک حدیث کے بقول: پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں یا دوسری حدیث کے مطابق "ایک جانور کا دودھ دوہنے کے برابر مدت"[4] سے زیادہ وقت نہیں لگے گا تو پھر بعض مقامات پر کیوں کہا گیا ہے کہ فلاں دولتمند یا عہدیدار کے حساب میں مدتوں طول کھینچے گا۔

جواب

حساب کا طولانی ہونا جواب طولانی ہونے کے سبب ہے حساب لینے والے کی کمزوری

۱۔ انبیاء/۴۷ ۔ ۲۔ مجمع البیان ج ۱و۲ ص۲۹۸ سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۰ (واللہ سریع الحساب) کے ذیل میں ۔

۳۔ انعام/۶۲ ۴۔ مجمع البیان ج ۱، ۲ ص۲۹۸

کے سبب نہیں ہے۔

حساب لینے والے آسمانی راہنما ہیں

بعض روایات میں ملتا ہے کہ اللہ ہر امت کا حساب و کتاب اس امت کے امام و رہبر یا الٰہی نمائندوں کے ذمہ کر دے گا۔ ہم ان روایات کے چند نمونے یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قیامت میں اللہ ہمارے شیعوں کا حساب کتاب ہمارے اوپر چھوڑ دے گا۔ "اذا کان یوم القیٰمۃ وکّلنا اللّٰہ بحساب شیعتنا"[1]

۲۔ دوسری حدیث میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ: لوگوں کا حساب کتاب ہمارے ذمہ ہے[2]

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کہ خداوند عالم نے انبیاء کا حساب کتاب خود اپنے ذمہ رکھا ہے، انبیا کے جانشینوں کا حساب کتاب انبیا کے ذمہ کیا ہے اور امتوں کا حساب کتاب ان کے اماموں کے ذمہ کیا ہے[3]

صاحب "المیزان" علامہ طباطبائی مرحوم "انّ علینا حسابھم"[4] کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کے مطابق: ہر گروہ کا حساب کتاب اسی گروہ کے امام زمانہ کے ذمہ ہے، اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں اس سلسلہ میں امام محمد باقر، امام موسیٰ کاظم اور امام علی نقی علیہم السلام کی اسناد سے بھی روایتیں نقل ہوئی ہیں[5]

۱۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۶۴ و ص ۲۷۴ ۲۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۷۴

۳۔ " " " ص ۲۵۱ ۴۔ سورۂ غاشیہ آخری آیت ۵۔ المیزان ج ۲۰ ص ۴۰۳

تفسیر صافی میں بھی اسی مناسبت سے سورۂ اعراف کی ۴۶ ویں آیت کے ذیل میں روایتیں وارد ہوئی ہیں۔

انسان کا وجدان بھی حساب لیتا ہے

خود انسان کا وجدان بھی اس کا حساب لیتا اور داوری کرتا ہے: کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً[1] "آج حساب لینے کے لئے تمہارا نفس کافی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: انسان کو اس طرح اس کے اعمال یاد آجاتے ہیں گویا اس نے ابھی وہ کام انجام دیا ہے[2]۔ اور پھر چیخ اٹھتا ہے: یہ کون سی کتاب ہے کہ جس میں میرے تمام چھوٹے بڑے اعمال درج کر لئے گئے ہیں ؟!!

جی ہاں! خدا کا حساب کتاب اس قدر انصاف پر مبنی ہے کہ خود ہمارا وجدان اور ضمیر بھی ہمارے اعمال پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ایک بار وہی فیصلہ کر اٹھتا ہے اور ہم اپنے وجدان کی عدالت میں بھی لائق سزا قرار پاتے ہیں۔

کس چیز کا سوال ہوگا

اگرچہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ تمام اعمال کے بارے میں سوال ہوگا اور سورۂ نحل کی آیت ۹۳

۱۔ سورۂ اسراء/۱۴

۲۔ تفسیر صافی سورہ کہف کی آیت ۴۹ کے ذیل میں (ویقولون مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا"

سوال ہوگا جو اس نے حیوانات پر کیئے ہیں[۱]

قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ان والدین سے کہ جنھوں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے؟ سوال کیا جائے گا کہ تم نے ان معصوم بچوں کو کیوں؟ اور کس گناہ میں قتل کیا ہے "واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت[۲]"۔ شاید یہ آیت کریمہ اس مہذب و متمدن صنعتی دنیا کے ان افراد کو بھی شامل ہو کہ جو اندھوں کی مانند بچوں کا اسقاط کراتے ہیں اور خود اپنی اولاد کے قاتل بن جاتے ہیں۔

حساب وکتاب کے انداز

قیامت میں ہر قسم کے گروہوں کا الگ الگ انداز میں حساب وکتاب ہوگا۔

۱۔ کچھ گروہوں سے بہت آسان اور معمولی حساب وکتاب لیا جائے گا۔ قرآن اس کے بارے میں فرماتا ہے "فسوف یحاسب حسابا یسیرا[۳]" وہ لوگ جو نورانی چہروں کے ساتھ آئیں گے اور ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے ان لوگوں سے سرسری طور پر حساب لیا جائے گا۔

مجمع البیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم اس شخص کو عطا کرو جس نے تمھیں محروم کیا ہے اور اس کے ساتھ رفت و آمد برقرار رکھو کہ

---

[۱]۔ پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ ایک اونٹ جس پر سامان لدا ہوا ہے اور وہ یوں ہی بندھا ہوا کھڑا ہے تو فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو قیامت میں حساب کے لئے خود کو آمادہ کر لینا چاہئے۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۶۷۔

[۲]۔ سورہ تکویر/۸۔ موؤدہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو کہتے ہیں۔

[۳]۔ انشقاق/۸

بھی ثبوت کے طور پر کی تھی لیکن چونکہ آیات و روایات میں بعض مسائل کو خصوصیت کے ساتھ اہمیت دی گئی ہے اور ہمارے ائمہ نے بھی ان سوالات کی طرف تاکید کے ساتھ لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے ہم بھی یہاں ان میں سے کچھ مواقع نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ لتسئلن یومئذ عن النعیم[۱]۔ یعنی (قیامت میں) جو نعمیں تمھیں عطا کی گئی ہیں ان کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نعمت سے مراد امام معصومؑ کی ولایت (ومحبت) ہے۔ علامہ طباطبائی وضاحت فرماتے ہیں:

کہ اگر نعمتوں میں آب و نان جیسی کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں سوال ہوگا بھی تو وہ اس لئے کہ ان نعمتوں کے استعمال سے حاصل شدہ قوت و طاقت جو رضائے الٰہی اور راہ انبیاء میں صرف ہونا چاہیئے تھی آیا ان قوتوں کا اپنی جگہ پر صحیح مصرف ہوا ہے یا نہیں[۲]؟ وگرنہ خود آب و نان جیسی نعمتیں بالذات مورد سوال قرار نہیں پائیں گی[۳] مثلاً کوئی باپ اپنے فرزند سے کہے کہ میں نے جو تمھارے لئے روٹی کپڑا، گوشت اور پھل وغیرہ مہیا کیا ہے یہ سب اس لئے ہے کہ تم پڑھو لکھو اور اگر یہ کہے کہ افسوس یہ سب کھا گیا تو یہ اس لئے ہے کہ اس نے پڑھ لکھ کر کچھ نہیں دیا۔

جی ہاں! جزئی اور مادی نعمتوں کے بارے میں اگر پوچھا جائے گا تو اس لئے کہ کیوں ان نعمتوں کو جہاں ان کا استعمال ہونا چاہیئے تھا صرف نہیں کیا؟ دراصل ان کا استعمال خدا کی بندگی اور اولیاء کرام کی اطاعت میں صحیح ہے[۴] ورنہ وہ لوگ جنھوں نے مادی نعمتوں کا راہ خدا میں استعمال کیا ہے۔ ان سے ہرگز ان کا حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔

۱۔ تکاثر / ۸ ۔۔۔ ۲۔ تفسیر المیزان ج ۲۰ ص ۴۹۹

۳۔ وہ روایتیں جو یہ کہتی ہیں محبت و ولایت اہلبیتؑ کے سلسلہ میں ہوگا بحار الانوار کی جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ پر دکھائی دیتی ہیں۔

۴۔ البتہ باپ بیٹے کی مثال علامہ طباطبائی کی نہیں ہے۔

۲۔ متعدد روایات میں ملتا ہے کہ قیامت میں انسان جب تک اپنی عمر جوانی، مال و محبت و ولایت اہلبیت علیہم السلام کے سلسلہ میں جواب نہ دے دے وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔[۱]

۳۔ قرآن کہتا ہے ان تمام کان، آنکھ اور دل وغیرہ سے ایک ایک کر کے سوال ہوگا کان سے سنی ہوئی باتوں کا، آنکھ سے دیکھی ہوئی چیزوں کا اور دل سے محبتوں او عقیدتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔[۲]

۴۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ قیامت میں انسان سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا اگر نماز قبول ہوگئی تو یہ دوسرے تمام اعمال بھی قابل قبول ہو جائیں گے۔ اور اگر نماز رد کر دی گئی تمام اعمال بے اثر رہ جائیں گے۔[۳]

۵۔ سورۂ نحل کی آیت/۵۶ میں اور سورۂ عنکبوت کی آیت/۱۳ میں ہے کہ قیامت وہ افتراء اور بہتان جو دنیا میں کسی دین و مکتب پر لگایا جاتا ہے اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

۶۔ قرآن میں ہے کہ قیامت میں ان فرسودہ خیالات کے سلسلہ میں بھی سوال ہوگا جن کی ذات اقدس الہی کی طرف بلا کسی دلیل کے نسبت دے دی جاتی ہے۔ مثلاً ان لوگوں کے فاسد تصورات کے بارے میں جو ملائکہ کو خدا کی لڑکیاں خیال کرتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "ستکتب شہادتھم ویسئلون"[۴] ہم ان لوگوں کی بیہودہ باتوں کو لکھ رہے ہیں۔ اور قیامت میں ان سے پوچھیں گے۔

۷۔ بعض روایتوں کے مطابق: قیامت میں انسانوں سے ان مظالم کے بارے میں بھی

۱۔ بحارالانوار ج ۷، ص۲۵۸۔

۲۔ بحارالانوار ج ۷ ص۲۶۷ اور صافی سورہ اسرا/۳۶ "ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولاً" کے ذیل میں

۳۔ بحارالانوار ج ۷ ص۲۶۷ ۔ ۴۔ زخرف/۱۹

جس نے تم سے تعلقات توڑ لئے ہیں۔ اور اسے معاف کر دو کہ جس نے تم پر ظلم روا رکھا ہے تو خداوند عالم ان کمالات کی بنا پر قیامت میں تمھارا حساب آسان کر دے گا[1]۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دوسری حدیث میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: دنیا کی صلہ رحمی (عزیز و اقارب سے اچھا برتاؤ) آخرت میں حساب کی آسانی کا سبب ہے: "ان صلة الرحم تهون الحساب[2]"۔

۲۔ ان کے مقابل دوسرے گروہ سے بڑا سخت حساب لیا جائے گا۔

قرآن مجید بندگان خدا کی توصیف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "يخافون سوء الحساب[3]" یعنی یہ مردان حق، قیامت کے سخت عذاب سے ڈرتے ہیں۔

آپ انصاف سے بتائیے کہ کیا خدا کوئی برا حساب لینے والا ہے کہ یہ لوگ اس کے حساب کتاب سے ڈرتے ہیں؟ اس کا جواب روایتوں میں ملتا ہے ارشاد ہے: "انما يداق الله العباد في الحساب يوم القيامة على قدر ما اٰتيٰهم من العقول في الدنيا[4]" پروردگار عالم روز قیامت لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کہ جو ان کے پاس دنیا میں تھی حساب لے گا۔ جس انسان کے پاس دنیا میں جتنی زیادہ عقل ہوگی قیامت میں اس کا حساب بھی اتنا ہی سخت ہوگا جی ہاں وہ لوگ کہ جو اس دنیا میں ذہین و چالاک ہوتے ہیں اور اپنی ذہانت سے فائدے اٹھاتے رہتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ بات بھی رہے کہ قیامت میں ان کا سختی سے حساب لیا جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی کے بارے میں جو حتیٰ اپنا مطالبہ طلب

۱۔ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۶۱
۲۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۷۳
۳۔ رعد/ ۲۱
۴۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۶۷ و ۲۶۶

کرنے میں سختی سے کام لیتے تھے فرمایا: جو لوگ دنیا میں اپنے لین دین میں لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں (رعایت سے کام نہیں لیتے) قیامت میں ان کا حساب بھی سخت کیا جائے گا۔

بنابرایں بحارالانوار کی جلد ہفتم کے صفحہ ۲۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات میں جو متعدد حدیثیں نقل ہوئی ہیں اس میں بری طرح حساب کتاب لینے سے یہی حساب میں دقت اور سختی مراد ہے ظلم مراد نہیں ہے کیونکہ "ولا یظلم ربک احدا"[1] پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

۳۔ کچھ افراد بغیر کسی حساب و کتاب کے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

یہ لوگ وہی مشرک ہیں کہ جنھوں نے سیکڑوں معجزے اور دلیلیں دیکھیں اور سنیں لیکن اپنی کٹھ حجتی سے باز نہیں آئے اسی لئے قیامت میں ان کا مسئلہ روشن ہے اور ان سے کچھ پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہیں ہے چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک حدیث میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے: "ان اهل الشرک لا تنصب لهم الموازین"[2] قیامت میں مشرکوں کے لئے میزان نہیں نصب ہوگی اس لئے کہ ان کا انجام اور ان کی جگہ پہلے ہی سے معین و مشخص ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جو امام رضا علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمائی ہے حضورؐ نے فرمایا ہے: پروردگار عالم قیامت میں مشرکین کے سوا تمام بندوں کو میزان عدالت و حساب پر کھڑا کرے گا۔[3] اور اسی حقیقت کی طرف قرآن میں بھی اشارہ ہوا ہے: فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا[4] "ہم قیامت میں بعض گروہوں کے لئے

۱۔ کہف/۴۹
۲۔ بحارالانوار ج ۷، ص ۲۵۹
۳۔ بحارالانوار ج ۷، ص ۲۶۰
۴۔ کہف/۱۰۵

میزان قائم نہیں کریں گے یعنی ان کے یہاں کچھ وزن ہی نہیں ہے انھوں نے کوئی کارخیر کیا ہی نہ ہوگا یا ان کے برے اعمال نے نیک اعمال کو ختم کر دیا ہوگا۔

بعض روایات کے مطابق جھوٹا، فاسق و فاجر، ظالم رہبر و حاکم، بوڑھا زناکار دولتمند بخیل اور حسد کرنے والا عالم بغیر حساب و کتاب کے جہنم کے شعلوں کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ (میزان الحکمۃ، کلمہ حساب)

۴۔ کچھ گروہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

اس سلسلہ میں ایک مفصّل حدیث ہے کہ بعض گروہ قیامت میں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔

الف: وہ لوگ کہ جنھوں نے احکام الٰہی کی انجام دہی اور گناہوں سے بچنے کے لئے پائداری سے کام لیا ہے۔

ب: وہ لوگ جو زہر آگیں طنز و تبصرے سن کر مسکراتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور نکتہ چینیوں کو معاف کر دیتے ہیں کینے یا انتقام کا جذبہ دل میں نہیں رکھتے۔

ج: وہ لوگ جو راہ خدا میں اپنی محبتیں اور مال و منال سب کچھ قربان کر دیتے ہیں اور ان کے اعمال کا ہدف و مقصد صرف اور صرف خدا ہوتا ہے[1]۔

اختتام بحث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ بعض روایات کے مطابق پروردگار عالم روز قیامت آب و غذا شادی حج اور جہاد میں صرف ہونے والے اخراجات کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۱۷۱

حساب کی کیفیت (حق النّاس)

ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ قیامت میں (اپنے قرضداروں کے قرض ادا نہ کرنے والے) مقروض کو حاضر کیا جائے گا اور اس کے نیک کاموں کو قرض خواہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے اگر مقروض کے نامۂ اعمال میں نیکیاں نہ ہوں کہ جو قرض کا بدلہ بن سکیں تو قرض خواہ کے گناہوں کو مقروض کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس طرح پروردگار عالم قصاص لے گا۔[1]

مولائے کائنات گناہوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"... اما الذی لا یغفر فظلم العباد بعضھم لبعض ... وعزتی و جلالی لا یجوزنی ظلم ظالم ..."[2] گناہ کی ایک قسم کو اللہ نہیں بخشتا، اور وہ ظلم ہے جو انسان ایک دوسرے پر روا رکھتے ہیں اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں: خدا نے اپنے عزت و جلال کی قسم کھائی ہے کہ اس روز کسی ظالم و ستمگر کے ظلم و ستم سے ہرگز چشم پوشی نہیں کرے گا خواہ بہت چھوٹا اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

جی ہاں! حق الناس کے سلسلہ میں خداوند عالم بہت سختی سے حساب لے گا۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خداوند عالم روز قیامت فرمائے گا۔ "الیوم احکم بینکم بعدلی و قسطی لا یظلم الیوم عندی احد

۱۔ بحار الانوار ج ۷، ص ۲۷۴

۲۔ " " " ص ۲۶۵

الیوم آخذ للضعیف من القوی بحقہ ولصاحب المظلمۃ بالمظلمۃ بالقصاص من الحسنات والسیئات الی قولہ ... الا مظلمۃ یھبھا لصاحبہا"[1]

میں آج تمھارے درمیان عدل و انصاف سے ہی کام لوں گا میری بارگاہِ عدالت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ میں آج قوی سے ضعیف کا حق دلاؤں گا۔ آج مظلوموں کے حق ظالموں سے وصول کروں گا۔ (یا تو ظالم کے نیک کاموں کو مظلوم کے نامہ اعمال میں لکھوں گا یا مظلوم کے گناہ کو کم کرکے ظالم کے گناہوں میں اضافہ کر دوں گا) آج صرف وہی ظالم نجات پاسکے گا کہ جس کو خود مظلوم معاف کر دے۔

وقت حساب بات چیت

امام جعفر صادق علیہ السلام "فللّٰہ الحجۃ البالغۃ"[2] کی تفسیر میں فرماتے ہیں قیامت کے دن گناہگاروں سے خطاب ہوگا: تم جانتے تھے کہ تمھیں کس راہ پر چلنا ہوگا اور تمھارا وظیفہ شرعی کیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں گے کہ ہم جانتے تھے تو پوچھا جائے گا پھر اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور اگر وہ کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے تھے تو سوال ہوگا کیوں نہیں سیکھا؟

دوسری حدیث میں ہے: پروردگار عالم ایک صالح اور متقی مومن کے ذریعہ جو کسی محلہ یا علاقہ میں رہتا ہے اس محلے کے دوسرے افراد کے لئے حجت تمام کرتے ہوئے فرمائے گا کیا فلاں مومن تمھارے محلے اور پڑوس میں نہیں رہتا تھا وہ تو برے کاموں کا مرتکب

۱۔ بحار الانوار ج ۷، ص ۲۶۸

۲۔ 〃 〃 〃، ص ۲۸۵

نہیں ہوا ؟ کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنی تھیں، رات کی تاریکی میں اس کے رونے کی آواز اور دن کے اجالے میں اس کے اعمال صالحہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے[1] ۔ تم لوگوں نے کیوں اس کی طرح بن کر اس کی راہ نہیں اختیار کی ؟

عدالت الہٰیہ میں بعض افراد اپنی نجات کے لئے فریاد کریں گے : پروردگارا کیا یہ مال یا حسن وجمال، یا دوسری الجھنیں کہ جو میری گمراہی کا سبب بنی تھیں تونے ہمیں نہیں دی تھیں ؟ اس وقت خداوند عالم اپنے ان نیک اور صالح بندوں کو کہ جن کو مال ومنال، حسن وجمال اور دوسرے مشکلات گمراہ نہ کرسکے ہوں گے۔ نمونہ کے طور پیش کرے گا اور فرمائے گا کہ کیا یوسفؑ ومریمؑ کے پاس حسن نہ تھا۔ کیا ایوبؑ سخت ترین مرض میں مبتلا نہ ہوئے ؟ اور اس طرح قیامت کے دن انسان عدالت الہٰیہ میں سزاؤں کا مستحق قرار پائے گا۔ اور اس کے تمام حیلے اور بہانے بے کار ہوکر رہ جائیں گے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے : باایمان انسان کا ایک نمونہ "فرعون کی عورت" (جناب آسیہ) ہیں جنھوں نے فرعون کے محل اور دربار میں زندگی بسر کی لیکن کبھی اس نظام اور طاغوتی شیطنت کا فریب نہ کھایا ان کا فولاد سے زیادہ قوی ومستحکم ارادہ تمام زمانی واقتصادی ماحول پر حاکم رہا اسی طرح "فرد کافر" کے نمونہ کی حیثیت سے حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو پیش کیا ہے جنھوں نے برسہا برس دسترخوان وحی پر بیٹھ کر روٹیاں توڑیں۔ خانۂ وحی میں الہٰی تعلیمات پہنچانے والوں کے ساتھ زندگی گزاری لیکن چونکہ انھیں ہدایت واصلاح کی کبھی فکر ہی نہیں رہی

---

[1] ۔ بحارالانوار ج ۷، ص ۲۸۵

اس لئے اسی طرح اپنے کفر پر باقی رہیں اور دوسروں کی طرح وہ بھی قہر الٰہی کا نشانہ بن گئیں مختصر یہ کہ ہر زمانے میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو محشر میں تمام افراد کے لئے حجت اور دلیل بنیں گے۔

حساب کے وقت شرمندگی

جامع السعادات میں ایک حدیث نقل ہوئی ہے امامؑ فرماتے ہیں: اگر روز محشر عدالت الٰہیہ میں کسی طرح کی سزا نہ بھی ہوتی تو صرف وہاں کی شرمندگی کا تصور کافی تھا کہ انسان کو اپنا کھانا پینا اور سونا تج کر اپنی اس وقت کی کیفیت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے[1] وہ گناہ کہ جس کے لئے انسان ہرگز راضی نہیں کہ اس کے والدین حتیٰ ایک دوسرے کے میاں بیوی اس سے باخبر ہوں اس دن اولیائے خدا کے سامنے تمام انسانوں کو دکھائے جائیں گے البتہ (یہ اس وقت ہے) جب گناہ حد سے زیادہ ہوں۔ انسان نے توبہ بھی نہ کی ہو اور قابل عفو بھی نہ ہو۔

روایات میں اس کی بہت تاکید ہوئی ہے کہ انسان حساب قیامت سے بچنے کے لئے دنیا میں ہی اپنے اعمال کا محاسبہ کرلے یعنی روزانہ ہر گھنٹے اور منٹ کی فکر میں رہے کہ اگر کوئی نیک کام انجام دیا ہے تو شکر خدا بجا لائے اور اگر کوئی برا فعل صادر ہوا ہے تو بارگاہ خداوندی میں اس کے لئے توبہ و استغفار کرے۔

روایت میں ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرلے تو اللہ قیامت

---

[1] ۔ جامع السعادات ج ۳ ص ۹۳

میں اس کا دوبارہ حساب نہ لے گا۔ خداوند عالم کی ذات اس سے بلند و برتر ہے کہ اس انسان کا حساب لے جو خود اپنا محاسبہ کرچکا ہو۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص دنیا میں اپنے آپ سے غافل رہے اور روزانہ اپنے کاموں کا خود حساب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

---

[1] ۔ جامع السعادات ج ۳ ص ۹۲

نامۂ اعمال

آیات و روایات میں انسان کے نامۂ اعمال کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے ہم یہاں پہلے ان آیات کا ذکر کریں گے جن میں اعمال کے لکھے جانے کا بیان ہے اور پھر ان آیات کا تذکرہ کریں گے کہ جن میں روز محشر اعمال کے آشکار ہونے کا ذکر ہے۔

اعمال کا لکھا جانا

۱۔ "ان رسلنا یکتبون ما تمکرون"[۱]، بے شک ہمارے فرشتے تمہاری سازشوں کو لکھتے ہیں۔

۲۔ "کلا سنکتب ما یقول"[۲]، تمہارے کھوکلے تصورات کے برخلاف،

۱۔ یونس / ۲۱ ۲۔ مریم / ۷۹

ہم ان کی تمام باتوں کو لکھتے ہیں ۔

۳ ۔ " وانا لہ کاتبون[1]" ہم مومنوں کے ہر کار خیر کو لکھتے ہیں ۔

۴ ۔ " ونکتب ماقدموا واٰثارھم[2]" ہم صرف کام ہی کو نہیں لکھتے بلکہ ان کاموں کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی لکھتے ہیں ۔

۵ ۔ " ورسلنا لدیھم یکتبون[3]" ہمارے فرشتے لوگوں کے ساتھ ان کے کاموں کو لکھنے پر مامور ہیں ۔

۶ ۔ " وکل شئ فعلوہ فی الزبر[4]" انھوں نے جو بھی کام انجام دیئے ہیں سب ان کے نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں ۔

۷ ۔ " وکل صغیر وکبیر مستطر[5]" ہر چھوٹا بڑا کام جو انھوں نے انجام دیا ہے لکھا جاتا ہے ۔

۸ ۔ " احصاہ اللہ ونسوہ[6]" خداوند عالم نے ان کے ایک ایک کام کو شمار کر رکھا ہے لیکن لوگوں نے اپنے کرتوتوں کو فراموش کر دیا ۔

نامۂ اعمال کا آشکار ہونا

" واذا الصحف نشرت[7]" اور جس دن نامۂ اعمال کھلیں گے اور چھان بین ہوگی ۔

---

۱ ۔ انبیا / ۹۴
۲ ۔ یٰس / ۱۲
۳ ۔ زخرف / ۸۰
۴ و ۵ ۔ قمر / ۵۲ و ۵۳
۶ ۔ مجادلہ / ۶
۷ ۔ تکویر / ۱۰

۲۔ " و برزوا للہ جمیعاً"[1] اس دن تمام لوگ خدا کے سامنے اس کی عدالت میں حاضر ہوں گے کوئی بھی عمل یا فرد خدا سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۳۔ بدالھم ماکانوا یخفون[2]"، روز قیامت انسان کے تمام چھپے ہوئے کام آشکار ہو جائیں گے۔

۴۔ "ینبؤا الانسان بما قدم و اخر"[3] اس دن انسان ان کاموں سے بھی آگاہ ہو جائے گا جو اس نے خود انجام دیئے ہیں اور ان کاموں سے بھی آگاہ ہو گا کہ جس کی بنیاد چھوڑی ہے (اور اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی حق یا باطل راہ پر چلے ہیں) اور ایسے تمام افراد کا ثواب و عذاب میں شریک رہے گا جو اس کی بنا کردہ راہ پر چلے ہیں

دنیا میں اعمال کے لکھے جانے اور روز قیامت ان کے آشکار ہونے کے سلسلہ میں آیات قرآنی بہت زیادہ ہیں۔ اب ہم اصل بحث یعنی نامۂ اعمال کی تقسیم شروع کر رہے ہیں۔

چھان بین

قرآن فرماتا ہے کہ نیک بندوں کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا " واما من اوتی کتابہ بیمینہ[4] " وہ بڑا ہی خوش نصیب ہو گا کہ جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

لیکن گناہگاروں کے نامہ اعمال کے لئے قرآن نے مختلف قسم کی تعبیرات استعمال

۱۔ ابراہیم / ۲۱
۲۔ انعام / ۲۸
۳۔ قیامت / ۱۳
۴۔ الحاقۃ / ۱۹

کی ہیں ہم وہ سب بیان کرتے ہوئے آخر میں نتیجۂ بحث پیش کریں گے۔ (واللہ العالم)

۱۔ سورۂ (الحاقہ) میں ارشاد ہوتا ہے "... اوتی کتابہ بیمینہ... واوتی کتابہ بشمالہ[1]" نیکوکاروں کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں اور بدکار مجرموں کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۲۔ سورۂ انشقاق میں "بائیں ہاتھ" کے بجائے ارشاد ہوتا ہے: "اوتی کتابہ وراء ظھرہ[2]" گناہگاروں کا نامۂ اعمال ان کی پشت پر (چپکا) دیا جائے گا۔

۳۔ سورہ اسراء میں (نیک بندوں کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جانے کا ذکر کرنے کے بعد) ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں حقائق سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں نابینا محشور ہوں گے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں تینوں آیات میں نیک بندوں کے لئے ایک ہی جیسا انداز بیان ہے کہ ان کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ لیکن بدکاروں کے نامۂ اعمال کے سلسلہ میں تین مختلف تعبیریں استعمال ہوئی ہیں۔

شاید ان مختلف تعبیرات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا داہنے اور بائیں ہاتھ سے سعادت اور بدبختی مراد ہے علامہ طباطبائی مرحوم نے بھی کتاب "حیات پس از مرگ" میں یہی نتیجہ اخذ کیا ہے اور اس سلسلہ میں دلیلیں بھی پیش کیں ہیں کہ "دائیں اور بائیں" سے "حق و باطل" اور "سعادت و بدبختی" مراد ہے۔ ہم اس منزل میں اس عظیم اسلام شناس شخصیت "صاحب تفسیر المیزان" کی تحریر نقل کر دینا ہی بہتر سمجھتے ہیں علامہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے لوگوں کو اچھے اور برے دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے کبھی

---

[1] ۔ الحاقہ/۲۶
[2] ۔ انشقاق/۳
[3] ۔ اسراء/۷۲

ارشاد فرمایا "اصحاب الیمین و اصحاب الشمال"[1] "دائیں جماعت والے اور بائیں جماعت والے" لیکن کبھی دائیں اور بائیں جماعتوں کے بجائے ان کو "اصحاب المیمنۃ" و "اصحاب المشئمۃ"[2] "سعادتمند گروہ اور بدبخت گروہ کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

ایک اور جگہ بائیں جماعت یا بدبخت گروہ کے بجائے گمراہوں کی لفظ استعمال کی ہے[3]

نتیجہ: ان تمام آیتوں کو جمع کرنے کے بعد جو نتیجہ نکالا جا سکتا ہے وہ یہ کہ شاید قرآن میں دائیں اور بائیں جماعتوں سے اچھے اور برے، سعادتمند اور بدبخت گروہوں کی طرف کنایہ ہے اور ممکن ہے یہ آیتیں کہ جو کہتی ہیں کہ نیک بندوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دے دیں گے تو اس سے ظاہری معنی کے علاوہ دوسرے معنی بھی مراد ہوں۔ ظاہر ہے ہم اپنی زبان میں بھی جو یہ کہتے ہیں کہ مثلاً فلاں شخص بلند ہے اور فلاں پست ہے۔ تو اس سے صرف یہ مراد نہیں ہوتا کہ وہ کسی بلند جگہ پر رہتا ہے اس لئے بلند ہے یا فلاں کا مکان پستی میں ہے لہذا نیچے ہے بلکہ علمی مقام و منزلت، شہرت اور اقتصادی حالت وغیرہ کو بھی بلندی و پستی سے تعبیر کرتے ہیں بہرحال واقعیت جو بھی ہو ہم اس کے سامنے یقیناً سراپا تسلیم ہیں۔ خواہ اس سے مراد یہی ظاہری دایاں اور بایاں ہاتھ ہو یا اس سے سعادت اور بدبختی کی طرف کنایہ ہو۔

غم اور خوشی کا منظر

ہم نے ابھی عرض کیا کہ اس دنیا میں ہمارے تمام اعمال خدا کی طرف سے

---

[1] واقعہ/ ۲۷
[2] " / ۱۰
[3] " / ۹۲

مقرر کردہ فرشتوں کے ذریعہ لکھے جاتے ہیں۔

اور جب یہی لکھے ہوئے اعمال محشر میں سب کے سامنے رکھے جاتے ہیں تو بعض لوگوں کے لئے خوشی اور بعض لوگوں کے لئے روسیاہی کا باعث ہوں گے۔

وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں اور امام عادل و حقیقت کی پیروی کرتے رہے ہیں ان کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ "یوم ندعوا کل اناس بامامھم فمن اوتی کتابہ بیمینہ فاولئک یقرؤن کتابھم ولا یظلمون فتیلا[1]"

یعنی جس دن انسانوں کا ہر گروہ اپنے اسی رہبر کے ساتھ محشور ہوگا کہ جس کی دنیا میں پیروی کی ہے (پس الٰہی رہبروں کی راہ پر چلنے والوں کو) ان کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ لوگ اسے پڑھیں گے اور سرور ولذت حاصل کریں گے (اور سورہ الحاقہ کی بیسویں آیت کے مطابق آواز دیں گے: لوگو! آؤ اور ہمارا نامہ اعمال پڑھو ہماری نیکیاں دیکھو، وہ خوشی سے اپنی کھال میں نہ سمائیں گے۔)

جی ہاں! ان کو اپنی آخرت کی سعادت حاصل ہو جائے گی وہ معمولی ترین ظلم بھی نہ دیکھیں گے۔[2] اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دنیا میں قیامت کی فکر تھی لیکن اگر انسان نے رہبر و رہنما کے انتخاب میں غلطی کی معصوم اور عادل راہنماؤں کو چھوڑ کر اپنے زمانے کے فرعون و قارون کو اپنا رہبر بنایا اور ان ہی کے پیچھے بھاگتے رہے دنیا میں اندھوں کی طرح حقائق کو نہ دیکھا تو آخرت میں ان کی حالت قابل افسوس ہوگی اور ان کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دے دیئے جائیں گے۔[3]

---

[1] ۔ اسراء / ۷۱

[2] ۔ فتیل لغت میں اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ہوتا ہے

[3] ۔ المیزان ج ۱۳ صفحہ ۱۷۹ ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ کہ جن کو گمراہی اور گناہ کے سبب ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، غم و حسرت میں ڈوب جائیں گے اور فریاد کریں گے اے کاش ہمیں یہ نامۂ اعمال نہ دکھایا جاتا، اے کاش! ہم اسی شک و شبہ کی حالت میں اپنے انجام سے بے خبر رہتے کہ کم سے کم امید کی ایک کرن تو باقی رہتی۔ وائے ہو ہم پر کہ آج دنیاوی مال و دولت جاہ و حشمت حکومت و سلطنت کچھ بھی ہمیں نجات نہ دلا سکے ۔۔۔ سورہ الحاقہ میں اس غم و حسرت کا ماجرا پوری وضاحت کے ساتھ نظر آتا ہے[1]

نامۂ اعمال کی قسمیں ہیں

قرآنی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے دن تین قسم کی نامہ اعمال کی کتاب اور تحریریں ہوں گی۔

۱۔ ایک کتاب ہر شخص کے ذاتی و انفرادی اعمال سے مربوط ہوگی۔ قرآن مجید اس سلسلہ میں فرماتا ہے: "وکلّ انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیٰمۃ کتاباً یلقیٰہ منشوراً"[2] ہم ہر انسان کا نامہ اعمال اس کی گردن میں آویزاں کرتے جارہے ہیں اور روز قیامت اسی کتاب کو جس میں تمام چھوٹے بڑے اعمال لکھے ہوئے ہیں اس کے سامنے پیش کریں گے۔

۲۔ ہر قوم اور ہر گروہ کے لئے ایک الگ اجتماعی نامہ اعمال کی کتاب ہے: "کلّ امۃ تدعیٰ الیٰ کتابہا"[3] قیامت میں ہر قوم اور گروہ کو اس کے مخصوص

---

[1]۔ الحاقہ/ ۲۵، ۲۷، ۳۴

[2]۔ اسراء/ ۱۳ یہاں طائر سے عمل مراد ہے۔

[3]۔ جاثیہ/ ۲۸

نامۂ اعمال کے ساتھ بلایا جائے گا۔ (شاید یہ کتاب قوموں اور گروہوں کی فکری روش سے متعلق ہو)

۳۔ ایک کتاب میں تمام مخلوقات کے اعمال یکجا ثبت ہیں[1]۔

قیامت کی منزلیں

متعدد روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت میں پچاس منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک منزل اس دن کے مخصوص حالات یا انسان کے کیفیات اور اس کی ذمہ داریوں سے متعلق سوال و جواب سے مربوط ہیں۔ اور ان میں سے ہر منزل پر ٹھہرنے کی مدت ہزار ہزار سال ہے[2] (البتہ یہ مدت گمراہ و بدکار لوگوں کے لئے ہے۔ اس لئے کہ رسول اکرمؐ کی ایک حدیث کے مطابق مومنین کے لئے حساب کی مدت دنیا میں بس ایک واجبی نماز کے ادا کرنے کی مقدار کے برابر ہے[3])

ایک شخص نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: قرآن مجید میں کہیں کہیں ضد و نقیض جملے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت میں لوگوں کی منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ لوگوں کی زبانیں کھل جائیں گی، لوگ فریاد کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: قیامت میں متعدد مرحلے اور منزلیں ہیں ایک

۱۔ المیزان ج ۱۳ ص ۳۴۸

۲۔ بحارالانوار ج ۷ ص ۱۲۶ و ص ۱۲۷ علامہ طباطبائیؒ مرحوم نے بھی المیزان ج ۲۰ ص ۸ پر ایسی روایتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۔ بحارالانوار ج ۷ ص ۱۲۳

منزل میں زبانیں کھلی ہوں گی اور مشرکین جھوٹے دعوے کریں گے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین"[1]۔ یعنی خدا کی قسم! ہم نے دنیا میں شرک اختیار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جھوٹ بولنے کی وجہ سے اب ان کے لبوں پر مہر لگا دی جائے گی اور لب کے بجائے جسم کی کھال اور ہاتھ، پیر ان کی گمراہی اور گناہ کی گواہی دیں گے[2]۔

بنا برایں ایک مرحلہ فریاد و فغاں، لعنت و ملامت، دروغ و انکار کا ہے اور دوسرا مرحلہ مہر سکوت اور اقرار کا ہے۔ معلوم ہوا قیامت کی منزلیں الگ الگ ہیں جن کا قرآن نے مختلف عنوان سے ذکر کیا ہے آیتوں میں تضاد و تناقض نہیں ہے۔

ایک سوال

کیا قیامت میں بھی لوگ جھوٹ بولیں گے؟

جواب۔ علامہ طباطبائی مرحوم سورہ مجادلہ کی ۱۸ ویں آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جن کی دنیا میں جھوٹ بولنے کی عادت رہی ہے قیامت میں وہ اپنی دیرینہ عادت یک بیک ترک نہ کرسکیں گے لہٰذا وہاں بھی جھوٹ بولیں گے اور اس جھوٹ کے لئے قسمیں بھی کھائیں گے" یوم یبعثھم اللہ جمیعا فیحلفون لہ کما یحلفون لکم ویحسبون انھم علیٰ شیٔ[3]" روز قیامت جب سب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے یہ گمراہ لوگ جس طرح دنیا میں تمھارے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کے کام چلاتے تھے اسی

۱۔ سورۂ انعام/ ۲۱
۲۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۳۱۴
۳۔ سورۂ مجادلہ/ ۱۸

طرح قیامت میں خدا کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ حیلے، بہانے اور جھوٹ ان کے کچھ کام آجائیں گے[1]

البتہ جب دھیرے دھیرے محشر کے حالات سے آشنا ہو جائیں گے اور دیکھیں گے کہ ہر چیز سے پردہ اٹھ چکا ہے اور اب یہاں جھوٹ نہ چل سکے گا۔ لہٰذا سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے: "لا یکتمون اللہ حدیثا[2]" اس دن کوئی بھی چیز نہ چھپا سکیں گے اپنے تمام گناہوں کا کھل کر اعتراف کریں گے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انسان گرفتار ہو کر عدالت میں پیش ہوتا ہے تو پہلے سب چیزوں کا انکار کرتا ہے لیکن جب جرم و گناہ ثبوت، تصویریں اور گواہ وغیرہ سامنے آجاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اب انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے تو آسانی سے تمام چیزوں کا اقرار کر لیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ انسان اپنی دیرینہ جھوٹ بولنے کی عادت اور محشر کے نظام سے ناآشنائی کے سبب یہ سوچ کر کہ یہاں بھی جھوٹ بولنا مؤثر ہوگا، محشر میں پہلے جھوٹے دعوے کرے گا لیکن بہت جلد ہی حقیقتوں سے پردے اٹھا دیئے جائیں گے تمام چیزوں کا اقرار کرلے گا۔

یاد دہانی

حساب کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قیامت میں ایک گروہ کا حساب و کتاب بہت آسان اور معمولی ہوگا۔ ان سے زیادہ پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ ہم اس سلسلہ میں رسول خداؐ کی

۱۔ البتہ یہ آیت طاغوتی قوتوں کے حامیوں کے بارے میں ہے۔

۲۔ نساء/ ۴۲ ۔

ایک حدیث بھی بیان کر چکے ہیں کہ مومنین کے حساب و کتاب کی مدت میں ایک واجبی نماز کے ادا کرنے میں جو وقت لگتا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگی ان کے لئے کسی قسم کی تعطلی، پریشانی اور اضطراب نہ ہوگا۔

لیکن اگر اضطراب، وحشت اور حساب کی مدت میں زیادتی ہے تو وہ لوگوں کے گناہ و کفر اور خود اپنے گناہ کی وجہ سے ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر یہاں علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام آیات و روایات کی جمع بندی اور تفسیر کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کو نقل کر دیا جائے۔

آپ فرماتے ہیں: محسوس ہوتا ہے کہ قیامت میں تمام کافروں کے حساب و کتاب کی مدت ایک ہزار سال ہے (جیسا کہ سورہ سجدہ کی پانچویں آیت میں اشارہ ہوا ہے) لیکن بعض کفار کے حساب و کتاب میں (جو شاید معاشرہ میں کفر و فساد پھیلانے میں سرغنہ رہے ہیں) پچاس ہزار سال سے بھی زیادہ مدت لگ سکتی ہے۔ (سورۂ معارج کی پانچویں آیت کے مطابق) کفر و ظلم جتنا زیادہ ہوگا حساب کی مدت اتنی ہی طولانی ہوگی اور ایمان و تقویٰ جتنا زیادہ ہوگا حساب میں اتنی ہی آسانی ہوگی [۱]

ناکردہ اعمال کا حساب اور جزاء

اسلامی ثقافت میں انسانوں کے اعمال پر دہرے ثواب لکھتے جاتے ہیں۔

۱۔ وہ کام جو اس نے انجام دیئے ہیں۔

۲۔ وہ کام جو اس نے انجام نہیں دیئے لیکن انجام دینے کی فکر میں تھا، مزید

---

[۱]۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۱۲۸

وضاحت کے لئے یوں کہا جائے کہ دنیوی حقوق کے قوانین حقوق کے برخلاف کہ جن میں صرف ان ہی کاموں پر حکم لگایا جاتا ہے جو انجام پائے ہوں اور فکروں مقصدوں اور نیتوں کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اسلام نے ان کاموں کے لئے بھی کہ جو مرحلہ عمل سے گزرے ہیں اور وہ کام بھی کہ جو ابھی صرف دل و دماغ میں نیتوں اور فکروں کی حدوں تک پہنچے ہیں مرحلہ عمل میں نہیں آئے ہیں جزا معین کی ہے۔ اور اسی طرح تمام زمانوں اور نسلوں کے درمیان ایک مکتبی رشتہ قائم کر دیا ہے وہ یوں کہ اگر مشرق میں رہنے والا انسان کوئی اچھا یا برا کام انجام دے اور مغرب میں رہنے والا دوسرا انسان اس کام سے خوشی یا ناراضگی کا اظہار کرے تو اس کے لئے بھی اجر و ثواب کا باب کھلا ہوا ہے۔ اور انصاف پر مبنی عدالت الٰہیہ میں جزا و سزا کے وقت اسے بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ دینی رشتہ علاوہ اس کے کہ انسانی زندگی کی تعمیر میں خاصا کردار ادا کرتا ہے درونی طور پر بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ ایک طرف تو ہر لحہ بدکردار انسان کا ضمیر اور ذہن اس کی ملامت کرے گا اگر فکری طور پر بھی کسی کے گندے اور بیہودہ عمل پر راضی رہے تو اس کے عمل میں شریک قرار پائے گا اور دوسری طرف راہ سعادت و کمال کے خواہش مند انسانوں کو بشارت دے گا کہ اگر فلاں اچھے کام کی انجام دہی میں حسب خواہش کامیابی نہ بھی ملی تو ناراضگی کی کوئی بات نہیں خداوند عالم تمہارے اس پاکیزہ فکر و خواہش کی بنیاد پر ہی تم کو جزا عطا کرے گا۔

اس مسئلہ کے مزید وضاحت کے لئے قرآنی آیات اور ائمہ معصومین سے مروی روایات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سورہ آل عمران کی ۱۸۳ ویں آیت کے ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے خطاب کرکے فرماتا ہے: "فلم قتلتموھم" تم لوگوں نے گزشتہ پیغمبروں (جناب یحییٰ اور زکریا علیہما السلام)

کو کیوں شہید کر ڈالا؟ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ان پیغمبروں کے قاتلوں اور رسول اسلامؐ کے زمانے کے یہودیوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے[1]

جی ہاں! سیکڑوں سال پہلے ان کے آباؤ اجداد نے ان پیغمبروں کو قتل کیا لیکن چونکہ صدیوں کے بعد آنے والی نسلیں اپنے آباؤ و اجداد کے اعمال و رفتار سے راضی تھیں ان کو بھی خداوند عالم نے اپنے عتاب کا نشانہ بنایا ہے یہاں تک پیغمبر کشی کی نسبت ان کی طرف دیتے ہوئے بازپرس کی ہے کہ تم نے پیغمبروں کو کیوں قتل کیا؟ اور روز قیامت بھی اپنے اس ناکردہ گناہ کا جواب دینا پڑے گا کیونکہ وہ قاتلین سے راضی تھے۔

۲۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کا اونٹ آپ کی عظیم نشانیوں میں سے تھا اور آپ کا معجزہ تھا[2]۔ اور قدرت کی اس عظیم نشانی کو ایک مرد نے ختم کر دیا تھا لیکن خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ جناب صالحؑ کے تمام مخالفوں نے اونٹ کو مار ڈالا "فعقروھا"[3] اس کی علت یہ ہے کہ تمام مخالفین اُس ایک انسان کے کام سے راضی تھے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے: ایھا الناس انما یجمع الناس الرضا والسخط و انما عقر ناقة ثمود رجل واحد فعمھم اللہ بالعذاب لما عموہ بالرضا" ایک فرد کے عمل پر تمام لوگ عتاب الٰہی کا شکار ہوئے[4]۔ جی ہاں! وہ لوگ جو اس عظیم گناہ پر راضی تھے ان کو قیامت میں اپنے ناکردہ فعل کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر وہ شخص جو مقام گناہ پر موجود ہو لیکن قلب سے گناہ کا مخالف ہے وہ غائب کی منزل میں ہے۔ لیکن ہر وہ غائب جو قلباً گناہ

۱۔ المیزان ج ۴ ص۸۵ بحث روایات میں آل عمران کی آیت ۱۸۳ کے ذیل یہ حدیث کافی سے نقل ہوئی ہے۔
۲۔ اس لئے کہ اس اونٹ کو خاص طریقہ سے خلق کیا تھا اور مختلف خصوصیات کا حامل تھا۔
۳۔ ہود/۶۸
۴۔ نہج البلاغہ فیض اسلام ص۶۵ خطبہ ۱۹۳ مادہ رضا کے ذیل میں یہ جملہ سفینۃ البحار میں بھی موجود ہے۔

پر راضی ہو گویا وہ وہاں حاضر رہا ہے۔ جی ہاں حاضر و غائب ہونا صرف جسم پر منحصر نہیں ہے بلکہ گناہ میں واقعی شرکت[1] اور حاضر و غائب ہونا قلبی رضا اور نفرت سے مربوط ہے۔[1]

۴۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: اگر کوئی شخص مشرق میں مارا جائے لیکن مغرب میں رہنے والا کوئی انسان اس قتل پر راضی ہو تو خدا کے نزدیک وہ راضی انسان بھی قاتل کی طرح مجرم جانا جائے گا۔[1]

۵۔ حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں سے کسی نے جنگ میں فتح کے بعد کہا اے کاش! میرا بھائی بھی زندہ ہوتا اور ہماری فتح یابی دیکھتا۔ امام نے فرمایا: اگر اس کا دل ہمارے ساتھ ہے تو گویا وہ اس جنگ اور فتح میں ہمارا شریک ہے اور اس سے بڑھ کر امام نے فرمایا: صرف تمہارا بھائی ہی نہیں بلکہ اس فتح میں وہ لوگ بھی شریک ہیں کہ جو ابھی اس عالم ہستی میں نہیں آئے ہیں[2]۔ یہ اسی اسلامی فکر و نظر کی بناء پر ہے جس نے ہر عصر و نسل کے انسانوں کے درمیان ایک دینی رشتہ قائم کر کے تمام مادی علاقائی زمانی اور نسلی سرحدوں کو مٹا دیا ہے۔

توجہ:

اب ہم قلبی طور سے رضا اور خوشی و ہمدردی اور ہمفکری کے ذریعہ ان تمام امور خیر میں جو طویل تاریخ کے دوران اللہ کے نیک بندوں کے ہاتھوں انجام پائے ہیں، برابر کے شریک ہو سکتے ہیں۔ افسوس کا مقام اگر ہم صرف اپنی آج کی خوشی و آرام کو مد نظر رکھیں اور وہ تمام بلند افکار و عالی اہداف جو طول تاریخ میں نیک انسانوں کی سعادت و کامیابی

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۱ تفسیر نمونہ سے نقل کیا ہے۔

[2] نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۶۳ خطبہ ۱۲ -

اور نجات کا سبب بنے ہیں ان میں شرکت کی نیت خیر سے محروم رہ جائیں۔

۶۔ زیارت عاشورا میں ہے کہ: خدا ان پر لعنت کرے کہ جنھوں نے خبر شہادت امام حسین علیہ السلام سنی لیکن اس پر راضی تھے اور طاغوتی نظام کے خلاف کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کیا۔

۷۔ کتاب جامع السعادات میں ایک حدیث کے ضمن میں ہے کہ روز قیامت جب غیبت کرنے والے کا نامہ اعمال اس کے ہاتھوں دیں گے تو وہ پوچھے گا: ہم نے جو کار خیر انجام دیئے تھے وہ کیوں اس میں نہیں ہیں؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ غیبت کرنے کی وجہ سے تمھارے اعمال صالحہ دوسروں کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے گئے اور اس کے برعکس بعض لوگوں کے نامہ اعمال میں ایسی نیکیاں لکھی ہوں گی کہ جو انھوں ہرگز نہیں کی تھیں وہ لوگ بھی پوچھیں گے: ہم نے تو یہ اعمال انجام ہی نہیں دیئے! جواب ملے گا کہ تمھاری غیبت کرنے والوں کے اعمال صالحہ ان کے نامہ اعمال سے کاٹ کر تمھارے نامہ اعمال میں لکھ دیئے گئے ہیں

مختصر یہ ہے کہ قیامت کے دن ہمیں بعض ایسے کاموں کے سلسلہ میں بھی جواب دہ ہونا پڑے گا کہ جو خود ہم نے انجام نہیں دیئے ہیں بلکہ یا تو ان پر راضی رہے ہیں یا دوسروں سے مربوط اپنے بعض گناہوں اور لغزشوں کے سبب دوسروں کے اعمال خیر و شر ان کے اعمال سے اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لئے ہیں۔

ان سب کے علاوہ کبھی کبھی ہمارے کاموں کے کچھ ایسے آثار مرتب ہوتے ہیں کہ قیامت میں ان آثار کے سلسلہ میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ قرآن کا ارشاد ہے "ونکتب ما قدموا و آثارھم"[1] ہم لوگوں کے کاموں کو بھی لکھتے ہیں اور ان پر جو آثار (خیر و شر) مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی لکھنے

۱۔ سورہ یٰسٓ / ۱۲

ہیں۔ مثلاً کبھی آپ اپنی نصیحت سے کسی انسان کو گمراہی سے راہ نجات پر لگادیں اور وہ بھی سیکڑوں افراد کی ہدایت کرے تو روز قیامت خداوند عالم آپ کو صرف ایک فرد کی ہدایت کی جزا اور ثواب نہیں دے گا بلکہ اس کی ہدایت کی جزا کے ساتھ ساتھ اس انسان کے ذریعہ بالواسطہ ہدایت پانے والے سیکڑوں افراد کی بھی جزا دے گا۔ یہی حال گناہوں کا بھی ہے اس پر بھی اسی طرح آثار مرتب ہوتے رہتے ہیں۔

کچھ لاجواب سوالات

روز قیامت بعض ایسے سوالات بھی ہوں گے کہ انسان کے پاس شرمندگی اور روحی تکلیف کے علاوہ اس کا کوئی جواب نہ ہوگا منجملہ:

۱۔ خدا کے شریک کہاں گئے: قرآن مجید کی متعدد آیتیں بتلاتی ہیں کہ روز قیامت خداوند عالم مشرکین سے اوران لوگوں سے جنھوں نے وحدہٗ لاشریک اور اس کے قوانین کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کی ہے۔ اوران کے قوانین پر چلے ہیں یا خدا کی لامتناہی قدرت کے علاوہ کسی اور سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ سوال کرے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں کہ جنھیں تم نے دنیا میں میرا شریک بنایا تھا۔ "این شرکائی"[۱]۔

دوسری جگہ ان لوگوں سے خطاب ہوتا ہے: قیل ادعوا شرکائکم فدعوهم فلم یستجیبوا لهم[۲]، قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائے گا (اپنے خود ساختہ) شریکوں کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ وہ لوگ پکاریں گے بھی مگر ان کو کوئی جواب نہ ملے گا۔

---

[۱]۔ یہ تعبیر قرآن میں چار مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ سورہ نحل/۲۷ سورہ قصص/۶۲ و ۷۴، فصلت/۴۷

[۲]۔ قصص/۶۴

۲۔ بندوں کا مہلت مانگنا۔ قیامت میں انسان کے پاس جن سوالوں کا کوئی جواب نہ ہوگا ان میں سے ایک یہ سوال بھی ہے کہ جب کفار اور گنہگار جہنم میں خداوند عالم سے ایک اور مہلت کی درخواست کریں گے کہ ان کو دنیا میں دوبارہ پلٹا دے تو آواز لگائیں گے: پروردگار! ہمیں ان دہکتے ہوئے آگ کے شعلوں سے نجات دے دے کہ ہم پلٹ کر نیک کام کر سکیں اس وقت فرمائے گا کیا میں نے تمھیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ عبرت حاصل کرنے والے نصیحت و عبرت حاصل کر سکیں؟! "اولم یعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر"[1] لیکن انسان اس سوال کے سلسلہ میں کوئی جواب نہ دے سکے گا اس لئے کہ وہ دیکھے گا اس نے کئی سال زندگی گزاری اور اگر وہ چاہتا تو چند لمحوں میں اپنے آپ میں آکر اپنے گناہوں سے توبہ کرکے منحرف راہوں سے دست بردار ہو سکتا تھا۔ سورہ یٰس میں ہے کہ پروردگار انسانوں سے پوچھے گا کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا[2] لیکن اس سوال کا بھی شرمندگی اور خجالت کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔

۱۔ سورہ فاطر/۳۷

۲۔ یٰس/۶۰

قیامت اور اس کے گواہ

قیامت کے اہم مسائل میں سے ایک مختلف گواہوں کا وجود ہے اگرچہ خدا کو شاہد و گواہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن انسان ایسا ہے کہ وہ جتنا زیادہ گواہوں کے وجود کو محسوس کرتا ہے اتنا ہی اسے اپنی تربیت و تقویٰ کے لئے اہم عامل و سبب پاتا ہے۔ نمونے کے طور پر ہم آپ کی توجہ ایک واقعہ کی طرف مبذول کرتے ہیں۔

جناب عقیل ایک دن حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنے حصے سے زیادہ مال کا مطالبہ کیا حضرتؑ نے انھیں جمعہ کے دن بلایا۔ جناب عقیل جب اس دن پہنچے تو حضرتؑ ان کا ہاتھ پکڑ کر نماز جمعہ میں لے گئے اور اس جم غفیر کی طرف متوجہ کراتے ہوئے فرمایا: بیت المال سے حصہ سے زیادہ دینا یعنی اتنے لوگوں کا حق چوری کرنا ہے۔ جناب عقیل نے اس مجمع پر نظر ڈالی اور اپنی درخواست پر پشیمان ہو کر چلے گئے۔ واقعاً گواہ جتنے زیادہ ہوتے ہیں شرمندگی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، اس کو سمجھنے کے لئے یہ مثال غیر مناسب نہ ہوگی۔

انسان کبھی تنہائی میں چھینکتا ہے اور اس کو کسی قسم کی شرمندگی نہیں ہوتی لیکن اگر یہی چھینک لوگوں کے درمیان آجائے تو وہ تھوڑا شرمندہ ہوگا اور جب ٹیلی ویژن پر چھینکے تو اسے بہت شرمندگی ہوگی اور وہ لوگوں سے معذرت خواہی بھی کرے گا۔ خود چھینک میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن جس چیز نے اسے شرمندہ کیا وہ لوگوں کی نگاہیں ہیں کہ دیکھنے والے جتنے زیادہ ہوتے ہیں انسان اتنی ہی زیادہ شرمندگی کا احساس کرتا ہے اور قہری طور خود کو قابو میں رکھنے کی زیادہ کوشش کرتا ہے۔

اس مقدمہ کے بعد ہم اصل بحث شروع کرتے ہیں قیامت کے گواہ متعدد ہیں قرآن ارشاد فرماتا ہے: "ویوم یقوم الاشہاد"[1]

لیکن یہ شاہد اور گواہ کون ہیں؟ قرآن کریم کی آیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا گواہ خدا

ہم قرآن میں پڑھتے ہیں: "انّ اللہ علیٰ کلّ شیئ شہید"[2] بلاشبہ خدا ہر شئے پر گواہ ہے خدا کے لئے اس سے ملتے جلتے دوسرے اوصاف بھی بیان ہوئے ہیں جو سب کی سب اس کے احاطہ اس کے حضور، علم اور اس کی گواہی پر دلالت کرتے ہیں: مثلاً "انّ اللہ علیکم رقیبا"[3] یعنی بے شک اللہ تم سب کا نگراں ہے۔

۱۔ سورہ مومن/۵۱

۲۔ سورہ حج/۱۷

۳۔ سورہ نساء/۱

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "وکان اللہ بکل شئ محیطا[1]" یعنی اللہ ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔ علم خدا کے سلسلے میں بہت سی آیتیں نظر آتی ہیں لہٰذا دنیا و آخرت میں سب سے پہلا گواہ خداوند عالم ہے۔

دوسرے گواہ انبیاء

قیامت کے دوسرے گواہ انبیا ہیں قرآن کا ارشاد ہے: "وجئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا[2]" اے پیغمبر ہم آپ کو قیامت میں لوگوں کا گواہ بنا کر بلائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ویوم نبعث فی کل امۃ شھیداً علیھم من انفسھم وجئنا بک شھیداً علیٰ ھٰؤلاء[3]" اور قیامت کے دن ہم ہر گروہ کے خلاف انھیں میں کا ایک گواہ اٹھائیں گے اور اے پیغمبر آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لے آئیں گے۔

لہٰذا قیامت میں ہر امت کا گواہ اس امت کا پیغمبر ہوگا اور تمام انبیا کے گواہ و شاہد خود حضرت پیغمبر اکرمؐ ہیں۔

سوال

جب انبیاء روز قیامت لوگوں کے افعال کی گواہی دیں گے تو پھر جب خدا ان سے پوچھے گا کہ تمھاری امت نے کیا کیا تو وہ یہ جواب کیوں دیں گے کہ "لاعلم لنا[4]" ہم نہیں جانتے کیا جو علم نہیں رکھتا وہ شاہد و گواہ بھی ہو سکتا ہے؟

1۔ نساء/۱۲۶
2۔ نساء/۴۱
3۔ نحل/۸۹
4۔ مائدہ/۱۰۹

جواب

ایک تو یہ کہ انبیاء کا علم اللہ کی جانب سے ہے دوسرے اگر ایک بچہ ایک پہلوان سے کہے میں طاقت نہیں رکھتا یا شاگرد اپنے استاد سے کہے کہ میں علم نہیں رکھتا، یہ تعبیر ایک طرح کے ادب اور احترام کے لحاظ سے ہے۔ علم انبیا، علم خدا کے مقابلے میں ایسا ہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ سرے سے علم ہی نہیں رکھتے اگر بالکل ہی علم نہ رکھتے ہوتے تو قرآن کے ارشاد کے مطابق اکثر اپنی امت کی بدسلوکی کی شکایت کیوں کرتے۔

تیسرے گواہ ائمہ معصومینؑ

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا[۱]" ہم نے تم کو درمیانی اور معتدل امت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور پیغمبر تم پر گواہ رہیں۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی امت کے تمام افراد میں وہ عدالت و اعتدال اور لیاقت و آگاہی جو ایک گواہ کے لئے لازم و ضروری ہے نہیں پائی جاتی اسی بنا پر اس آیت میں امت سے مراد بعض افراد ہیں تمام افراد نہیں جیسا کہ قرآن کی مدح "اشداء علی الکفار" ہر اس شخص کو شامل نہیں ہے جو پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ تھے کیونکہ منافقین بھی آپ کے ساتھ تھے اور چونکہ اسلامی امت کے بہت سے افراد گناہ اور فسق و فجور کی بنا پر ایسے ہیں کہ اس دنیا کی جھوٹی سے جھوٹی عدالت میں بھی ان کی گواہی قانونی حیثیت نہیں رکھتی تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کے سب افراد شہادت

۱۔ سورہ بقرہ/۱۴۲

اور گواہی دینے کے لائق ہیں وہ بھی قیامت جیسے عظیم دن میں! خدائے عزّ و جلّ کے سامنے اور وہ بھی تمام انسانوں کے سارے اعمال سے متعلق! حقیقت یہ ہے کہ عقل ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ یہاں امت سے مراد صرف وہ چند افراد ہیں جن میں شہادت و گواہی کے شرائط پائے جاتے ہیں۔ یعنی

۱۔ وہ انسانوں کے درمیان ان کے ہمراہ اور ان کے کارناموں سے واقف ہیں۔

۲۔ ان میں ایسی خصوصی عدالت پائی جاتی ہے کہ گواہ بننے میں کسی لغزش کا شکار نہ ہو سکیں۔

۳۔ ان افراد کی اہمیت اور لیاقت روز قیامت کی عظمت سے مناسبت رکھتی ہو

خلاصہ یہ کہ عدالت الٰہی کا شاہد و گواہ اولیاء خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ جی ہاں! یہ سب ہمارے مذہبی وجدان اور عقل کی ہدایت اور دین ہے۔

اب روایات کو دیکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ معصومین ؑ نے اس آیت کے سلسلے میں کیا فرمایا ہے "تفسیر صافی" میں "کافی" سے ایک حدیث نقل ہے جس میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: وہ امت وسط (جو شاہد اور گواہ ہے) صرف ہم ہیں[۱]۔ اسی کتاب میں سورہ نساء کی اکتالیسویں آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر زمانے میں ایک امام ہے جو لوگوں پر شاہد و گواہ ہیں۔

چوتھے گواہ فرشتے

خداوند عالم فرماتا ہے: "وجاءت کل نفس معها سائق و شهيد[۲]۔

۱۔ تفسیر صافی سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۳ کی تفسیر کے ذیل میں
۲۔ ق/۲۱

یعنی قیامت کے دن ہر انسان عدل الہی کی بارگاہ میں یوں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک ایسا فرشتہ ہوگا جو اسے محشر کی طرف لے جا رہا ہوگا اور ایک ایسا فرشتہ ہوگا جو اس کے اعمال کا شاہد و گواہ ہوگا۔

جو فرشتے قیامت میں انسان کے اعمال کے گواہ ہیں ممکن ہے یہ وہی فرشتے ہوں جو اس دنیا میں ہمارے اعمال لکھنے پر مامور کئے گئے ہیں اور ممکن ہے سارے فرشتے ہوں۔

پانچویں گواہ زمین

ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں: یومئذ تحدث اخبارھا[۱] "یعنی زمین قیامت کے دن (اپنے سینے میں دفن) خبریں بیان کر دے گی۔ اس دن زمین کی گواہی یا تو اس کی اس کیفیت اور نظام سے معلوم ہو جائے گی جو اس کے اندر پیدا ہوتی ہے جس طرح ہم کسی کی آنکھ دیکھ کر اس کے نہ سونے یا چہرہ کا رنگ دیکھ کر خوف و وحشت اور خوشی و غم کی کیفیت معلوم کر لیتے ہیں اس دن زمین بھی سخت زلزلے سے دوچار ہوگی پہاڑوں کا اپنی جگہ سے اکھڑ کر حرکت کرنا، آپس میں ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور پھر ریزہ ریزہ ہو جانا۔ ہمارے سامنے بہت سی کیفیتوں کی خبر دے دیں گے اس دن کی حالت اور نظام سے ہمارے سامنے اسی طرح مطالب عیاں ہو جائیں گے جس طرح درخت کے تنے کٹنے کے بعد اس تاریخ کی نشاندہی کر دیتے ہیں جس دن اس پر آرا چلایا گیا ہے جس طرح تحریریں کاتب تحریر کا پتہ دیتی ہیں۔ جی ہاں! یہ تمام موجودات خود اپنے وجود میں معلومات کے ذخیرے رکھتے ہیں ہم سے بات کرتے ہیں

۱۔ زلزال / ۴

گواہیاں اور شہادتیں دیتے ہیں اس لحاظ سے زمین کی گواہی سے مراد اس کا بولنا اور گفتگو کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی وہ کیفیتیں مراد ہیں جو زبان حال سے سب کچھ بیان کر رہی ہوں گی ۔

پھر زمین کے گواہ ہونے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اپنی قدرت سے اس کے حصے میں قوت گویائی پیدا کر دے گا اور یہ کام بھی ہمارے لئے ناقابل درک نہیں ہے اس لئے کہ جو قدرت وارادہ اس دنیا میں عصائے موسیٰ کو جو ایک بے حس وحرکت جمادی شئے ہے اژدہا کی صورت میں آنکھ، دُم، اور ڈنک وغیر کا حامل بنا سکتا ہے اور جو قوت وطاقت اس دنیا میں بے جان سبزہ، سبزے سے گوشت پوست اور نطفہ پھر اس نطفہ سے ایک ایسا انسان وجود میں لا سکتی ہے جو چند دنوں کے بعد بولنے لگتا ہے اس دن ان طویل زنجیروں کی کڑیاں توڑ کر آہستہ روی کو سرعت رفتار عطا کر دے گا جمادات کو شعور اور خاموشی کو گویائی مل جائے گی جاہل آشنا ہو جائیں گے۔ "انّ الدار الآخرۃ لھی الحیوان"[۱] بے شک آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی کا مرکز ہے ۔

اس معنی میں زمین کی گواہی سے اس کا واقعی بولنا اور گفتگو کرنا مراد ہو سکتا ہے ۔

سچ بتایئے ہم کتنی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں کہ ایک کیسٹ جیسے ہی بجلی سے متصل ہوا ہم سے باتیں کرنے لگتا ہے لیکن یہ زندگی کا کیسٹ جو دوران حیات اس دنیا میں تمام عمر چلتا رہا ہے کیا ارادہ خدا سے قوت حاصل کرنے کے بعد قیامت میں نہیں بول سکتا۔

آخر کلام میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں: امام علیہ السلام فرماتے ہیں نمازیں مختلف جگہوں پر پڑھا کرو کیوں کہ جگہیں بھی قیامت کے دن تمھارے اعمال کی گواہی دیں گی۔[۲]

۱۔ عنکبوت/۶۴

۲۔ علل الشرائع نقل از حیات پس از مرگ علامہ طباطبائی ۔

حدیث میں ہے پیغمبر اسلام جس جگہ جاتے تھے دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے: یہ جگہ ہماری نماز کی گواہی دے گی۔[1]

چھٹا گواہ وجدان

اس دن کے گواہوں میں انسان کا بیدار ضمیر، وجدان عقل اور کھلی ہوئی آنکھیں بھی ہیں۔ قرآن میں بہت سی آیتیں بھی ہیں جن میں اشارہ ہے کہ انسان بارہا صریحی طور پر اپنے انحراف و گناہ کا اقرار کرتا ہے دل کی پوری گہرائیوں کے ساتھ اقرار ایسا اقرار جو شاید ہر گواہ سے زیادہ سوز گداز کا حامل ہو، اور لطف یہ ہے کہ خداوند عالم اس دن اسی وجدان کو قاضی قرار دیتے ہوئے انسان سے خطاب فرمائے گا۔ اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا[2] اپنے عمل کی کتاب کو پڑھو آج کے دن تمھارے حساب کے لئے یہی کتاب (یعنی تمھارا نفس تمھاری روح جو تمھارے خلاف گواہی دے رہی ہے) کافی ہے بالفرض اس دن کوئی عدالت اور کوئی دوسرا گواہ بھی ہو تو خود یہ پورا وجود ہمارے خلاف گواہی دے گا حقیقت بھی یہی ہے سگریٹ پینے والا جب تنگی نفس کے سبب کھانستا ہے اگر اس وقت اس سے کوئی کچھ نہ کہے تو خود وہی سانس کی گھٹن اور کھانسی کا ہر دورہ جو منشیات کے استعمال کے سبب آتا ہے اس بری عادت کی ملامت کرتے ہوئے "سگریٹ مردہ باد" کا نعرہ لگائے گا۔

مناجاتوں میں ملتا ہے معصومین فرماتے ہیں: خدایا جب تو میرا حساب (نامۂ اعمال) خود میرے سامنے باز کرتا ہے تو خود مجھے اس میں تیرے قہر و غضب اور آتش جہنم کے سوا کچھ نہیں نظر آتا۔

---

[1] المیزان ج ۶ ص ۳۳۷

[2] اسراء/۱۴

ساتواں گواہ اعضائے بدن

قیامت کے گواہوں میں اعضائے بدن (ہاتھ، پیر، زبان وغیرہ) بھی ہیں قرآن کہتا ہے "یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون[1]" قیامت کے دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں سب گواہی دیں گے کہ یہ کیا کر رہے تھے۔

اور کبھی زبان خاموش ہوگی صرف ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے" الیوم نختم علیٰ افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون[2]" آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ کیسے اعمال انجام دیا کرتے تھے۔

دوسری آیت میں ہے: شھد علیھم سمعھم و ابصارھم و جلودھم بما کانوا یعملون[3]" ان کے کان ان کی آنکھیں اور بدن کی کھالیں سب ان کے (دنیوی) اعمال کی گواہی دیں گے۔

لطف یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھ کان وغیرہ کو گواہی دیتے ہوئے دیکھے گا تو بڑی ہی ندامت کے ساتھ ان سے کہے گا آج کیوں تو نے ان شرم انگیز گناہوں کو فاش کر دیا جو میں نے تیرے توسط سے انجام دیئے تھے۔ ؟!

۱۔ نور/۲۴
۲۔ یٰس/۶۵
۳۔ فصلت/۲۰

" وقالوا لجلودهم لما شهدتم علينا[1]" وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دے دی تو وہ (بدن کی کھالیں) جواب دیں گی ہمیں اسی خدا نے گویا بنا دیا ہے جس نے سب کو گویائی عطا کی ہے[2]

علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اعضا کی گواہی اسی وقت واقعیت کی حامل کہی جائے گی جبکہ سارے اعضا اس دنیا میں باشعور اور انسان کے اعمال سے آگاہ ہوں ورنہ اگر خداوند عالم قیامت کے دن ان کو شعور و آگاہی اور بولنے کی صلاحیت دے گا تو وہ گواہ نہیں بن سکتے کیونکہ شاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمل کے وقت حاضر بھی ہوں اور عالم بھی تا کہ وہ واقعہ کو دیکھ اور سمجھ کر ایک روز گواہی دے سکے اس لحاظ سے ہمارے تمام اعضاء ایک طرح کا علم و آگاہی اور شعور رکھتے ہیں چاہے ان کے علم و شعور اور ہمارے علم و شعور میں فرق ہی کیوں نہ ہو[3]

قرآن دوسری جگہ کہتا ہے: ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا[4] جس چیز کا تمھیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جاؤ کیونکہ روز قیامت سماعت، بصارت اور قوت قلب ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ آنکھ اور کان سے سوال کا مطلب خود صاحبان گوش و چشم سے سوال کرنا ہے لیکن دوسری آیتوں پر نظر ڈالنے کے بعد جو یہ کہتی ہیں کہ قیامت کے دن خود اعضا گواہی دیں گے، آیت کے خلاف ظاہر معنی مراد لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

کافی میں ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ قیامت میں اعضا کی گواہی صرف فاسقوں اور ان

---

[1] اور [2] فصلت/۲۱

[3] المیزان ج ۱۷، ص ۴۰۲

[4] اسراء/۳۶

مجرموں سے مخصوص ہے جس کے لئے عذاب الٰہی کا مزہ چکھنا ضروری ہے مومنین کے لئے ان گواہوں کی ضرورت نہیں ہے ان کو صرف داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اور اسی پر خوشی سے جھوم اٹھیں گے اور یوں آواز دیں گے کہ لوگ آئیں اور ان کے نامۂ اعمال کو پڑھیں[1]

آٹھواں گواہ زمانہ

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "ما من یوم یمر علی ابن آدم الا قال لہ ذالک الیوم انا یوم جدید و انا علیک لشھید... اشھد لک بہ یوم القیامۃ"[2] انسان کا کوئی بھی دن نہیں گزرتا لیکن یہ کہ وہ اس کو متنبہ کرتا ہے کہ میں آج تیرے لئے نیا دن ہوں اور اس دن جن کاموں کو تو انجام دے گا میں اس کا گواہ ہوں گا اور قیامت میں شہادت دوں گا۔ لہٰذا سعادت ابدی کے حصول کے لئے کار خیر انجام دے کر اس دن سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ۔

امام زین العابدین علیہ السلام صحیفۂ سجادیہ کی چھٹی دعا میں فرماتے ہیں: ھذا یوم حادث جدید وھو علینا شاھد عتید "آج کا دن نیا دن آیا ہے جو روز قیامت ہمارے ان کاموں کی گواہی دے گا جو ہم اس دنیا میں انجام دیں گے۔

نواں گواہ عمل

قیامت کے گواہوں میں ایک خود انسان کے اعمال و کردار ہیں جو قیامت کے دن

ا۔ کافی نقل از تسلیۃ الفواد ص۱۸۱

۲۔ نور الثقلین ج ۵ ص۱۱۲

مجسم ہو کر انسان کے سامنے آئیں گے۔ جب اس نظام کے تحت عمل اپنے آپ کو اس طرح مجسم پیش کر دے گا تو پھر انکار کی گنجائش ہی نہ رہے گی۔

ہمارے یہ سب کام جو دنیا میں مختلف صورتوں سے انجام پاتے ہیں آخرت میں ایک دوسری حقیقی شکل میں سامنے آئیں گے مثلاً یہاں کسی نے ایک شخص کی غیبت کی تو یہ زبان کے ذریعہ کسی کو ڈسنا اور دنیا میں طنز و تشنیع کرنا آخرت میں ایک دوسری صورت اختیار کرے گا، وہاں زبان اتنی زیادہ باہر لٹک آئے گی کہ زمین تک پہنچ جائے گی اور اس کو اپنے قدموں سے روندیں گے۔ جی ہاں! دنیا میں زبان درازی، آخرت میں زبان کے لمبی ہو کر باہر لٹک آنے کا سبب ہے اور یہ ایک قسم کا تجسم عمل ہے۔

دنیا میں ایسے افراد ہیں جو مال و دولت ذخیرہ کرتے ہیں اور محروموں کی خبر نہیں لیتے سیکڑوں فقیروں کے دل بے سروسامانی کی آگ میں جلتے ہیں قیامت کے دن وہی (ذخیرہ کئے ہوئے) سونے چاندی کے سکے (درہم و دینار و ڈالر وغیرہ) آتش جہنم میں تپا تپا کر ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت پر داغے جائیں گے[1] جی ہاں ایسی مال و دولت جو دنیا میں دوسروں کے دلوں کو جلا رہی تھی آخرت میں خود اپنے مالک کو جلا دے گی۔ وہاں کا جلنا یہاں جلانے کا بدلہ ہے اور یہ خود ایک قسم کا تجسم ہے۔

وہ افراد جو ربا اور سود خوری کی وجہ سے سماجی معاشرتی اور اقتصادی نظام کو غیر متوازن کرتے ہیں قیامت میں بھی پیٹ بڑا ہو جانے کی وجہ سے ان کا اعتدال و توازن بگڑ جائے گا اور وہ حرکت کرنے اور کھڑے ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھیں گے[2]

شاعر کہتا ہے:- از مکافات عمل غافل مشو ـ اگتا ہے گیہوں سے گیہوں جو سے جو

---

[1]۔ سورہ توبہ / ۳۵

[2]۔ بقرہ / ۲۷۵

جی ہاں! یہ گیہوں کی بالیاں وہی ہیں جو کسان نے بوئی تھیں قیامت میں اسی طرح عمل کی بالیاں مجسم ہو کر سامنے آتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ "الدنیا مزرعة الآخرة" دنیا آخرت کی کھیتی ہے

تجسم عمل کا مسئلہ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر ذکر ہوا ہے ان میں سے چند کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ یوم "تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا"[1]، وہ دن جب ہر نفس اپنے نیک اعمال اپنے سامنے حاضر پائے گا۔

۲۔ "ووجدوا ما عملوا حاضرا"[2]۔ قیامت کے دن تمام لوگ اپنے دنیوی اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔

۳۔ "ولا تجزون الا ما کنتم تعملون"[3]۔ اور تم کو وہی جزا اور بدلا دیا جائے گا جو تم خود اپنے اعمال کی جھولیوں میں بھرے ہیں۔

۴۔ "یحملون اوزاهم علی ظهورهم"[4] وہ گناہ جو عمل و قوت کی صورت میں انسان نے انجام دیئے ہیں اس دن وہ اپنے ان ہی گناہوں کا بوجھ اپنی پشت پر لادے ہوں گے۔

ہم دور کیوں جائیں اسی دنیا میں اہرام مصر اور بڑے بڑے شاہوں کے عالی شان محل ان کی عیاشی اور بلند پروازی کا نظارہ پیش نہیں کرتے؟

معصومینؑ کی روایتوں میں بھی جگہ جگہ اعمال کے مجسم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

مثلاً آل عمران کی ۱۷۹ ویں آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: وہ اموال جن میں اہل دنیا نے بخل سے کام لیا گیا ہوگا اور اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ خمس وغیرہ) کی ادائیگی

---

[1] آل عمران / ۲۹
[2] کہف / ۴۸
[3] یٰس / ۵۴
[4] انعام / ۳۱

میں کوتاہی ہوئی ہوگی قیامت کے دن وہ مال صاحب مال کی گردن میں سانپ کی صورت باندھ دیا جائے گا[1]

شیخ بہائیؒ کے بقول (دیگر ائمہ معصومین سے مروی روایات کے علاوہ) پیغمبر اسلامؐ سے قیامت کے دن اعمال مجسم ہونے کے سلسلے میں اس قدر روایتیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا[2]

اسلامی تعلیمات سے متأثر بزرگ شعراء نے بھی تجسم عمل کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے[3]۔

معلوم ہوا قیامت کے گواہوں میں سے ایک خود ہمارے اعمال ہیں جو وہاں مجسم ہو کر سامنے آجائیں گے اس سلسلہ میں آیات و روایات بہت زیادہ ہیں۔ علامہ طباطبائیؒ نے المیزان میں جگہ جگہ جو کچھ بیان کیا ہے اس سے الگ خود امام خمینی نے اپنی تقریر اور موعظوں میں متعدد مقامات پر اس نکتہ کی جانب متوجہ کیا ہے کہ یہی اعمال جو ہم دنیا میں انجام دیتے ہیں اپنی حقیقی شکل کے ساتھ آخرت میں مجسم ہو کر (ہم کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ جی ہاں! قیامت کا عذاب نہ تو انتقام ہے نہ رنجش اور نہ ہی کوئی پہلے سے معین شدہ سزا کہ جس میں رعایت اور دھوکا دھڑی کا تصور ہو بلکہ قیامت کا عذاب خود ہمارے یہی دنیا کے کرتوت ہیں جو وہاں سامنے آئیں گے۔

---

[1]۔ نور الثقلین ج ۱ ص ۳۴۳ (حدیث کافی سے نقل ہوئی ہے)

[2]۔ مصابیح الانوار ج ۲ ص ۱۵۱

[3]۔ عدل الٰہی ص ۲۵۳ (شہید مطہری نے مثنوی سے نقل کیا ہے)

قیامت میں شکایتیں

قیامت کے دن عدالت الٰہی میں انسانوں سے کئے جانے والے سوالات اور متعدد شہادت اور گواہیوں کے علاوہ مختلف شکایت کرنے والے بھی ہوں گے جو انسان سے شکایتیں رکھتے ہیں اور پیش حق فریاد کریں گے۔ مثلاً

۱۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

قرآن مجید میں ہے کہ حضورؐ قیامت کے دن شکایت کریں گے: "یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً"[۱] "پروردگار میری امت نے اس قرآن کو کنارے رکھ دیا۔

۱۔ فرقان/۳۰

(یا تو پڑھا نہیں یا سمجھا نہیں یا عمل نہیں کیا یا دو مردوں تک اس کو نہیں پہنچایا یا بجائے اس کے کہ زندوں کے لئے اس کی تلاوت ہوتی صرف مردوں کے لئے پڑھا جانے لگا۔ بجائے اس کے کہ اس کو کتاب زندگی قرار دیتے تحفے تحائف اور قسم و حلف نامے سے مخصوص کر دیا گیا بجائے اس کے کہ سامنے رکھتے اسے طاقوں کی زینت بنا دیا۔ بجائے اس کے کہ اس سے کسب نور کرتے اس کو دولت کے حصول کا وسیلہ بنا لیا، بجائے اس کے کہ صفحۂ دل پہ نقش کرتے صرف کاغذ پر لکھنے اور پتھر پر کندہ کرنے پر اکتفا کیا، یاد کرنے کے بجائے فراموش کر دیا اس کے مرکز نزول (مکہ و مدینہ) کو قرآن مخالف سازشوں کا مرکز بنا دیا اس کے قوانین میں تغیر اور حدود کی طرف سے لاپرواہی برتی جانی لگی۔ توحید و حق پرستی کہ جس کا قرآن نے حکم دیا تھا، طاغوت کی اطاعت میں تبدیل کر دی۔ اس کے تربیت یافتہ دشمن خدا کو ڈرانے کے بجائے خود دشمنان خدا سے ڈرنے لگے۔ آپس میں متحد ہونے کے بجائے اختلاف کا شکار اور آزادی کی زندگی کے بجائے مشرق و مغرب سے وابستہ ہو گئے، ان مسلمانوں کو مشرق و مغرب کے تیار کردہ قوانین و حقوق کی اطلاع اسلامی و قرآنی حقوق و قوانین کی آگاہی سے زیادہ تھی قرآن کے سماجی اخلاقی اور اقتصادی قوانین سے اصلاً سروکار نہ تھا (جی ہاں! یہاں یہ بات غیر مناسب نہ ہوگی کہ آج دنیائے اسلام کے صرف ایک گوشے میں امام خمینی کی قیادت اور جوانوں کے قیمتی خون نے قرآن کو دوبارہ زندہ کیا ہے اور وہ بحمدللہ ایران کی سرزمین ہے)

ایک دلچسپ واقعہ

ایک دانشور کا بیان ہے کہ: میں نے مدینہ میں دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ کی قبر اطہر کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے، اس مجمع کو دیکھ کر فکر میں ڈوب گیا اور دل میں ہی پیغمبر اسلام سے کہا: یا رسول اللہؐ

کیا آپ ان لوگوں سے راضی ہیں ؟ اس وقت میرے ہاتھ میں قرآن تھا۔ عرض کی یا رسول اللہؐ میں اس قرآن کو کھول رہا ہوں۔ آپ ان لوگوں سے خوش یا ناراض جو بھی ہوں قرآن کی پہلی سطر میں کوئی ایسی آیت نکلے جس سے مجھے آپ کی مرضی معلوم ہو جائے اس گفتگو کے بعد میں نے قبر پیغمبر کے سرہانے قرآن کھولا تو دیکھا اس صفحہ کی پہلی آیت تھی "وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً"[1]۔

اس آیت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا میں سمجھ گیا کہ روح پیغمبر ان لوگوں سے خوش نہیں ہے اور ہونا بھی چاہئے، وہ مسلمان جو لاکھوں مسلمانوں کی مظلومیت دیکھے اور خود کو بڑی طاقتوں کے حوالے کئے رہے اور سانس تک نہ لے اس سے ہرگز پیغمبر راضی نہ ہوں گے ۔ وہ مسلمان جن کی نماز ایک مکھی کو دہشت زدہ نہ کر سکے کسی کافر معاشرے کی برائیوں کو کیا ختم کرے گی، مکّہ و مدینہ کو غیروں کے ساز و سامان کی منڈی بنانے والے اپنی طرف سے کس طرح قلب پیغمبر کو خوش کر سکتے ہیں ؟ ! مسلمانوں کے وہ حکّام جو کمزوروں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور قوی افراد کو خراج دیتے ہیں جن کا یہاں سود اور منفعت طلبی کا بازار گرم ہے حکومت کی طرف سے معمولی اجازت نامہ کے ساتھ شراب کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں، وہ مسلمان جو ڈرپوک جاہل دوسروں سے منسلک، اختلافات و پراگندگی افلاس اور فکری غلامی کا شکار ہیں وہ کس طرح خدا و رسول کی رضا حاصل کر سکتے ہیں ؟ جی ہاں ! قیامت میں جو لوگ بجائے شفاعت کے خدا سے شکایت کریں گے ان میں سے ایک پیغمبر اسلامؐ بھی ہیں۔

۲۔ قرآن

قیامت میں شکایت کرنے والوں میں ایک قرآن ہوگا۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا :

---

[1] - فرقان/۳۰

"یجیئ یوم القیٰمۃ ثلاثۃ یشکون المصحف والمسجد والعترۃ "[1]

قیامت کے میدان میں تین چیزیں سامنے آکر لوگوں کی شکایتیں کریں گی۔ ایک قرآن دوسرے مسجد اور تیسرے میری عترت۔[2]

قرآن کی شکایت اہل محشر کے دو گروہوں سے ممکن ہے قرآن کے موافقین اور مخالفین۔

قرآن کی آیتوں سے شکایت

شاید قرآن کی موافقین سے شکایت اس طرح کی ہو کہ خدایا: باوجود اس کے کہ تو نے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا تھا[2] لیکن بہت سے ایسے بھی مسلمان تھے جنھوں نے حتیٰ سامنے رکھ کر بھی میری تلاوت نہیں کی یا دیکھ کر پڑھنا بھی نہیں سیکھا۔

اور خدایا! بعض جو پڑھتے تھے انھوں نے میری تلاوت کا حق ادا نہیں کیا یعنی وضو اور طہارت یا تدبر و فکر کے بغیر جلدی جلدی تلاوت کرتے تھے۔[3]

خدایا! بعض پڑھنے والے میرے مطالب نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

خدایا! بعض میری آیتوں کو پڑھتے اور سمجھتے تھے لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے۔

خدایا! بعض قرآن سے فائدہ اٹھانے میں حتیٰ مخالفین قرآن سے بھی پیچھے رہ گئے (حضرت علی علیہ السلام اپنی وصیت میں فرماتے ہیں: دیکھو تم مسلمانوں کے مخالفین قرآن سے فائدہ اٹھانے اور اس پر عمل کرنے میں تم سے آگے نہ بڑھ جائیں)۔

۱۔ بحار الانوار ج ۷ ص ۲۲۲

۲۔ مزمل/ ۱۹

۳۔ قرآن کے لئے فکر و تدبر اور طہارت دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔

خدایا! بعض نے صرف شخصی اور عبادی آیتوں پر عمل کیا لیکن ہجرت، جہاد اور سیاست سے متعلق آیتوں پر عمل کرنے میں بے اعتنائی برتی اور بقول قرآن: بعض آیتوں پر ایمان لائے اور بعض سے روگردانی اختیار کر لی۔

خدایا! بعض نے مجھے اصول و قانون کی کتاب ماننے کے بجائے روزی اور روٹی کا وسیلہ سمجھا اور مجھے اپنی تجارت و شہرت کا وسیلہ قرار دیا مجھے پڑھ کر اور طبع کرا کر دولت کا انبار کر لیا۔

خدایا! بعض نے جن کی روح و فکر میں انحراف پایا جاتا تھا مختلف پہلوؤں کی حامل متشابہ آیتوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور دستاویز قرار دیا۔

خدایا! بعض لوگ آیات کی تفسیر کرتے وقت اہلبیت کو جو میرے حقیقی مفسر ہیں، چھوڑ کر تفسیر بالرائے سے کام لیتے ہیں۔

خدایا! بعض نے میری آیات کے بالکل الٹے معنیٰ بتائے۔

خدایا! بعض نے مجھے اچھی طرح پہچانا لیکن میرے حقائق کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کا کتمان کیا[1]

خدایا! مجھے زندہ دلوں کے درمیان پڑھنے کے بجائے مردوں کی خاک پڑھا گیا۔

خدایا! مجھے درسی نصاب میں داخل کرنے کے بجائے جھوٹی اسلامی حکومتوں میں مجھے درسی نصاب اور تعلیم یافتہ نسلوں سے جدا کر دیا گیا۔

خدایا! بعض لوگ مجھے صرف سفر کے لئے نکلتے وقت اور ماہ رمضان المبارک کی مخصوص شبوں میں اپنے سر پر رکھتے تھے اور پھر سال بھر مجھ سے غافل رہتے تھے۔

خدایا! بعض لوگ صرف فال، استخارے اور قسم کے وقت مجھ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

---

[1] ۔ بقرہ/۱۷۴

بہر حال اگرچہ حدیث[۱] میں قرآن کی شکایت صرف تحریف اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے بارے میں ہے لیکن دوسری شکایتیں جو ہم نے قرآن کی زبانی نقل کی ہیں ایک واقعیت ہیں جو قرآن کے ماننے والوں کی طرف سے قرآن مجید پر وارد کی گئی ہیں۔

مخالفین سے شکایت

خدایا! بعض نے مجھے انسانی فکر کا نتیجہ تصور کیا اور بے اعتنائی برتی[۲]

خدایا! بعض لوگ مجھے اگلے لوگوں کی کہانی سمجھتے تھے[۳]

خدایا! بعض لوگ میری تلاوت سننے سے روکتے تھے[۴]

خدایا! میرے لانے والے (رسول) پر سحر جنون، کہانت اور کذب کی تہمت باندھی گئی۔[۵]

خدایا! مجھے سنتے تھے اور ڈھٹائی سے کہتے تھے کہ ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے[۶]

خدایا! جب ان کے پاس میرے انکار کی گنجائش نہ رہی تو رسول سے مطالبہ کیا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اسی کو بدل دیجیے[۷]

دعا۔ اس منزل میں ہم دعا کرتے ہیں معبودا! ہم کو قیامت کے دن اس قدر گناہ اس قدر گواہ اس قدر شکایت کرنے والے اور خوف ولاچاری کے عالم میں اپنے حال پہ نہ چھوڑ دینا اس لئے

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۸۴۲

۲۔ نحل/۱۰۳

۳۔ انعام/۲۵، احقاف/۱۷

۴۔ فصلت/۲۶

۵۔ طارق/۱۳۔ الحاقہ/۴۱

۶۔ سبا/۳۱

۷۔ یونس/۱۵

کہ تیری بخشش اور لطف وعنایت کے سوا کوئی راہ نہیں ہے۔

۳۔ مسجد

قیامت میں شکایت کرنے والوں میں ایک مسجد بھی ہوگی، پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں:
قیامت کے دن مسجد بھی بارگاہ الٰہی میں مسلمانوں کی شکایت کرے گی اور کہے گی۔ "یا رب عطلونی وضیعونی"[۱] معبود مجھے چھوڑ دیا گیا اور میرے حق کو ضائع کر دیا گیا۔

باوجودیکہ پیغمبر اسلامؐ نے مسجد میں جانے والوں کے لئے فرمایا تھا کہ ہر وہ قدم جو مسجد کی طرف اٹھتا ہے ایک ایک قدم پر خداوند عالم دس نیکیاں عطا کرتا ہے اور دس لغزشیں بخشتا ہے۔ اور دس درجے رحمت فرماتا ہے[۲]۔ اس کے بعد بھی مسجد خالی رہتی تھی۔

کیا حضرت علیؑ نے نہیں فرمایا تھا: مسجد میں انسان کی خدا والوں سے ملاقات ہوتی ہے خدا کے حکم سے بھی آشنائی ہوتی ہے اور رحمت خدا بھی شامل حال ہوتی ہے[۳]۔

کیا مسلمانوں کے لئے مسجد سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ کوئی اور جگہ اجتماع کے لئے میسر آسکتی ہے؟ کیا پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نہیں بنائی تھی

مسجد کی عظمت اور کردار

اب جبکہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ مسجد کس طرح قیامت کے دن خدا سے اپنے

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۴۸۴
۲۔ 〃 〃 〃 ص ۴۸۳
۳۔ 〃 〃 〃 ص ۴۸۰ (حدیث کا ایک حصہ ہے)

حق کے ضائع ہونے کی شکایت کرے گی شاید نامناسب نہ ہوگا یہاں مسجد کی عظمت و کردار سے متعلق چند باتیں روایت کی روشنی میں بیان کر دی جائیں۔

● مسجد مسلمانوں کے اتحاد اور مقدس و پاکیزہ اجتماع کا مرکز ہے۔

● مسجد ہی وہ تنہا جگہ ہے جہاں تمام مسلمان کسی بھی قوم و زبان کی تفریق کے بغیر جمع ہوتے ہیں۔

● مسجد اسلامی ثقافت کے نشر و اشاعت ہمفکروں سے آشنائی اور لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کے علم کا مرکز ہے۔

● مسجد ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام کا سب سے پہلا اقدام ہے۔

● مسجد مظلوم و پسماندہ بندوں کی ترقی حمایت عدل و انصاف اور جنگی محاذوں کی تقویت کا مرکز بھی ہے اور خدا کی عبادت کا گھر بھی۔

● مسجد اسلامی قوت و طاقت کے اظہار، عوام کے ارتباط اور ان کے درمیان اتفاق و ہم آہنگی کا مظہر ہے۔

● مسجد قوم و مذہب سے بے تعلق، لاپرواہ غائبین کی نشاندہی کرتی ہے اور خدا کے مخلص عاشقوں کا بھی تعارف کراتی ہے۔

لیکن جب کبھی یہی مسجد اسلام دشمنوں کی سازشوں کا مرکز بن جائے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ امام و رہبر کے توسط سے جس طرح بھی ممکن ہو اس کو بند کریں خواہ اس سلسلہ میں مسجد ہی کیوں نہ توڑنا پڑے[۱]

● مسجد وہ مقدس مقام ہے جس کا نجس کرنا حرام، (علم نجاست کے بعد) پاک کرنا واجب، اور ہر وہ عمل ممنوع ہے جو اس کی توہین کا سبب ہو اور اب چونکہ مسلمانوں کا مسجد سے بہت ہی محترم رشتہ ہے لہٰذا اس کے بعض آداب بھی نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ جیسا کہ رسول اسلامؐ نے مسجد ضرار ڈھا دیا تھا۔

مسجد کے آداب

مسجد میں آنے والے حیض و جنابت سے پاک ہوں مسجد آتے وقت اچھا لباس پہنیں اور خوشبو لگائیں۔ ایسے بچے جو ممکن ہے مسجد کی توہین کا سبب بنیں ساتھ نہ لائیں۔ لہسن اور پیاز کھا کر (کلی کئے بغیر) نہ آئیں۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز تحیت پڑھیں اور اس مقدس جگہ کو گزرگاہ قرار نہ دیں اس کی صفائی اور روشنی کا انتظام کریں اس کی تعمیری نگہبانی اور تولیت غیر مسلم یا غیر متقی افراد کے سپرد نہ کریں۔

مسجد کے اندر غیر مفید دنیاوی باتوں اور بے ہودہ قصوں کہانیوں اور اشعار سے پرہیز کریں۔ مسجد میں سونے، چیخ و پکار اور گمشدہ افراد کے اعلان سے اجتناب کریں۔ خاص طور پر مسجد کے پڑوسی ضرور مسجد میں نماز پڑھیں ورنہ ان کی نماز کی کوئی خاص قیمت نہ ہوگی [1]۔

۴۔ الٰہی نمائندوں کی شکایت

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ بطور شکایت فرمائیں گے: "یا ربّ قتلونا وطرّدونا وشرّدونا [2]" معبودا انھوں نے ہم کو قتل کیا، ہمیں جلا وطن اور آوارہ کر دیا۔

معبودا! ہماری رہبری قبول کرنے کے بجائے فضول خرچ عیاشوں مفسدوں اور طاغوتوں

---

[1] ۔ مذکورہ تمام باتیں بہت سی روایتوں کا خلاصہ ہیں جو وسائل الشیعہ کی تیسری جلد کے صـ ۴۷۱ سے صـ ۵۰۶ تک درج ہیں۔

[2] ۔ وسائل الشیعہ ج ۳ صـ ۴۸۴

کے ساتھ ہو گئے۔

معبودا! ہم سے مودت ومحبت کے بجائے جس کو تو نے اجر رسالت قرار دیا تھا سالہا سال تک منبروں سے اور نمازوں میں ہم پر لعنت کیا کرتے تھے۔

معبودا! کم عقل تقدس مآبوں (خوارج) دنیا پرست عیاش صفت (قاسطین) اور بیعت شکن جاہ طلب (ناکثین) اپنی پوری طاقت سے ہماری مخالفت کیا کرتے تھے۔

خدایا! رسولؐ کی تنہا یادگار فاطمہؑ تھیں جنھیں طمانچہ مارا ان کے حق کو غصب کر لیا ان کو اور ان کے فرزند کو شہید کر دیا۔

خدایا! حضرت علیؑ کے فرق مبارک پر ضربت لگائی، امام حسنؑ کے جنازے پر تیر برسائے امام حسینؑ کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا اور ان کے ناموس کو اسیر کر لیا اسی طرح دوسرے اماموں کو بھی طوق و زنجیر میں جکڑ کر قید خانوں میں مقید کیا اور ان کو شہر بدر کیا اور آخر امام حسن عسکریؑ کا محاصرہ کیا اور وہ صورت پیدا کر دی کہ حضرت مہدیؑ کو غیبت اختیار کرنا پڑی۔

خدایا سادات اور ہماری نسل کو قتل کیا، معصوم رہبروں اور حقیقی عالموں کے مقابل درباری عالم لائے گئے ان پر تہمت باندھی گئی، توہین کی گئی، رقیب کھڑے کئے گئے اور ہمارے ساتھیوں کو خوف وہراس میں رکھ کر ان کا خون دل پیا گیا۔

خدایا! نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی زمانے میں ہماری حدیثیں نقل کرنا ممنوع کیا گیا۔ تو کسی زمانہ میں اس کو رجعت پرستی کا نام دے کر اس کے مقابل مغرب و مشرق کے افکار کو ترقی قرار دیا گیا۔

خدایا! ہم کو روز قیامت ان مورد شکایت قرار پانے والوں میں قرار نہ دینا۔

حسرت وشرمندگی کا دن

قیامت کے ناموں میں سے ایک "یوم الحسرت" بھی ہے یعنی اس دن لوگ حسرت وپشیمانی میں غرق ہوں گے۔ جس کی وجہ اگلے جملے میں بیان کی گئی ہے:

"اذ قُضِیَ الامر" کیونکہ کارزار عمل کا اب آخری فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ دفتر اعمال بند ہو چکے ہوں گے، جنّت وجہنم کے مستحقین اپنی قسمتوں کے حوالہ کر دیئے جائیں گے اس وقت موت بھیڑ بکری کی شکل میں ظاہر ہوگی اور اہل جنّت وجہنم کے سامنے ذبح کر دی جائے گی اور اس طرح اہل محشر کو سمجھا دیا جائے گا کہ اب کام تمام ہو گیا، اہل بہشت ہمیشہ کے لئے بہشت میں اور اہل دوزخ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس وقت سب کے سب مجسمہ حسرت بن جائیں گے حتّیٰ نیک افراد بھی حسرت کریں گے اے کاش! کار خیر اور زیادہ انجام دیئے ہوتے۔

۱۔ مریم/۳۹

قیامت میں حسرت و پشیمانی کا ذکر قرآن کی متعدد آیتوں میں ہوا ہے جن کے چند نمونے ہم پیش کر رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے "لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر"[1]، وہ کہیں گے اگر ہم دنیا میں حق باتیں سن لیتے اور عقل و فکر سے کام لیتے تو آج اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے۔ کبھی قیامت میں مجرمین کہیں گے۔ "یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ"[2] ہائے افسوس! میں نے خدا کے حق میں بڑی کوتاہی کی۔

امام باقر علیہ السلام سے فرمایا: قیامت میں سب سے زیادہ حسرت و افسوس وہ افراد کریں گے کہ جو زبان سے تو عدالت و انصاف کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے[3]

حسرت کرنے والے؟

۱۔ بعض روایتوں کے مطابق اس آیت میں حسرت و پشیمانی ان لوگوں سے مربوط ہے جو الہی نمائندوں کو چھوڑ کر فاسق و فاجر رہبروں کی طرف پلٹ گئے ہیں جو رسول اسلام کے حقیقی اوصیاء سے جدا ہو کر دوسروں کے ہو گئے ہیں[4]۔

۲۔ پیغمبر اسلام نے جناب ابوذر سے فرمایا: جن لوگوں نے ہماری رسالت کو قبول نہیں کیا قیامت میں اندھے اور بہرے میدان قیامت کی تاریکیوں میں حاضر کئے جائیں گے اور وہ کہیں گے وائے ہو ان کوتاہیوں پر جو ہم نے خدا کے حق میں کی ہیں[5]۔

۱۔ ملک / ۱۰
۲۔ زمر / ۵۶
۳۔ تفسیر صافی ج ۲ ص ۴۷۲۔ بحار الانوار ج ۲ ص ۵۵
۴۔ " " " " " " " " " "
۵۔ نور الثقلین ج ۴ ص ۴۹۵

۳۔ قیامت میں بہت زیادہ حسرت کرنے والوں میں وہ افراد بھی ہوں گے جنھوں نے ناجائز طریقوں سے مال جمع کیا اور اس سے فائدہ اٹھائے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ان کی موت کے بعد وہی مال ایسے افراد تک پہنچا جنھوں نے راہ خدا میں صرف کیا اور اس طرح صاحب مال جہنم میں اور کار خیر کرنے والے اس کے وارث بہشت میں جائیں گے[1]

۴۔ افراط اور تند روی سے کام لینے والے افراد بھی قیامت کی ہولناکی کو دیکھ کر حسرت کریں گے[2]

۵۔ ایک اور گروہ جو قیامت میں حسرت کرے گا ان لوگوں کا ہو گا جو تحصیل علم کی سہولت اور قوت و صلاحیت رکھتے تھے لیکن تحصیل علم کے لئے نہیں نکلے[3]

۶۔ حسرت کرنے والوں میں ایک گروہ ان علماء کا ہوگا جن کی باتوں پر عمل کر کے عوام تو بہشت میں چلے جائیں گے لیکن وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے دوزخ میں لے جائے جائیں گے[4]

اس دن کی حسرت و ندامت سب سے عظیم پشیمانی ہے کیوں کہ اس دن عمل کے تدارک اور جبران کا کوئی راستہ نہ ہوگا پیغمبر اسلام نے فرمایا: "شرّ الندامة یوم القیٰمة"[5]

واقعاً اس دن کی تمام آرزوئیں اور اے کاش اے کاش کی تکرار بے فائدہ ہوں گی قرآن نے مجرموں کی حالت فریاد کو اس طرح نقل کیا ہے: لو ان لی کرّة فاکون من المحسنین[6]

اگر مجھے دنیا میں دوبارہ واپس جانے کا موقع مل جاتا تو میں نیک کردار لوگوں میں سے ہو جاتا۔ لیکن ہزار افسوس کہ دوبارہ پلٹنا ممکن نہیں ہے۔

۱۔ فہرست غرر (مادۂ خیر)
۲۔ 〃 〃 (مادۂ ندم)
۳۔ نہج الفصاحۃ جملہ ۳۰۵
۴۔ 〃 〃 〃 〃
۵۔ 〃 〃 〃 جملہ ۱۸۱۰
۶۔ سورہ زمر / ۵۸

۷۔ دوسری حدیث میں ہے جب بھی کسی نشست میں لوگ اکٹھا ہوتے ہیں اور وہاں ذکر خدا کے بجائے بیہودہ اور بے کار باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں قیامت کے دن یہ مجلس ان کے لئے حسرت و ندامت کا وسیلہ بنیں گی۔[۱]

دعا میں ہے: "اعوذ بک من الذنوب التی تورث الندم"[۲] خدایا! ایسے گناہ جو قیامت میں میری ندامت و پشیمانی کا سبب ہوں ان کے لئے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

۸۔ دوسری حدیث میں ہے: آدم کشی، عزیزوں سے قطع تعلق، وصیت نہ کرنا، لوگوں کے حقوق سے بے اعتنائی اور زکوٰۃ نہ نکالنا۔ یہ سب چیزیں حسرت کا ذریعہ بنیں گی۔[۳]

۹۔ وہ افراد جو دنیا کی حکومت و ریاست کے لئے ہاتھ پیر مارتے ہیں اور لالچ میں پڑے رہتے ہیں بہت زیادہ حسرت کریں گے۔[۴]

۱۰۔ وہ افراد جو دنیا میں برے دوستوں کی وجہ سے انحراف کا شکار ہو گئے ہیں قیامت کے دن حسرت میں غرق ہوں گے اور نالہ و فریاد کریں گے "یا ویلتیٰ لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا"[۵] وائے ہو مجھ پر کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، اور غصہ میں اپنا ہاتھ دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہے گا: میرے دوست نے مجھے راہ خدا سے دور اور منحرف کر دیا اے کاش (فلاں شخص کو دوست بنانے کے بجائے) رسول خدا سے دوستی استوار کرتا۔

حسرت و فریاد سے متعلق قرآن میں بہت ساری آیتیں ذکر ہوئی ہیں۔ بعض لوگ آواز دیں گے "فھل لنا من شفعاء"[۶] کیا کوئی ہے جو آج ہماری شفاعت و سفارش

۱۔ وسائل الشیعہ ج ۴ ص ۱۱۸۰
۲۔ سفینۃ البحار (مادۂ ندم)
۳۔
۴۔ معجم احادیث نبوی ج ۲ ص ۳۹۱
۵۔ فرقان / ۲۷ ـ ۲۹
۶۔ اعراف / ۵۳

کرے اور ہمیں نجات دلائے؟ دوسری بار کہیں گے "فھل الی مرد من سبیل"؟[1] کیا فرار اور واپسی کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟

قیامت کے دن وہ سارے کام اور وہ ساری زحمتیں جو غیر خدا کے لئے اٹھائی ہیں سب کی سب بیکار اور ان کے لئے حسرت کا سبب بن جاتی ہیں۔ یریھم اللہ اعمالھم حسرات۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے مال جمع کیا لیکن محتاجوں کو نہیں دیا مر گئے اور اب وہ مال دوسروں کے ہاتھ لگ چکا ہے ورثہ یا تو وہ مال راہ خدا میں صرف کریں گے یا اس سے اپنی ہوس بجھائیں گے۔ اگر کار خیر میں اس مال کو صرف کیا تو بھی مال جمع کرنے والا کوئی اور تھا اس جزا وارثوں کو ملے گی اور اگر گناہوں میں صرف کیا تو بھی صاحب مال کو حسرت و ندامت ہوگی کیونکہ وارث کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب وہی قرار پائے گا۔[3]

یہ ایسا عظیم دن ہوگا کہ گناہگار دل و دماغ کو ہلا دینے والے اعترافات کریں گے کبھی کہیں گے "ربنا غلبت علینا شقوتنا"[4] پروردگار ہم پر بدبختی غالب آگئی تھی جس نے ہم کو تیری راہ سے ہٹا دیا تھا۔

کافر فریاد کریں گے "یالیتنی کنت ترابا"[5] اے کاش میں خاک ہو جاتا۔ جی ہاں! خاک ہم سے ایک دانہ لیتی ہے لیکن اس کے بدلے اناج کی بالیاں اور گچھے ہمارے حوالے

۱۔ شوریٰ/۴۴

۲۔ بقرہ/۱۶۶

۳۔ تفسیر صافی ج ۱ ص ۱۵

۴۔ مومنون/۱۰۵

۵۔ نباء آخری آیت

کر دیتی ہے اور ہمیں خدا کی اس قدر نعمتیں ملیں پھر بھی کوئی قابل قدر کام انجام نہیں دیا۔

البتہ ہر جگہ حسرت و ندامت کا اظہار داد و فریاد سے نہیں کرتے بلکہ (ایسا لگتا ہے) پہلے اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہیں " و اسروا الندامۃ [1]" اور پھر آہستہ آہستہ اندرونی شرمندگی داد و فریاد کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔

اس روز بار بار دنیا میں پلٹنے کا تقاضا کریں گے اور کہیں گے ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا [2]" پروردگار اب ہم نے سب دیکھ لیا، سن لیا (اور ہم پر حقیقت واضح ہو گئی) ہم سمجھ گئے کہ انبیاء سچ کہتے تھے اور ہم غلط راہ پر گامزن تھے) ہمیں دوبارہ واپس کر دے تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ لیکن اب یہ نالے اور لغرے کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

ان حسرتوں کا آغاز اسی وقت سے ہو جائے گا جب اسے دوبارہ قبروں سے اٹھایا جائے گا وہ آواز دے گا " یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا [3]" آخر یہ ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا ہے اور ان نالوں کا سلسلہ ہر جگہ ہر مرحلے میں یہاں تک کہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت بلکہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد جاری رہے گا کیونکہ قرآن نے دوزخیوں کی فریاد کا یوں ذکر کیا ہے:" ربنا اخرجنا منھا فان عدنا فانا ظالمون [4]" پروردگار! اب ہمیں اس سلگتے ہوئے جہنم سے نکال دے اور دنیا میں دوبارہ واپس کر دے اگر اس کے بعد دوبارہ گناہ کریں تو ہم واقعی ظالم ہیں۔

پروردگار! ہم کو ان ظاہری و باطنی شرمندگی اور قیامت کے مرحلوں میں پیش آنے والی سخت حسرتوں سے نجات دینا۔

---

[1] یونس / ۵۴
[2] سجدہ / ۱۲
[3] یس / ۵۲
[4] مومنون / ۱۰۷

جرائم کے اعترافات

قیامت میں مجرمین پہلے تو جرائم کا انکار کرنے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے کہ دنیا کی طرح شاید یہاں بھی جھوٹ اور انکار کے ذریعہ اپنے کو بچالے جائیں گے ۔

"یوم یبعثھم اللہ جمیعاً فیحلفون لہ کما یحلفون لکم و یحسبون انھم علی شئی"[۱] ۔ جس دن خدا تمام لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت میں حاضر کرے گا یہ لوگ اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے (کہ ہم نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے) جیسے تم سے کھاتے ہیں ۔ ان کا خیال ہو گا کہ قیامت بھی دنیا کی مانند اور خدا بھی اہل دنیا کی مانند ہے جس طرح دنیا میں لوگوں کو دھوکا دیتے تھے روز قیامت خدا بھی دھوکے میں آجائے گا ۔

۱۔ مجادلہ / ۱۸

واقعاً جھوٹ جس کی عادت میں رچ بس گیا ہو وہ اتنی جلدی اپنی عادت نہیں چھوڑ سکتا لیکن یہ جھوٹ ان کی ابتدائی منزل ہوگی جیسے جیسے میدان قیامت کے مسائل سے آشنائی بڑھے گی اور یکے بعد دیگرے پردے اٹھتے جائیں گے ان کے بُرے اعمال مجسم ہو کر سامنے آتے جائیں گے۔ زمین و زمان سے تعلق رکھنے والے بے شمار گواہ اور شکایتیں رکھنے والے خود اپنے اعضاء و جوارح، خاصان خدا اور اولیائے خدا عدالت الٰہی میں موجود ہوں گے اس وقت جھوٹ اور انکار کی گنجائش نہ ہوگی۔

قرآن اس سلسلہ میں کہتا ہے: "ولا یکتمون اللہ حدیثاً"[۱] وہ خدا سے کسی بات کو نہیں چھپاتے جو کچھ بھی ہے صاف صاف کہتے ہیں اس لئے کہ اگر وہ نہ کہیں تو قیامت کے گواہ کہہ دیں گے لہٰذا اس دن کے اعترافات عجیب و غریب نوعیت کے حامل ہوں گے۔ ہم ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ قیامت کے دن جس وقت مجرموں سے پوچھا جائے گا کیا تمھارے درمیان ہمارے نبیوں نے ہماری آیتیں تلاوت نہیں کیں اور تم کو اس دن کی طرف سے خبردار نہیں کیا وہ جواب دیں گے "شھدنا علیٰ انفسنا"[۲] "کیوں نہیں! آج کے دن ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں۔

۲۔ "فاعترفوا بذنبھم"[۳] جنھوں نے خدا اور اس کے اولیا کے راستے کو چھوڑ دیا روز قیامت خود اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔

۳۔ ولوتریٰ اذ وقفوا علیٰ ربھم قال الیس ھٰذا بالحق قالوا بلیٰ و ربنا

۱۔ نساء/۴۲
۲۔ انعام/۱۳۰
۳۔ ملک/۱۰

قال فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون[1]" اگر آپ اس وقت پر نگاہ کریں جب انہیں پروردگار کے سامنے کھڑا کیا جائے گا کہ اور خداوند عالم ان سے خطاب فرمائے گا کیا یہ قیامت حق نہیں ہے؟ وہ لوگ کہیں گے بیشک ہمارے پروردگار کی قسم یہ سب حق ہے تو ارشاد ہوگا کہ لوجو دنیا میں جو تم نے اختیار کر رکھا تھا اب اس کا مزہ چکھو۔

۴۔ فاعترفنا بذنوبنا[2]" قیامت میں کفار کہیں گے: پروردگار ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔

۵۔ قالوا ربنا غلبت علینا شقوتنا وکنا قوما ضالین[3]" وہ لوگ کہیں گے پروردگار ہم پر بدبختی غالب آگئی تھی۔ اور ہم گمراہ لوگوں میں ہوگئے تھے۔

۶۔ یا ویلنا قد کنا فی غفلة من هذا بل کنا ظالمین[4]"، ہم پر وائے ہو ہم اس دن کی طرف سے بالکل غفلت میں پڑے رہے بلکہ ہم نے اپنے نفس اور معاشرے پر ظلم کیا ہے۔

جی ہاں! اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف دنیا میں جس قدر خدا کی عفو و بخشش کا ذریعہ ہے آخرت میں یہی اعتراف اتنا ہی تباہی و حسرت و شرمندگی کا باعث ہے

دنیا میں اعتراف گناہ فائدہ مند ہے

اگرچہ کتاب کے شروع میں توبہ کے موضوع پر بحث کرچکا ہوں لیکن ناانصافی ہوگی اگر قیامت میں اعتراف کے ساتھ چند حدیثیں دنیا میں گناہ کے اعتراف سے متعلق بیان نہ کردی جائیں

۱۔ انعام/۳۰
۲۔ غافر/۱۱
۳۔ مومنون/۱۰۵
۴۔ انبیاء/۹۷

دنیا میں اقرار گناہ عفو بخشش الٰہی کا ذریعہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "شافع المذنب اقرارہ"[1] کسی گناہگار کا (پیش خدا) اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اس کی شفاعت اذ بخشش کا وسیلہ ہے۔

حضرتؑ کی ایک دوسری حدیث میں ہے۔ "مَن اعترف بالجریرۃ استحق المغفرۃ"[2] جو شخص اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے وہ خدا کی بخشش کا سزاوار ہے۔

سورۂ توبہ میں ہے: "وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیّئاً عسیٰ اللہ ان یتوب علیھم"[3]۔

بعض افراد نے دنیا اور اس کی دولت کی محبت میں جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی جب انھوں نے آرام طلب دنیا پرستوں کی مذمت میں قرآنی آیتیں سنیں تو جنگ میں نہ جانے پر پشیمان اور رسول اسلام اور مسلمانوں سے شرمندہ ہوئے۔

یہ لوگ اپنے گناہ کے اعتراف کی خاطر مسجد النبی میں داخل ہوئے۔ اور اپنے کو ستون مسجد سے باندھ دیا، جب پیغمبر اسلام جنگ سے واپس ہوئے اور ان کی پشیمانی کو دیکھا تو فرمایا: جب تک حکم خدا نہیں آتا ان لوگوں کو یوں ہی بندھا رہنے دو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ اپنے گناہ کے اعتراف سے اور ان اچھے اعمال کی وجہ سے جو انھوں نے اپنی خلاف ورزی کے ساتھ انجام دیئے ہیں اب جبکہ اپنی ناپسند روش پر پشیمان ہیں امید ہے خدا ان کی توبہ قبول کر لے اس لئے کہ خدا غفور و رحیم ہے آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا اب انھیں ستون سے الگ کر دو[4]۔

۱،۲ ے - فہرست غرر باب الاقرار

۳ ے - توبہ / ۱۰۲

۴ ے - تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۱۱۵ اب بھی مدینہ میں قبر پیغمبر کے کنارے وہی ستون، ستون توبہ یا ستون ابولبابہ کے نام سے ہے۔

واقعاً دنیا میں گناہ کا اعتراف توبہ اور بخشش الٰہی کا بہت بڑا وسیلہ ہے صحیفہ سجادیہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں میں ایک دعا گناہ کا اعتراف کے عنوان سے بھی ہے مناجاتوں میں بھی ملتا ہے کہ پروردگارا! اگر میری موت قریب ہو اور کوئی کار خیر بھی نہ ہو تو تیرے لطف و بخشش کو ہی اور اپنے گناہوں کے اقرار و اعتراف کے لئے وسیلہ قرار دیتا ہوں

قیامت میں رحمت خدا

سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے: فاولئک یبدل اللہ سیئاتهم حسنات[1] پروردگار ان کی برائیوں اور گناہوں کو اچھائیوں اور نیک کاموں میں تبدیل کر دے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایتیں اس مضمون کی آئی ہیں کہ روز قیامت مومن کے گناہ اس کے سامنے رکھے جائیں گے وہ غم و افسوس سے لرز اٹھے گا لیکن چونکہ وہ ایمان، حیا، صدق، حسن خلق اور اخلاق کا حامل تھا نیز ائمہ معصومین اور اولیائے خدا کی پیروی کیا کرتا تھا لہٰذا بالخصوص لطف الٰہی اس کے شامل حال ہوگا اور حکم خداوندی سے اس کے گناہ عبادت میں تبدیل ہو جائیں گے[2]

علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں تحریر فرماتے ہیں: بے شمار روایتیں (شیعہ و اہلسنت) نے نقل کی ہیں جو روز قیامت گناہ کے کار خیر میں تبدیل ہو جانے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں[3]۔

دوسری روایت میں ہے: اذا کان یوم القیٰمة نشر اللہ تبارک وتعالیٰ رحمته

---

[1] فرقان/۷۰

[2] نور الثقلین ج ۴ ص ۳۳ تفسیر صافی ج ۲ ص ۲۰۵

[3] المیزان ج ۱۵ ص ۲۶۹

حتیٰ یطمع ابلیس فی رحمتہٖ[1] یعنی روز قیامت لوگوں پر خدا اپنی رحمت کا سایہ اس قدر وسیع کر دے گا کہ حتیٰ ابلیس کے اندر بھی لطف الہٰی میں شامل ہو جانے کی لالچ پیدا ہو جائے گی۔

بعض روایتوں میں ملتا ہے۔ روز قیامت جس وقت گناہگار کو دوزخ میں لے جایا جائے گا وہ کہے گا پروردگار! میں نے سوچا بھی نہیں تھا تو مجھے جلائے گا (یہ سنکر) خدا فرمائے گا اس کے گناہوں کو میں نے معاف کیا اور اس کو بہشت میں بھیج دے گا خدا سے وہی حسن ظن اس کے نجات کا وسیلہ بن جائے گا[2]۔

---

[1]۔ امالی صدوق نقل از تسلیۃ الفواد

[2]۔ تسلیۃ الفواد ص ۱۷۹

میزان

قیامت کے موضوعات میں سے ایک میزان کا مسئلہ بھی ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بہت زیادہ ملتا ہے۔ میزان ترازو کے معنی میں ہے۔ قرآن میں ہے: وانزلنا معھم الکتاب والمیزان[1] "ہم نے انبیاء کو کتاب و میزان کے ساتھ بھیجا ہے" انبیاء حق و باطل اور خیر و شر میں تمیز کا قانون اور معیار میزان عوام کے لئے اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔

قیامت میں لوگوں کے اعمال "میزان" پر تلیں گے البتہ ضروری نہیں کہ وہ یہی دنیا دی میزان اور ترازو کی طرح ہو لفظ میزان، لفظ روشنی کے مثل ہے۔ یعنی زمانہ قدیم میں ہم کہتے تھے کہ روشنی کردو تو اس سے وہی تیل بتی والا چراغ ذہن میں آتا تھا۔ لیکن اگر آج ہم کہیں روشنی کردو تو اس سے دوسری چیزیں ذہن میں آتی ہیں، اگرچہ ہر طرح کی روشنی تاریکی دور کرنے میں مشترک ہے

---

[1] - حدید/۲۵

اور روشنی سے اصل مراد تاریکی دور کرنے والا وسیلہ ہے۔

آیات و روایات کے علاوہ علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی ساتویں جلد میں اور علامہ طباطبائی المیزان کی نویں جلد میں میزان کے معنی بیان کرتے ہوئے مطالب لکھے ہیں جو ہم آیات و روایات کے ساتھ مختصراً نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ میزان کا مفہوم

جیسا کہ ہم نے بیان کیا میزان ایک تولنے یا ناپنے کا وسیلہ ہے (خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو) جس طرح کسی شے کا وزن معلوم کرنے کے لئے گرام اور کلوگرام کے ٹکڑے وغیرہ کپڑا ناپنے کے لئے میٹر دیوار کی سدھائی ناپنے کے لئے ساہل سطریں ناپنے کے لئے اسکیل راستے ناپنے کے لئے کلومیٹر وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ قیامت میں بھی انسان کے اعمال حق کی میزان پر تولے جائیں گے۔ "والوزن یومئذ الحق"[۱] اس لئے کہ اس دن کی اساس و بنیاد حق پر ہے " ذالک الیوم الحق"[۲]

بہت سی روایتوں میں ہے کہ ہمارے اعمال کی میزان پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ ہیں اس لئے کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کے اعمال و کردار ہمارے لئے نمونہ ہیں انھوں نے اخلاص، طریقہ و روش اور قسم و مقدار کے اعتبار سے عمل کا حق ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ قیامت میں لوگوں کے اعمال ان ہی عمل کو معیار بنا کر تولے جائیں گے۔[۳]

۱۔ اعراف / ۷

۲۔ نبا / ۳۹

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "ھم الانبیاء والاوصیاء" بحار ج ۷، ص ۲۳۹

زیارت امیرالمومنینؑ میں ہے: "السلام علیک یا میزان الاعمال"[1] اے روز قیامت ہمارے اعمال کی میزان۔ آپ پر ہمارا سلام ہو۔

۲۔ قرآن میں "میزان" کے بجائے کیوں لفظ "موازین" استعمال ہوا ہے؟

جواب: اس لئے کہ ہمارے اعمال اپنے اپنے نمونوں اور معیاروں پر وزن کئے جائیں گے مثلاً ہماری نماز ائمہؑ کی نماز کو معیار بنا کر اور ہمارے حج، روزے، جہاد اور ہماری گفتگو ائمہؑ کے حج، روزے، جہاد اور گفتار کے معیار پر وزن کئے جائیں گے۔ لہٰذا میزانیں متعدد ہیں اور قرآن نے میزان کے بجائے لفظ "موازین" استعمال کیا ہے

۳۔ میزان کن لوگوں کے لئے ہے؟

روایتوں کے مطابق میزان مومنین کے لئے ہے اور وہ لوگ جو مشرک ہیں یا جن کے اعمال پانی کے جھاگ کی مانند بے حقیقت و بے روح ہیں یا کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس نے ان کے سارے اچھے کاموں کو بیکار کر دیا ہے، ایسے افراد کے اعمال کا نہ تو وزن کیا جائے گا۔ نہ ہی اس کے لئے کوئی میزان ہے۔ "فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیٰمة وزنا"[2] ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے

---

[1] یہ جملہ خصوصی زیارت کا ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے دن حضرت علیؑ کی زیارت میں وارد ہوا ہے۔

[2] کہف، ۱۰۵

حدیث میں ہے گمراہ کرنے والے رہنماؤں کے لئے بھی قیامت میں نہ تو کوئی وزن ہے نہ ہی میزان اس لئے کہ ان کی کیفیت اس قدر رسوا کنندہ ہو گئی کہ ان کے حساب وکتاب اور اعمال کے وزن کی ضرورت ہی نہ ہو گی[۱]

کافی میں امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ قیامت کے دن مشرکوں کے لئے میزان عدالت نصب نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے نامۂ اعمال کھولے جائیں گے، حساب وکتاب اور "میزان" کا مسئلہ مسلمانوں سے مخصوص ہے[۲]۔

۴۔ کون سے عمل وزنی اور کون سے عمل ہلکے ہیں

اعمال صالحہ میزان عمل کو وزنی اور اعمال بد اس کو ہلکا کرتے ہیں لیکن ایک حدیث میں پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا ہے ۔ اچھا اخلاق دوسرے کار خیر کی نسبت عمل کو زیادہ وزنی اور مفید بناتا ہے ۔

۱۔ تفسیر صافی میں سورۂ کہف آیت د۔ اکے ذیل میں امیرالمومنین کی ایک حدیث جو احتجاج سے نقل کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں

۲ ۔ "حیات پس از مرگ" علامہ طباطبائی ۔

صراط

تقریباً ہم سبھی لفظ صراط کے معنی سے آشنا ہیں اور کم از کم دس مرتبہ نماز میں یہ لفظ دہراتے ہیں "الصراط المستقیم" یعنی سیدھا راستہ، حق و انصاف کا راستہ، انبیاء، اولیاء، شہدا اور صالحین و صدیقین کا راستہ[1]۔ خدا کا راستہ "ان ربی علی صراط مستقیم[2]"، میرے پروردگار کا راستہ بالکل سیدھا ہے، خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا راستہ "انک علی صراط مستقیم[3]"، (یقیناً آپ بالکل سیدھے راستہ پر ہیں)

قرآن میں یہ لفظ چالیس سے زیادہ مقامات پر استعمال ہوا ہے راہ و روش اور فکری خطوط ہی انسان کی شخصیت بناتے ہیں۔ راہ مستقیم کبھی بھی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی البتہ انحراف کے

۱۔ نساء/۶۸
۲۔ ھود/۵۶
۳۔ زخرف/۴۳

کے راستے بہت زیادہ ہیں، راہ مستقیم وہ راستہ ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط جس میں اس دنیا کے مسائل پر بھی توجہ ہے اور اخروی مسائل پر بھی، یہ وہ راستہ ہے جو نہ تنہا فکری مسائل کی اہمیت کا قائل ہے اور نہ تنہا عملی مسائل کو کافی سمجھتا ہے بلکہ دونوں کو لازم سمجھتا ہے جس نے فرد اور معاشرے، جسم اور رجحان، فکر اور عمل، قیام اور انقلاب اور صبر و توکل عقل و احساسات ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ راہ مستقیم یہی دین خدا ہے۔

قرآن مجید میں ہے "ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما"[۱] یعنی لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے سیدھے راستے کی ہدایت دی جو ایک ایسا مکتب و دین ہے۔ جو عقل و فطرت کی بنیاد پر قائم ہے۔ راہ مستقیم یہی راہ عبودیت اور خدا کی بندگی ہے۔ "وان اعبدونی ھٰذا صراط مستقیم"[۲]

راہ مستقیم یہی خدا سے تمسک اور رشتہ استوار کرنا ہے۔ "ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم"[۳]

یہ بات بیان کی محتاج نہیں کہ خدا سے تمسک کا مطلب خدا کے قانون کو قبول کرنا اور اولیائے خدا کی اطاعت کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:
"واللہ نحن الصراط المستقیم"[۴] خدا کی قسم ہم ہی صراط مستقیم ہیں اور بس، بنا بریں سیکڑوں بلکہ ہزاروں منحرف راہوں کے درمیان رہ کر راہ مستقیم پر باقی رہنا اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ ہر مسلمان روزانہ کم از کم دس مرتبہ اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی بارگاہ الٰہی میں "اھدنا الصراط المستقیم"[۵] کہہ کر استقامت کے لئے امداد طلب کرتا ہے۔

۱۔ انعام/۱۶۱
۲۔ یٰس/۶۲
۳۔ آل عمران/۱۰۱
۴۔ نور الثقلین ج ۱ ص ۲۱۔ البتہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ روایتیں ہیں نور الثقلین میں دس حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

لیکن چونکہ قیامت میں "صراط" مجسم ہو کر سامنے آجائے گی۔ اور یہ وہی فکری عقائد اور عملی راستے ہیں جو انسان نے اس دنیا میں اپنائے ہیں اور قیامت میں مجسم ہوں گے اسی وجہ سے ہم نے دنیا میں مطلوب "صراط" اور راستے کے متعلق مختصر عرض کر دیا اب قیامت کی صراط کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

قیامت کی صراط

روز قیامت جہنم پر ایک پل ہوگا جس کا نام صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے[1] اس سے ہر شخص کو گزرنا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:
"وان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتماً مقضیاً ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیاً"[2] تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے جہنم کے کنارے حاضر نہ ہونا ہو یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے لیکن ہم متقی افراد کو نجات دیں گے اور ظالمین کو جبکہ ضعف و ذلت سے گھٹنے ٹیک چکے ہوں گے جہنم میں چھوڑ دیں گے۔

روایتوں کے مطابق مومنین صراط سے مثل برق کے بعض مثل ہوا کے اور کچھ گھوڑے کی رفتار سے گزریں گے۔ خلاصہ یہ کہ جس کا ایمان اور عمل صالح جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی جلدی گزر جائے گا۔[3]

جی ہاں! جس خدا نے دنیوی آگ جناب ابراہیمؑ کے لئے گلزار بنا دی قیامت میں

---

[1] کافی منقول از نور الثقلین ج ۵ ص ۲۷۵

[2] مریم/۷۲

[3] نور الثقلین ج ۳ ص ۳۵۳

آتش جہنم کو مومنین کے لئے سرد کر دے گا[1]۔ البتہ ان مناظر کو دیکھنا حتیٰ مومنین کے لئے بھی اس بات کا سبب ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں گے کہ اس وقت کہاں ہیں اگر خدا کے لئے دنیاوی زندگی میں تھوڑی سختی برداشت کی تھی تو اس کی وجہ سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ خدا کسی کو جہنم سے آشنا کئے بغیر بہشت سے مشرف نہیں کرے گا تا کہ وہ اپنے تئیں خدا کے فضل و انعام کی قدر کریں اور ان کی سرمستی و خوشی میں زیادتی ہو اسی طرح کسی کو اس وقت دوزخ میں نہیں بھیجے گا جب تک کہ اسے بہشت کی نعمتوں کا نظارہ نہ کرا دے تا کہ وہ اپنی بدنصیبی پر اور زیادہ کڑھے اور حسرت کرے۔

صراط کی کیفیت؟

متعدد روایتوں میں ہے کہ اس پل سے گزرتے وقت اپنی تمام تر گھبراہٹوں، آتشیں منظروں راستے کی باریکیوں اور ابدی انجام کے تصوروں کے ساتھ چند منزلیں ہیں جہاں اولیائے خدا کے علاوہ کہ (جو بجلی کی مانند گزر جائیں گے) ہر ایک کو سوال و جواب کے لئے روکا جائے گا۔

"ان ربک لبالمرصاد[1]" کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس گزرگاہ پر نماز، قرابتدار (سے صلہ رحمی) حقوق الناس اور دوسروں کی امانت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس جگہ بھی وہی ثابت قدم ہوں گے جنھوں نے دنیا میں اپنے پیشوا کے انتخاب میں توجہ برتی ہے۔ ہر شخص کے پیچھے نہیں گئے ہیں بلکہ صرف ان رہبروں کی پیروی کی جن کو خدا و رسول نے منتخب کیا ہے[2]۔

---

[1]۔ بے شک تمھارا پروردگار ظالموں کی تاک میں ہے۔ سورۂ فجر/۱۴

[2]۔ بحار/ ج۸ ص۶۹

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے: لکل شئ جواز وجواز الصراط حب علی ابن ابی طالب[۱]

ہر چیز کے عبور کے لئے ایک پروانہ لازم ہے اور قیامت میں صراط سے گزرنے کا پروانہ علیؑ کی محبت ہے۔

بحار الانوار کی انتالیسویں[۳۹] جلد میں بتیس[۳۲] حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا: "انت قسیم الجنۃ والنار"، تم جنت وجہنم تقسیم کرنے والے ہو یعنی تمہاری محبت واطاعت بہشت میں جانے کا ذریعہ ہے اور تمہاری مخالفت اور انکار داخلۂ جہنم کا ذریعہ ہے۔

مرحوم علامہ امینی نے الغدیر کی تیسری جلد میں احمد ابن حنبل، ابن ابی الحدید نیز دیگر علمائے اہلسنت سے نقل کیا ہے کہ صراط سے گزر جانا یا اس سے جہنم میں گر جانا حضرت علی علیہ السلام (کی اطاعت و نافرمانی) سے وابستہ ہے[۲]

ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: أنا الصّراط الممدود بین الجنۃ والنار" میں ہی وہ راستہ ہوں جو جنت وجہنم کے درمیان قائم ہے۔

البتہ دوسری روایت کو پیش نظر رکھنے کا مقصد صراط سے انکار نہیں ہے بلکہ حضرتؑ کی پیروی ومحبت کی وجہ سے یا حضرتؑ سے بغض وانکار کی بنا پر گزرنے یا نہ گزر سکنے کو معیار قرار دینا مقصود ہے۔

اولیائے خدا نے اپنی مناجات میں صراط سے گزرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی میں نالہ وفریاد کی آوازیں بلند کی ہیں، ایک دعا میں ہے "فوا سوأتاه غدًا من الوقوف بین یدیک اذا قیل للمخفّین جوزوا وللمثقلین حطّوا أفمع المخفّین اجوز أم مع المثقلین أحطّ"[۳]

۱۔ بحار ج ۳۹ ص ۲۰۲۔
۲۔ الغدیر ج ۳ ص ۲۹۹
۳۔ مفاتیح الجنان۔ مسجد زید میں پڑھی جانے والی دعا سے اقتباس۔

یعنی اے میرے خدا افسوس کل تیری بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دینا پڑے گا۔ اس دن جبکہ متقی و پرہیزگار سبک بار افراد سے کہا جائے گا۔ صراط سے گزر جاؤ لیکن گناہ کے وزن سے دبے ہوئے لوگوں سے کہا جائے گا جاؤ۔ جہنم میں گر جاؤ اس حال میں مجھے نہیں معلوم میرا کیا حال ہوگا۔ آیا میں گزر جانے والوں میں ہوں گا یا گر پڑنے والوں میں ؟

شفاعت

شفاعت کا مادہ شفع جفت کے معنی میں ہے، شفاعت یعنی کسی چیز یا شخص کے پہلو میں قرار پانا یا دو کا ایک ہو جانا مثلاً ایک شاگرد امتحان میں کم نمبر لاتا ہے استاد ایک دو نمبر اضافہ کر دیتا ہے تاکہ وہ امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ یہاں امتحان کا نمبر اور رعایتی نمبر آپس میں ملکر کمزور طالب علم کو ناکامی سے نجات دلا دیتے ہیں یا مثلاً اکہرا تاگا کمزور ہوتا ہے لیکن جب اس کے ساتھ دوسرا تاگا بٹ دیا جائے تو اس میں مضبوطی آجاتی ہے اور کام کے لائق ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب مریض ڈاکٹر کے مشورے سے دواؤں کا استعمال کرتا ہے صحت یاب ہو جاتا ہے۔

مذکورہ مثالوں میں رعایتی نمبروں کی اصل نمبروں کے ساتھ شمولیت دو دھاگوں کو آپس میں بٹا جانا ڈاکٹر اور دوا سے استفادہ یہ سب شفاعت کی ایک قسم ہے۔

درخت کا تنا بھی شفاعت کرتا ہے غذائی مواد کو جڑ سے لے کر شاخوں اور پھلوں تک پہنچاتا ہے بجلی کے تار بھی بلب تک بجلی پہنچاتے ہیں خلاصہ یہ کہ اس کائنات وجود میں نور و حرارت۔ پانی اور زمین ہر ایک دانہ اور بیج کو درجہ بدرجہ منزل کمال تک پہنچاتے ہیں یہ ہے عالم طبیعت میں پایا جانے والا شفاعت کا مفہوم:

لیکن آخرت میں شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ اولیائے خدا خواہ انبیاءؑ ہوں یا ائمہؑ، علماء ہوں یا شہداء جو لوگ اپنے معنوی کمال تک پہنچ چکے ہیں ایسے کمزوروں کا (کہ جن میں عقائد کی کمزوری نہیں پائی جاتی لیکن عملی لغزشیں ہوتی ہیں) ہاتھ پکڑیں اور ان کو بھی قہر الٰہی سے نجات دیں البتہ ظاہر ہے شفاعت کی اجازت صرف خدا کے اختیار میں ہے (یعنی اس کی اجازت کے بعد ہی مذکورہ افراد شفاعت کریں گے)

شفاعت کے سلسلے میں مطالب بہت زیادہ ہیں تفسیر و حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس پر کافی بحثیں ہوئی ہیں چونکہ میں نے یہ کتاب سادہ اور مختصر لکھنے کی کوشش کی ہے لہٰذا میں اپنی زبان میں صرف ان مباحث کی جھلکیاں پیش کرتے ہی پر ہی اکتفا کروں گا اور شائد بہتر ہو اگر اس بحث کو سوال و جواب کی شکل میں پیش کروں۔

۱۔ کیا قیامت میں اولیائے خدا کی شفاعت قطعی اور یقینی ہے اور قرآن و روایات میں صراحت کے ساتھ شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب، جی ہاں! شیعہ اور اہلسنّت کی تمام اہم کتابوں میں شفاعت کے سلسلہ میں متعدد روایتیں موجود ہیں[۱] امام فخر الدین رازی نے "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا"[۲] کی تفسیر میں کہا ہے " سارے مفسرین کا کہنا ہے کہ مقام محمود جس کا اس

۱۔ معجم المفہرس احادیث النبوی کے ذیل میں صحاح ستہ وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے مادہ شفع کے تحت ملاحظہ فرمائیں
۲۔ عنقریب آپ کا پروردگار اس طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچا دے گا۔ اسراء/۷۹

آیت میں خدا نے پیغمبرؐ سے وعدہ کیا ہے یہی آپ کا مقام شفاعت پر فائز ہونا ہے۔

قرآن نے بیس سے زیادہ جگہوں پر شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں علاّمہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں ۸۶ حدیثیں نقل کی ہیں لہٰذا قرآن و حدیث کے رو سے انبیاءؑ اور اولیائے خدا کی اصل شفاعت میں کوئی شک و شبہ یا اختلاف نہیں ہے اور اگر کچھ سوال اٹھائے بھی جاتے ہیں تو وہ غلط فہمی کے سبب ہیں جو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں دور ہو جائیں گے۔

۲۔ کیا صرف پیغمبر اسلامؐ شفاعت کریں گے ؟

جواب ؛ جی نہیں! اس لئے کہ شیعہ اور سنی دونوں کی روایتوں میں علماء، شہداء اور صالحین کی شفاعت کا ذکر موجود ہے ائمہ معصومینؑ کی شان تو ان سے بالا ہے۔

۳۔ شفاعت کن لوگوں کی ہو گی ؟

جواب، شفاعت ان لوگوں کی ہو گی جن کے عقائد صحیح فکری خطوط سالم اور حقیقی رہنماؤں کے پیرو ہوں گے۔ صرف عمل کے میدان میں لغزشوں سے دوچار ہوئے ہوں گے قرآن کہتا ہے: "لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمٰن عهداً"[1] یعنی صرف وہ لوگ شفاعت سے بہرہ مند ہوں گے جنھوں نے اپنے اور اپنے خدا کے درمیان عہد و پیمان باقی رکھا ہے خدا، اولیائے خدا اور ان کی راہ کو دل سے قبول کیا ہے۔

جی ہاں! آخرت میں شفاعت، دنیا میں کی جانے والی پیروی کا عکس العمل اور نتیجہ ہے جن لوگوں نے اس دنیا میں اولیائے خدا اور علمائے ربانی کی پیروی کی ہو گی اس دن بھی وہ ان سے بہرہ مند اور ان کی شفاعت میں شامل ہو سکتے ہیں البتہ بعض اہم اعمال میں کوتاہی بھی اولیائے خدا کی شفاعت سے روک دیتی ہے۔ جیسے نماز میں کوتاہی کرنا یا اسے سبک سمجھنا۔

---

[1] ۔ مریم / ۸۷

۴۔ شفاعت کی ضرورت کیوں ؟

سوال ہے خدا خود ہی کیوں نہیں گناہوں کو بخش دیتا تاکہ دوسروں کی شفاعت کی ضرورت ہی نہ ہو ؟

جواب

پہلی بات: شاید اس کے ذریعہ خدا کے صالح بندوں کے سامنے لوگوں کو متواضع رکھنا مقصود ہو تاکہ روح میں گھمنڈ اور تکبر پیدا نہ ہو جیسا کہ شیطان کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کا حکم ہوا تو وہ اکڑ گیا اور اس نے خدا کے حکم کی اطاعت نہیں کی۔

قرآن مجید نے ایک گروہ کے لئے کہا ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ رسول اللہؐ تمہارے حق میں دعا اور استغفار کریں تو وہ دوسری طرف سر پھرا لیتے ہیں اور ایک خاص قسم کے تکبر کے ساتھ بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہیں[۱]۔

دوسری بات: یہ کہ شفاعت کا حق خود ایک جزا ہے جو خدا نے عبادت و بندگی کی وجہ سے اپنے اولیا کو دیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ خدا کے یہاں بخشش میں کوئی کمی ہے جس کو وہ لوگوں کے توسط سے پورا کرتا ہے۔

تیسری بات: انسان جب دیکھتا ہے کہ اولیائے خدا مثلاً انبیاء و ائمہؑ، شہداء و صالحین علماء و قائدین اور قرآن و نماز وغیرہ قیامت میں شفاعت کرنے والے ہیں تو وہ کوشش کرے گا کہ دنیا میں ان سے قریب ہو ان کے جلوؤں اور ان کی راہنمائیوں سے استفادہ کرے اور یہ خود شفاعت کے آثار و فوائد میں سے ہے اس سے قطع نظر مقام شفاعت انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ اگر وہ نبوت و امامت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم خود کو شہداء و صالحین اور

۱۔ سورۂ منافقون / ۵

علماء کی صف میں تولا سکتے ہیں۔

۵۔ کیا شفاعت بغیر کام کی اجرت ہے؟

بعض افراد قرآن کی آیت "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ"[1] (انسان کے لئے صرف اس کی سعی و کوشش فائدہ بخش ہے) دیکھنے کے بعد کہتے ہیں بدلہ اور اجرت کام کی اساس پر ہونا چاہیئے اور اگر گناہگار جہنم کے مستحق ہیں تو ان کی شفاعت کرنا گویا کام کے بغیر مزدوری دینا ہے جو مذکورہ آیت سے منافات رکھتا ہے۔

ہم اس کے جواب میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں توجہ فرمائیں۔

۱۔ جو شخص لین دین میں اپنی ساکھ قائم کرلیتا ہے بازار میں اگر کچھ نقد رقم لے کر جائے تو اسے کچھ مال ادھار بھی مل جاتا ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں شخص مثلاً ۳۰ ہزار روپیہ لے کر گیا تھا اس کو کس طرح چالیس ہزار روپئے کا مال مل گیا دوکانداروں نے اس پر کیوں اعتبار کیا اور اس کو ادھار مال دے دیا، یہ بغیر کام کے مزدوری لینا یا بغیر قیمت کے مال بیچنا ہے اس لئے کہ دس ہزار روپئے کا مال نقد دیئے جانے والے تیس ہزار روپئے کی بنیاد اور اعتبار کی وجہ سے ہی ہے۔ قیامت میں بھی گناہ کی شفاعت صرف ان لوگوں کی ہوگی جو ایمان اور عمل صالح کا ذخیرہ رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنا اعتماد و اعتبار قائم کردیا ہے اس لحاظ سے شفاعت سے بہرہ مند ہونا درحقیقت انسان کے ذریعے انجام دئے گئے اچھے اعمال کا ہی پرتو ہے۔

۲۔ کوہ پیمائی کی مہم میں اسی کی مدد کی جاتی ہے جو اس کی کچھ چوٹیاں سر کرچکا ہو ورنہ جو پہاڑ سے ٹیک لگائے نیچے ہی کھڑا ہوا سے کوئی قوی شخص اپنے کاندھوں پر پہاڑ کی آخری چوٹیوں تک نہیں لے جاتا۔ شفاعت کے لئے بھی ضروری ہے کہ انسان کے پاس اعمال صالحہ کا ذخیرہ

---

[1] ۔ نجم/۳۹

موجود ہوتا کہ اولیائے خدا کی شفاعت اس میں شامل ہو سکے اور یہ بغیر کام کی اجرت نہیں ہے۔

۶۔ کیا انبیاء اور ائمہؑ وغیرہ خدا سے زیادہ کریم ہیں ؟

سوال یہ ہے کہ آیا شافعین روز قیامت مثلاً انبیاء، ائمہؑ شہدا اور علماء وغیرہ خدا سے زیادہ کریم ہیں کہ خدا تو گناہگاروں کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور اولیائے خدا انھیں نجات دینا چاہتے ہیں ؟!!

جواب: جی نہیں! ایسا نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی خدا کی اجازت کے بغیر حق شفاعت نہیں رکھتا۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ مقام و منزلت رکھنے والے ہی شفاعت کریں گے اگر خدا نے ان افراد کو یہ شرف و مقام نہ دیا ہوتا یا شفاعت کرنے کی اجازت نہ دی ہوتی تو کوئی بھی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا ان افراد کا واسطہ اور وسیلہ بننا بھی لطف خدا کا ہی ایک جلوہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ"[۱] کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے ؟

۷: اگر قانون جزا و سزا عدالت کے مطابق ہے تو یہ سفارش کیوں ؟

جواب: گناہگاروں کے اپنے انجام کیفر تک پہنچنے کا قانون حق ہے لیکن اولیائے خدا کو شفاعت کا اعلیٰ مرتبہ عطا کیا جانا بھی حق ہے لہٰذا کبھی کبھی دو کاموں کے درمیان جو حق و عدالت کے مطابق ہوں ایک کو کسی دلیل کی بنا پر ترجیح بھی دے دی جاتی ہے۔

دوسری طرف خدا صرف منتقم نہیں ہے بلکہ غفور رحیم بھی ہے لہٰذا وہ ہر میدان میں اپنے کسی الٰہی جلوہ کا مظہر ہو سکتا ہے کبھی عدل و انتقام کی بنیاد پر گناہگاروں کو عذاب دیتا ہے، اور کبھی اپنے غفور رحیم ہونے کی وجہ سے اس کو بخش دیتا ہے اس لئے کہ عطا و بخشش بھی حق ہے اور الٰہی صفات میں سے ہے۔

۸۔ کیا وعدۂ شفاعت گناہگاروں کو جری نہیں بناتا ؟

۱۔ بقرہ/۲۵۵

جواب: اگر ایک شخص سے یہ وعدہ کریں کہ تمہارے فلاں گناہ پر فلاں وقت میں ضرور شفاعت ہوگی تو یقیناً انسان میں گناہ کی جرأت پیدا ہوگی لیکن شفاعت کا ایمان و عقیدہ اس صورت میں جب کہ ہم کو معلوم نہ ہو کہ ہم شفاعت میں شامل ہوں گے یا نہیں اور بالفرض اگر شفاعت میں شامل ہوئے تو آیا یہ شفاعت ہمارے فلاں گناہ کو شامل ہوگی نہیں اور اگر بالفرض شامل ہے تو آیا یہ شفاعت مدتوں عقوبت و عذاب الٰہی سے پہلے ہوگی یا کیفر کے بعد؟! اس بنا پر چونکہ یہاں کئی نامعلوم نکتے موجود ہیں اس لئے کسی میں گناہ کرنے کی جرأت پیدا نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر ایک بینک انعام دینے کا اعلان کرے تو یہ اعلان کھاتا کھولنے والوں کے لئے ندر امید کی کرن تو پیدا کر سکتا ہے لیکن پیسے کے ذریعے انعام کی رقم لے لینے کی جرأت اور یقین نہیں دے سکتا اس لئے کہ نہ انعام پانے والے کا نام معلوم ہے نہ ہی انعام کی رقم اور اس کے ملنے کی تاریخ ان سب سے قطع نظر کیا توبہ کی قبولیت گناہ کی جرأت پیدا کرتی ہے کیونکہ توبہ بھی تو گناہگاروں کے دل میں نور امید روشن کرتی ہے۔ پس توبہ بھی گناہ کے سلسلہ میں جری کرنے کا ذریعہ کہی جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم خداوند عالم کس کی توبہ کس گناہ کی توبہ کن شرائط کے ساتھ قبول کرے گا؟ علاوہ ازاین شفاعت کے شرائط جیسا کہ ہم نے عرض کیا انسان میں رشد و کمال کا باعث ہوتی ہیں نہ کہ گناہ کی جرأت کا تیسرے سوال کے ذیل میں جہاں شفاعت کے شرائط بیان ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۹۔ بعض آیتوں میں شفاعت کی نفی کیوں ہے؟

جواب: صحیح ہے کہ سورہ بقرہ کی ۴۸ ویں اور ۱۲۲ ویں آیتوں میں ہے کہ اس دن سے ڈرو جس دن کسی کی شفاعت قبول نہیں ہوگی، لیکن یہ خطاب خود غرض یہودیوں سے ہے جو ایک موہوم عقیدہ رکھتے تھے کہ یہودیوں پر ہرگز عذاب الٰہی نہیں ہو سکتا اور اگر ہوگا بھی تو صرف چند روز کے لئے ہوگا، کیونکہ قوم یہود ہی سب سے برتر قوم اور نظام آفرینش کی آنکھ کا

تو رہے اور قیامت میں بھی خدا کی شفاعت اس کے شامل حال رہے گی۔ لہٰذا ان کے اس خود غرضانہ جذبہ کو کچلنے کے لئے قرآن کہتا ہے: اس دن سوائے عمل کے کوئی چیز کام نہ آئے گی نہ کوئی کسی کا بدل بن سکے گا۔ نہ کسی کی شفاعت و سفارش قبول ہوگی نہ ہی کوئی معاوضہ لیا جائے گا۔ اسی طرح بت پرستوں کا بھی عقیدہ تھا کہ یہ پتھر اور لکڑی کے تراشے ان کی شفاعت کریں گے یہاں قرآن نے ان خرافات کا سر کچلا ہے۔

جی ہاں! مردان خدا جو معبود کی بندگی کے ذریعہ مقام محمود تک پہنچے ہیں کہاں ان کی شفاعت کہاں عقل و شعور سے عاری سنگ و چوب کی شفاعت؟

اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف و اقرار کرنے والوں کی شفاعت کہاں اور خود غرض و قوم پرست یہودیوں کی شفاعت کہاں؟ لہٰذا قرآنی آیتوں میں قیامت کے دن شفاعت کی نفی نظر آئے تو اس سلسلہ میں دیکھنا پڑے گا کہ آیت کس سے متعلق ہے شفاعت کرنے والے کون ہیں اور کن لوگوں کی شفاعت کی نفی ہو رہی ہے۔

۱۰۔ شفاعت سے محروم افراد کون ہیں؟

جواب: اس کے لئے بھی مناسب ہے کہ ہم آسمانی کتاب قرآن کا جائزہ لیں کہ وہ کیا کہتا ہے اس سلسلہ میں قرآن نے اہل بہشت (جبکہ وہ بہشت میں ہوں گے) اور اہل جہنم کے درمیان ہونے والی گفتگو نقل کرتے ہوئے ایک بڑا ہی دلچسپ منظر کھینچا ہے۔ "فی جنات یتسائلون عن المجرمین" جنت میں مقیم اہل بہشت گناہگار دوزخیوں سے سوال و جواب کریں گے۔ وہ پوچھیں گے۔

"ماسلککم فی سقر" آخر تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچا دیا؟

"قالوا لم نک من المصلین" مجرمین کہیں گے کہ ہم نماز کے پابند نہیں تھے۔ اور اور حق خدا کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے تھے۔

" ولم نك نطعم المسكین " اور ہم معاشرے کے محروم طبقے یعنی مسکینوں کے حقوق کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور اس آیت کے ذیل میں وارد حدیث کے مطابق وہ کہتے تھے ہم خمس و زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

" وکنا نخوض مع الخائضین " اور ہم لوگوں کے ہمراہ بُرے کاموں میں یعنی لہو و لعب میں غرق رہتے تھے۔

" وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین " اور ہم روز قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہماری موت کا دن آپہنچا۔

" فما تنفعھم شفاعة الشافعین[1] " پس (ان کے ان اعمال کے سبب) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انھیں فائدہ نہ پہنچا سکی اور وہ اس سے محروم رہ گئے۔

گویا شفاعت سے محروم رہنے کے اسباب یہ ہیں :

الف ۔ نماز اور حق خدا سے لاپروائی کرنا۔

ب ۔ سماج کے محروم طبقوں سے بے توجہی کرنا۔

ج ۔ لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہو جانا۔

د ۔ سیکڑوں دلیلوں کے باوجود ہٹ دھرمی کے تحت قیامت کو قبول نہ کرنا۔

۱۱ ۔ کیا خدا اور اس کے اولیاء کے الطاف محدود نہیں کہ کچھ گروہ حق شفاعت میں شامل بھی نہیں ہو سکتے ؟

جواب ۔ الطاف خدا سے بہرہ مند ہونا صرف خدا کے لطف سے مربوط نہیں ہے بلکہ ہمارے ظرف کی وسعت سے اس کا تعلق ہے۔ سمجھنے کے لئے چند مثالیں دیتا ہوں۔

---

[1] ۔ سورۂ مدثر / ۴۸ - ۳۹

سورج کی روشنی میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن اگر خاک اپنی تیرگی کی وجہ سے اپنے اندر اس کی کرنیں آئینہ کے مثل منعکس نہ کر سکے تو اس میں روشنی کا کیا قصور ہے۔

دریا میں پانی بہت زیادہ ہے لیکن اس کا ایک قطرہ بھی گیند کے اندر نہیں جا سکتا تو اس میں دریا کا کیا قصور ہے کیونکہ گیند کے راستے ہی بند ہیں جس کی وجہ سے وہ اس ایک قطرہ سے محروم رہا۔

انسان نے اپنے گناہ کی زیادتیوں کی وجہ سے اپنی روح کو تاریک اور اس روح میں داخلہ کے دروازوں یعنی چشم و گوش و فکر کو بند کر دیا جس کی وجہ سے وہ فضل الٰہی سے محروم رہا۔

جی ہاں! اگر ڈاکٹر کسی مردہ کو زندہ نہ کرے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں کیونکہ مردہ نے اس کے جوہر کے جذب کی صلاحیت کھو دی ہے۔

قرآن کٹھ حجتی کرنے والوں کے بارے میں کہتا ہے: "صم، بکم، عمی" وہ گویا گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔

ان لوگوں کے لئے خدا اس طرح پیغمبرؐ سے خطاب کرتا ہے: "انک لا تسمع الموتیٰ"[1] آپ مردوں اور بہروں کو راہ راست پر نہیں لا سکتے اور نہ ہی ان کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "لینذر من کان حیا"[2] "آپ زندہ دل افراد ہی پر اپنے تبلیغی اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔

بذر شفاعت

محترم قارئین، شفاعت کے بیج کو اسی دنیا میں بوئیں تاکہ آخرت میں اس کو کاٹ سکیں۔

---

[1] ۔ نمل / ۸۰

[2] ۔ یٰس / ۷۰

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: استجیبوا الانبیاء وسلموا بامرھم واعملوا بطاعتھم تدخلوا فی شفاعتھم "پیغمبرؐ کی دعوت کو قبول اور ان کے فرمان کو تسلیم کر دو نیز اس کے مطابق عمل کرو تا کہ ان کی شفاعت میں شامل ہو جاؤ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا کہ آخرت میں شفاعت اس دنیا میں پیروی کا نتیجہ ہے جس کا یہاں انبیاءؑ، ائمہؑ، شہداء اور علماء سے سروکار نہیں رہا ان کی ساری فریادیں اور جد وجہد بے سود ہیں اور وہ شفاعت سے محروم رہیں گے۔

چند نکتے

روایتوں سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ شفاعت کرنے والوں کے درجات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں تفاوت ہے سب سے بلند مقام پیغمبر اکرمؐ کا ہے اس کے بعد ائمہ معصومینؑ اور انبیاء کا ہے اس کے بعد علماء اور شہداء وغیرہ کا ہے اور شفاعت کی حدود و مقدار شفاعت کرنے والے کے مقام و منزلت کے لحاظ سے ہوگی۔

۲۔ روایتوں کی جمع بندی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قیامت میں شفاعت کا افتتاح پیغمبرؐ کے ہاتھوں ہوگا۔ (اس پر دلیل تفسیر المیزان اور سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۴۳۰۷ ہے)

۳۔ ائمہ معصومینؑ نے متعدد بار ارشاد فرمایا ہے: خدا کی قسم ہم شفاعت کریں گے۔

۴۔ شفاعت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ گناہگار بغیر کسی عقاب کے لطف الٰہی میں شامل ہوگا۔ ہو سکتا ہے مدتوں عذاب کے بعد دامن عفو میں جگہ پائے جیسا کہ بحار ج ۸ ص ۳۶۲ میں اس کا بیان کیا گیا ہے۔

جب کفار و مشرکین خدا پرست گناہگاروں کے ساتھ دوزخ میں جمع ہوں گے تو کفار و مشرکین ان گناہگاروں سے طنزیہ لہجہ میں کہیں گے تمہارا خدا پر ایمان کس درد کی

دوا ثابت ہوا۔ تم بھی تو ہمارے ہی جیسے جہنم میں آئے اس وقت خداوند عالم ملائکہ کو حکم دے گا ان کو عذاب سے نجات دے دو۔ اس لحاظ سے عفو الٰہی کبھی مدتوں عقوبت کے بعد انسان کے شامل حال ہو گی۔

۵۔ شفاعت صرف چند عظیم شخصیتوں ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۵ کی رو سے روز قیامت شفاعت کرنے والوں میں ایک قرآن بھی ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "واعلموا انہ شافع ومشفع ... وانہ من شفع لہ القرآن یوم القیامۃ شفع فیہ"، آگاہ ہو جاؤ کہ قرآن ان شفاعت کرنے والوں میں سے ہے جس کی شفاعت روز قیامت (ان افراد کے بارے میں جنھوں نے اس کی تعلیم حاصل کی اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی، اس کی تلاوت بھی کی اور اس پر عمل بھی کیا) قبول ہو گی۔

اگرچہ بعضوں نے توجیہ کرتے ہوئے قرآن کی شفاعت کے دوسرے معنیٰ بیان کئے ہیں لیکن اصول کافی جلد ۲ ص ۵۹۶ کی بہت سی روایتوں کے مطابق قرآن دوسرے اعمال خیر کے مانند تجسم پائے گا اور ایک حسین و جمیل جوان کی شکل میں اس طرح اہل قیامت کے درمیان گزرے گا کہ انبیاء فرشتے اور مومنین یہی خیال کریں گے کہ وہ بھی ان ہی کی ایک فرد ہے ان سب کے علاوہ وہ ایک عظیم مقام پر فائز ہو گا اور اپنے حامیوں کی شفاعت کرے گا اور کہے گا معبود فلاں نے میری راہ میں بہت زحمتیں برداشت کی ہیں اور میری حفاظت کی ہے، آج اسے بہترین نعمتوں سے بہرہ مند فرما۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ قرآن صرف شفاعت ہی نہیں کرے گا بلکہ کافی کی حدیث کی رو سے لوگوں کے درجات میں اضافہ بھی کرائے گا۔[1]

---

[1] اصول کافی ج ۲ ص ۵۹۸

نالۂ استمداد

وہ دن جب سختیوں کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے [۱]

جس دن نہ کوئی معاملہ ہوگا نہ کوئی دوستی کام آئے گی نہ ہی سفارش۔ [۲]

جس دن صاحبان تقویٰ کے علاوہ تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ [۳]

جس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اولاد سے فرار کرے گا اور صرف اپنی نجات کی فکر میں ہوگا۔ [۴]

جس دن مجرمین اپنی ساری چیزیں فدا کرنا چاہیں گے تاکہ ان کو نجات مل جائے۔ [۵]

۱۔ یوماً یجعل الولدان شیبا" مزمل/۱۷

۲۔ یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ" بقرہ/۲۵۴

۳۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین" زخرف/۶۷

۴۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ" عبس/۳۴

۵۔ لو ان لھم ما فی الارض جمیعاً ومثلہ معہ لافتدوا بہ" رعد/۱۸

جس دن انسان کہے گا اب بھاگ کر کہاں جائیں[1] ؟!

جس دن انہیں موت ہر طرف سے گھیرے گی حالانکہ وہ مرنے والے نہیں ہیں[2]۔

اس دن ہم ہوں گے اور ہمارے اعمال ہوں گے اور ہمارا خدا، ہم ہوں گے اور ہمارے اعمال کی جزا اس دن گنہگار بے بس ہوگا۔

امام زین العابدین علیہ السلام (وقت سحر ماہ رمضان کی مناجات میں) فرماتے ہیں انسان حسرت و یاس سے کبھی اپنے داہنی طرف دیکھے گا اور کبھی بائیں طرف۔ وہ دیکھے گا کہ انسان کے نیک اعمال اس کی نجات کا سبب بنے ہیں لیکن وہ صرف خالی ہاتھ ہے۔ اور جتنے بھی کام اس نے اس دنیا میں انجام دیئے یا تو ریا کی وجہ سے یا غرور و تکبر کی وجہ سے باطل ہو گئے یا نیک عمل کے بعد ایک ایسا گناہ کیا جس نے اس کے کار خیر کو بھی ختم کر دیا۔ نادانی کی وجہ سے بھی بہت سے کاموں کو اچھا سمجھتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ برے ہیں، بقول قرآن "زین له سوء عمله[3] خود کو برے اعمال سے آراستہ کیا" وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً[4] اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے اعمال انجام دیتے ہیں۔

اس دن گنہگار ادھر ادھر ہاتھ ماریں گے مگر کوئی چارہ کار نہ ہوگا، قرآن نے اس منظر کو بیان کیا ہے جسے ہم پیش کر رہے ہیں:

"خدایا! اسے ہمارے اور ہمارے قارئین کے لئے سودمند قرار دے"

۱۔ قیامت ص۱۰

۲۔ ویاتیه الموت من کل مکان و ما هو بمیت ابراہیم/۱۷

۳۔ فاطر ایت ۸

۴۔ کہف ایت ۱۰۴

قیامت میں مدد کی فریاد

مومنین سے امداد کی خواہش

گنہگار مومنین سے مختلف طریقوں سے مدد طلب کریں گے کبھی کہیں گے:

"انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا ورائکم فالتمسوا نوراً"[1]

ذرا ہماری طرف بھی نظر رحمت کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو ان سے کہا جائیگا کہ اپنے پیچھے پلٹ جاؤ اور اپنے (راہبر) شیطان سے نور کی التماس کرو۔

گناہگار کہے گا "الم نکن معکم" کیا ہم دنیا میں ایک دیہات، شہر ایک کارخانہ ایک بازار اور ایک ادارہ میں نہیں رہتے تھے اہل بہشت جواب دیں گے جسمانی طور پر تو ہم ایک جگہ تھے مگر فکری رنگ دو عمل و اہداف، رہبر کے انتخاب اور روشیوہ زندگی میں ہم تم سے جدا تھے کبھی گناہگار اس طرح سے مدد مانگیں گے۔ "افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین"[2]، جنت والے جہنم والوں سے پکار کر کہیں گے ذرا ٹھنڈا پانی یا خدا نے جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی دے دو تو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ان چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ مجرمین سے مدد کی فریاد

جب گناہگار نیکوکاروں کی طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو وہ اپنے گناہ دوسروں کی گردن پر ڈالنا چاہیں گے اور کہیں گے "لولا انتم لکنا مومنین"[3]، (اے بے ایمان رہبرو) اگر تم درمیان

۱۔ حدید/۱۳ ۲۔ اعراف/۵۰ ۳۔ سبا/۳۱

میں نہ آگئے ہوتے تو ہم صاحب ایمان ہوتے لیکن ان کو جواب ملے گا " انحن صددناکم[1]"
کیا ہم تمھاری ہدایت میں رکاوٹ بنے تھے۔ راستہ، روشنی اور آنکھوں کے ہوتے ہوئے تم نے کیوں
کج روی اختیار کی؟ مجبی گناہگار کہیں گے: اطعنا سادتنا و کبرائنا فاضلونا السبیلا"[2]
ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انھوں نے راستہ سے بھکا دیا اور خدا سے اپنے گمراہ
رہبروں پر دہرے عذاب کا مطالبہ کریں گے" ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب[3]"، لیکن خدا
جواب دے گا " لکل ضعف[4]" صرف تمھارے رہبروں ہی کو گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی وجہ سے
دہرا عذاب نہیں ملے گا بلکہ تم پر بھی دہرا عذاب ہوگا کیونکہ تم نے بھی درحقیقت دو گناہ کئے ہیں ایک تو
یہ کہ تم نے کج روی اختیار کی دوسرے یہ کہ ان کی پیروی اختیار کرکے ان کی تائید اور تشویق کی ہے
گویا انحراف کے بھی مرتکب ہوئے اور ظالم کی تشویق کا بھی گناہ کیا۔

گناہکار اپنے رہبروں سے کہیں گے" فھل انتم مغنون عنا[5]"، ہم جو ساری عمر تمھارے
پرچم کے نیچے رہے اور دنیا میں تمھاری ہر بات کو بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے کیا آج تم ہمارے درد
کی دوا بن سکتے ہو اور ہم کو عذاب سے نجات دلا سکتے ہو تو گمراہ پیشوا جواب دیں گے" انا کل فیھا[6]"
کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ہم خود ہی بلاؤں میں گرفتار ہیں۔

خلاصہ۔ یہ کہ گناہگار کتنا ہی اپنے کو بچانا چاہے گا اور اپنے گناہ کو دوسروں کی گردن پر
ڈالنا چاہے گا۔ اسے کامیابی نہیں ملے گی جی ہاں! انسان کا ارادہ ایک قوی صلاحیت رکھتا ہے
جس سے وہ غلط نظام کو ختم کر سکتا ہے کیونکہ انسان معاشرہ کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ خود معاشرے کی
تعمیر کرتا ہے انسان صرف رسومات کا غلام نہیں ہے بلکہ رسومات شکن بھی ہے، انسان صرف مادی

۱۔ سبا/۳۲
۲، ۳۔ احزاب/۶۷ - ۶۸
۴۔ اعراف/۳۸
۵۔ ابراہیم/۲۱
۶۔

اقتصادی نظام سے وابستہ نہیں اس کے یہاں دوسرے انسانی پہلو بھی پائے جاتے ہیں قرآن نے اس کا بہترین نمونہ زنِ فرعون، زنِ نوح اور زنِ لوط کی شکل میں پیش بھی کیا ہے[۱] فرعون کی بیوی باوجودیکہ فرعون کے محل میں تنہا تھی اور اس کے استبدادی نظام کے دباؤ میں بھی تھی لیکن اپنے محکم ارادہ سے نہ تو اس نے فرعون کو قبول کیا نہ ہی سونے چاندی اور دربار و محل نے اس کے احساس کو متاثر کیا فرعون کے محل میں رہنے کے باوجود ہمیشہ الٰہی رہنما جناب موسیٰ کی طرفدار رہی اس کے برعکس جناب نوح اور جناب لوط کی بیویاں ان کی تبلیغات اور دسترخوان وحی کی روٹیاں توڑنے کے باوجود چونکہ حق کو قبول نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لئے قبول نہیں کیا ۔

شیطان سے امداد کی خواہش

گناہگار روز قیامت نالہ و نفرین کے بعد اس فکر میں ہوں گے کہ اپنے گناہ شیطان پر تھوپ دیں لیکن اس کے جواب سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیطان بھی انحراف کو ارادۂ انسانی کا تابع جانتا ہے شیطان مجرموں سے کہے گا " لا تلوموني ولوموا انفسکم[۲] " میری ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفس کی ملامت کرو کیوں کہ میرا تمھارے اوپر کوئی زور نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمھیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کرلیا " الا ان دعوتکم فاستجبتم لی[۳] " میں نے یہی دعوت مومنین کے سامنے رکھی ۔ مگر وہ قوی ثابت ہوئے جب میں نے ان کے اندر کوئی وسوسہ پیدا کرنا چاہا انھوں نے خدا کو یاد کیا " اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا[۴] "

(لیکن) تم نے خود ہی اپنے دلوں کو میرے حوالے کیا لہٰذا میں نے وہاں سکونت اختیار

---

۱ ۔ تحریم / ۱۱
۲ ۔ ابراہیم / ۲۱
۳ ۔ ابراہیم / ۲۱
۴ ۔ اعراف / ۲۰۱

کرلی۔" فھو لہ قرین[1]" ورنہ صاحبان ایمان پر نہ تو میں زور ڈال سکتا ہوں نہ ہی غلبہ پاسکتا ہوں" ماکان لی علیکم من سلطان[2]، لیس لہ سلطان علی الذین امنوا[3]"

۴۔ گناہگار جس طرف ہاتھ مارتا ہے مایوس ہوتا ہے نہ مومنین اس کی مدد کرتے ہیں نہ ہی دوست اور نہ ہی ان کے رہبر حتیٰ شیطان بھی اس کے گناہوں کو اپنے اوپر لینے کو تیار نہیں، اس وقت وہ ملائکہ اور دوزخ کے مامورین سے مدد طلب کرے گا اور کہے گا۔" وقال الذین فی النار لخزنۃ جھنم ادعوا ربکم یخفف عنا یوماً من العذاب[4]" جہنم میں رہنے والے جہنم کے خازنوں سے کہیں کے کہ اپنے پروردگار سے کہو کہ ایک ہی دن ہمارے عذاب میں تخفیف کردے۔ ہمیں قبول ہے کہ ہمارا عذاب ابدی ہے لیکن ایک ہی روز کے لئے ہم پر لطف ہوجائے، ہم قبول کرتے ہیں کہ ہمارے عذاب کا سلسلہ نہیں ٹوٹنا چاہئے مگر ہم تو اس میں تخفیف کا تقاضہ کرتے ہیں اب اس موضوع پر مزید میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں اور کیا بیان کروں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ یہ نالہ و فریاد زندہ دلوں کو لرزا دینے کے لئے کافی ہے وہ فرشتے بھی انکار میں جواب دیں گے کہ جب تم نے سالہا سال آواز حق کو سنا تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔[5]

اقرار گناہ

اب آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے خود ہی اپنی شقاوت و گمراہی کے معترف ہوں گے۔

۱۔ زخرف/۳۶ ۲۔ ابراہیم/۲۲ ۳۔ نحل/۹۹

۴۔ غافر/۴۹ ۵۔ غافر/۵۰

اور بڑی بے شرمی سے کہیں گے: "ربنا اخرجنا منها فان عدنا فانا ظالمون"[1]

پروردگار اب ہمیں جہنم سے نکال دے اس کے بعد ہم گناہ کریں تو ہم واقعی ظالم ہیں۔ لیکن جواب ملے گا خاموش! وہ وقت یاد نہیں جب میرے نیک بندے اپنی مناجات میں یہ پڑھتے تھے "ربنا آمنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیر الرحمین" اور ہم سے طلب عفو و بخشش کرتے تھے تو تم ہنستے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے، یہی توہین اور مسخرہ بازی تمھاری غفلت کا سبب ہے[2]۔

ہاں! جو اہل ایمان، دعا و مناجات نہیں کرتے انھیں کم سے کم صاحبان ایمان کا مذاق تو نہیں اڑانا چاہئے۔

---

[1] ۔ مومنون / ۱۰۷

[2] ۔ مومنون / ۱۱۰

کفار و مجرمین کی کیفیت

قیامت کے سلسلہ میں بھلا ہم کیا کہہ سکتے ہیں یا لکھ سکتے ہیں جس کے متعلق حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی آنکھ نے دیکھا ہے ہم غیب یا عالم ملکوت کو صرف وحی کے ذریعہ ہی معلوم کر سکتے ہیں لہٰذا قرآن کی طرف رجوع کر کے قرآن کی سیکڑوں آیتوں میں سے جو کفار اور مجرموں کے حالات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ہم چند آیتوں کو انسانی اعضاء کی ترتیب سے بیان کر کے آگے بڑھیں گے۔

عقل کی کیفیت

قرآن میں ہے کہ قیامت کا زلزلہ اتنا سخت ہوگا کہ لوگ نشہ کی حالت میں نظر آئیں گے حالانکہ درحقیقت وہ بدمست نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔

" وتری الناس سکاری وما ھم بسکاری ولکن

عذاب اللہ شدید"[1]

البتہ ان تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود مومنین کے لئے ایک طرح کا امن و سکون ہوگا جسے ہم انشاءاللہ آیندہ فصلوں میں بیان کریں گے۔

پیشانی اور آنکھوں کی حالت

وہ مالدار جو اپنی دولت کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تھے قیامت کے دن انھیں درہم و دینار کو آتش جہنم میں تپا کر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت کو داغا جائے گا اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہی وہ ذخیرہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا قرآن اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

"یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم[2]"

شدت خوف و ترس سے آنکھیں پتھرا جائیں گی اور ایک ہی طرف دیکھتی رہ جائیں گی بقول قرآن: "تشخص فیہ الابصار[3]" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "خاشعۃ ابصارھم[4]" روز قیامت ان کی آنکھیں اشک آلود اور شرم سے جھکی ہوں گی۔ اور ایک آیت میں ہے کہ گنہگار جب قیامت میں اندھا محشور ہوگا تو کہے گا پروردگار میں تو دنیا میں صاحب بصارت تھا تو نے مجھے اندھا محشور کیا تو جواب دیا جائے گا کہ اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں اور تو نے انھیں بھلا دیا تو آج تجھے بھی اندھا او نظر انداز کر دیا گیا[5]

۱۔ سورہ حج / ۲ ۲۔ توبہ / ۳۵ ۳۔ ابراھیم / ۴۲

۴۔ قلم / ۴۳ ۵۔ طٰہٰ / ۱۲۵

امام محمد باقر علیہ السلام کا سورہ اسرا آیت نمبر ۷۲ "من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ"[1] کی تفسیر کے سلسلے میں بہترین بیان موجود ہے اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے آسمان و زمین کی خلقت، چاند، سورج اور شب و روز کی گردش بلکہ عجیب و غریب نشانیوں کو دیکھا لیکن پھر بھی خدا کو نہیں پہچانا ہے اور عمل میں ان لوگوں کے مانند ہیں جنھوں نے خدا کی کوئی نشانی بھی نہ دیکھی ہو اور ننگی حیوانوں کی طرح غافلانہ زندگی گزارتے ہیں وہ قیامت میں نابینا محشور ہوں گے البتہ اس دن کی نابینائی دنیا میں دل کے اندھے پن کا ردعمل ہے[2]۔

روایت میں ہے کہ جن لوگوں کو حج پر جانا چاہئے لیکن آج کل کہہ کے اس عظیم عمل میں تاخیر کرتے ہیں قیامت میں اندھے محشور ہوں گے۔

قیامت میں گوناگوں مراحل ہوں گے جن میں سے ایک مرحلہ ایسا ہوگا جہاں گنہگار گریہ کریں گے جسے "موقف البکاء" یعنی مقام گریہ کہتے ہیں لیکن اب یہ گریہ بے سود اور فریادیں بیکار ہوں گی البتہ اس آیت کے ساتھ ساتھ یہ حدیث بھی نقل کر دوں کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کل عین باکیۃ یوم القیامۃ الا ثلاثۃ، عین غضت عن محارم اللہ وعین سھرت فی طاعۃ اللہ وعین بکت فی جوف اللیل من خشیۃ اللہ"[3]، قیامت میں ساری آنکھیں گریہ کناں ہوں گی سوائے تین آنکھوں کے جو قیامت میں نہ روئیں گی:

۱۔ وہ آنکھیں جو محارم الہی سے محفوظ رہی ہوں۔

۲۔ وہ آنکھیں جو اطاعت خدا میں بیدار رہی ہوں۔

۱۔ جو دنیا میں نابینا ہوگا وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا لیکن امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دل کے اندھے ہوتے ہیں آنکھوں کے نہیں۔

۲۔ نور الثقلین جلد ۳ ص ۱۹۷ ۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۱۷۹

۳۔ وہ آنکھیں جو رات کی تاریکیوں میں خوف الٰہی سے اشکبار رہی ہوں۔

اور اس کے بالکل برعکس ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ لغو اور بیہودہ باتوں پر زیادہ ہنستے ہیں قیامت کے دن بہت زیادہ روئیں گے[1]

نیز متعدد روایت میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مظلومیت اور خاص طور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر رونے کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو ہماری مصیبتوں پر گریہ کرے گا یا کسی کو رلائے گا وہ قیامت میں نہیں روئے گا[2]۔

قیامت میں مجرموں کے چہرے

قرآن کہتا ہے: "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ[3]" وہ دن جب نیک لوگوں کے چہرے سفید اور گنہگاروں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: کانما اغشیت وجوھھم قطعاً من اللیل مظلماً[4] گویا گنہگاروں کے چہروں پر سیاہ رات کی تاریکی کا پردہ ڈال دیا گیا ہو۔

ایک جگہ فرماتا ہے: "ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ"[5]

"قیامت میں کچھ چہرے غبار آلود ہوں گے" لیکن اس کے مقابل اہل بہشت کے چہرے نورانی ہوں گے جسے انشاء اللہ آئندہ فصلوں میں بیان کریں گے۔

۱۔ قال صادق علیہ السلام: کم ممن کثر ضحکہ لاعبا یکثر یوم القیامۃ بکائہ'

۲۔ بحار ج ۴۴ ص ۲۷۸ ۳۔ سورہ آل عمران/۱۰۶

۴۔ یونس/۲۷ ۵۔ عبس/۴۰

دعائے وضو میں چہرے کو دھوتے وقت قیامت کی یاد کی تاکید کی گئی ہے اس لئے چہرے پر پانی ڈالتے وقت کہتے ہیں پروردگار میری صورت کو اس روز جب گنہگاروں کے چہرے سیاہ ہوں گے سفید (نورانی) کر دے۔

مجرموں کی ناک کی حالت

معروف و مشہور ضرب المثل ہے کہ فلاں کی ناک کٹ گئی (فلاں کی ناک رگڑ دی) (فلاں نے ناک میں دم کر دیا) اسی سے ملتی جلتی چیز قرآن میں بھی ہے۔ قرآن ان لوگوں کے بارے میں جو انبیا کو دیکھ کر منہ بناتے تھے اور آیات وحی کو ڈھونگ کہتے تھے کہتا ہے: "سنسمہ علی الخرطوم"[1]، ہم ان کی ناک پر نشان لگا دیں گے، یہاں ناک کے بجائے لفظ خرطوم استعمال کیا ہے تاکہ انھیں ذلیل کریں اس لئے کہ ناک پر نشان لگانا سب سے بڑی ذلت و رسوائی ہے۔

زبان و دہن کی حالت

قیامت میں صرف ایک ہی دو منزلیں نہیں بلکہ مختلف منزلیں اور مرحلے ہیں اور ہر منزل میں لوگوں کی ایک خاص کیفیت ہو گی۔ ایک جگہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔[2] بعض آیات میں ہے کہ قیامت کے دن مجرمین گونگے ہوں گے "ونحشرھم یوم القیمۃ علی وجوھھم عمیا وبکما وصما"[3]، ہم قیامت کے دن گنہگاروں کو منہ کے بل گونگے اندھے، بہرے محشور کریں گے اور قیامت میں گفتگو کرنے کی صورت بھی نہ ہو گی۔ زبان کے بجائے بدن کے تمام اعضا بولنے لگیں گے۔

۱۔ قلم / ۱۶ ۲۔ یٰسٓ / ۶۵ ۳۔ اسراء / ۹۷

البتہ بعض نگاہوں پر التماس کریں گے اور بعض گمراہ کرنے والوں پر نفرین کریں گے اور حسرت کا اظہار کریں گے، چلاتے ہوئے راہ فرار کی تلاش میں ہوں گے اور خدا سے کہیں گے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں پلٹا دے تا کہ اعمال صالح بجا لائیں۔

مسئلہ قیامت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام جب جملہ "مالک یوم الدین" پر پہنچتے تھے تو اتنا تکرار کرتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح جسم سے پرواز کر جائے گی۔ [1]

کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس جملہ کی اتنی تکرار کرتے تھے کہ بعض لوگ اسے گن بھی نہیں سکتے تھے گنہگاروں کی بے بسی کے مقابل میں ہم اہل بہشت کا نعرہ سنیں گے کہ کس طرح پکار رہے ہوں گے کہ آؤ ہمارے نامہ اعمال کو پڑھو اور ہماری کامیابی کی سند دیکھو "اللھم ارزقنا"

اس سلسلہ میں آیات و روایات بے شمار ہیں جو قیامت کے مناظر کی نشاندہی کرتی ہیں لیکن ان سب کو کس طرح بیان کروں البتہ بہت اختصار کے ساتھ ان سب چیزوں کی طرف اشارہ کروں گا۔

ایک دوسری حالت

قرآن مجرموں کے ہاتھ اور دانتوں کے بارے میں فرماتا ہے:

"ویوم یعض الظالم علیٰ یدیہ . . ."

نااہل دوستوں کے ساتھ رہنے والا انسان قیامت کے دن اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا اس نے مجھے ذکر خدا سے غافل اور گمراہ کر دیا اے کاش میں نے رسول خدا کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

۱-۲ـ تفسیر نور الثقلین ج ۱ ص ۱۶

روایت میں ہے کہ یہ ساری پشیمانیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو مسئلہ رہبری میں فاسق و فاجر کے پیچھے گئے ہوں اور معصوم پیشواؤں کو غلط پروپیگنڈے یا اپنی نفسانی خواہشوں کی بنا پر چھوڑ دیا ہو[۱] ۔ یا پھر قرآن اور آسمانی قانون کے بجائے بشری قانون کو اپنایا ہو[۲]

گنہگاروں کا سر جھکنا

سورۂ سجدہ میں خداوند عالم اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے :

"ولو تریٰ اذ المجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون[۳]"

اگر قیامت کے منکرین کو دیکھئے کہ قیامت کے دن پروردگار کی بارگاہ میں شرمندہ اور سروں کو جھکا کر کہیں گے :

پروردگار ہم نے قیامت کو دیکھ لیا اور قبول بھی کر لیا اور اب ہمارے کان حق بات سننے کے لئے امادہ ہیں ہمیں دوبارہ دنیا میں پلٹا دے کہ ہم نیک اور عمل صالح بجا لائیں اس لئے کہ ہمیں ان تمام چیزوں کو دیکھ کر یقین ہو گیا ہے اور اب ہم ساری چیزوں کو قبول کریں گے ۔

دنیا و آخرت میں مسئلہ خجالت و شرمندگی اور اقرار انسان کے لئے سب سے بڑی روحی تکلیف ہے، توبہ کے لئے اسی دنیا میں سیکڑوں راستے کھلے ہوئے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کسی موقع پر کوئی بات کہی ہو یا کسی جگہ کوئی غلط کام کیا اور جیسے ہی اس کا یہ راز فاش ہوتا ہے تو یہ شخص اس بات پر بھی آمادہ ہوتا ہے کہ زمین شق ہو اور وہ اس میں چلا جائے بلکہ اپنی تمام ہستی کو فنا کر دینا چاہتا ہے تا کہ یہ دن دیکھنا نہ پڑے ۔

---

۱ نور الثقلین ج ۴ ص ۱۲ ۲ ۔ نور الثقلین ج ۴ ص ۱۳ ۳ ۔ سجدہ / ۱۲

گردن کی حالت

قرآن ان لوگوں کے بارے میں جو انبیاء اور آسمانی کتابوں کو صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ جنگ و جدل اور لجاجت سے کام لیتے ہیں ان کی ذلت و رسوائی کا اعلان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اذا الاغلال فی اعناقھم[1]، یہ لوگ قیامت کے اس دن کو یاد کریں کہ جب ان کی گردنوں میں طوق و زنجیریں ڈالی جائیں گی اور بڑی ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کی طرف کھینچے جائیں گے قرآن میں متعدد جگہوں پر گنہگاروں کی گردن میں جہنمی طوق ڈالنے کا ذکر ہوا ہے کہ ہم ان سب کو نظر انداز کرتے ہیں۔

دلوں کی کیفیت

وہ ساری تعبیریں جو چشم و لب و دندان کے متعلق کی گئی ہیں درحقیقت مجرموں کے دلوں میں پائی جانے والی گھبراہٹ ہی کا نتیجہ ہے لیکن قرآن میں خاص طور سے ایک آیت دل کے متعلق بیان ہوئی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے: "مھطعین مقنعی رءوسھم لا یرتد الیھم طرفھم وافئدتھم ھواء[2] ذلت کے ساتھ سروں کو آسمان کی طرف اٹھائے حیرت زدہ بھاگے چلے جا رہے ہوں گے یہاں تک کہ پلکیں بھی نہ جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل دہشت سے ہوا ہو رہے ہوں گے اور کلی طور پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: "قلوب یومئذ واجفۃ[3]" اس دن دل اس طرح لرز جائیں گے کہ قابل توصیف نہیں ہے۔ انشاء اللہ عنقریب اہل بہشت کے بارے میں بتائیں گے کہ وہ کس طرح امن و آرام کے ساتھ ہوں گے۔

---

[1] ۔ غافر / ۷۱ [2] ۔ ابراہیم / ۴۳ [3] نازعات / ۸

پہلو اور کمر کی حالت

وہ صاحبان دولت جو اپنی دولت کو غریبوں پر یا راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے بلکہ ذخیرہ اندوزی میں مشغول رہتے ہیں قرآن ان لوگوں کے متعلق فرماتا ہے :

یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم[1]"

روز قیامت انھیں جمع کئے ہوئے سکوں کو آتش جہنم میں سرخ کر کے ان سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشت کو داغ کر کہا جائے گا "ھذا ما کنزتم" یہ وہی سکے ہیں جن سکوں نے کل دنیا میں غریب اور فقیروں کا دل جلایا تھا آج تمھیں جلائیں گے جن لوگوں نے اس دنیا میں فقیر کو جھڑکا ان کی تپائے گئے سکوں سے خبر لی جائے گی، وہ لوگ جو غریبوں کے پہلو میں نہیں بیٹھے بلکہ ان کی طرف پشت کئے رہے اور ان کے دلوں کو دکھایا اور رنجیدہ کیا اس دن خود ان کے دل بھی اور رنجیدہ ہوں گے، بیشک غیر متدین مالدار عجیب و غریب فریاد کریں گے قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے "ما اغنی مالیہ[2]" میرا مال بھی آج میرے کام نہ آیا "ھلک عنی سلطانیہ[3]" میری حکومت بھی برباد ہو گئی اور آج کے لئے کوئی کام انجام نہیں دیا" ما اغنیٰ عنہ مالہ و ما کسب[4]" نہ اس کا مال اور نہ ہی اس کا کمایا ہوا سامان دونوں میں سے کوئی بھی اسے عذاب خدا سے چھڑا نہ سکا۔

"یوم لا ینفع مال و لا بنون[5]"

۱۔ سورۂ توبہ / ۳۴ ۲۔ سورۂ حاقہ / ۲۸ ۳۔ سورہ حاقہ / ۲۹

۴۔ مسد / ۲ ۵۔ شعراء / ۸۸

جس دن مال اور اولاد کسی کام نہیں آئے گا۔ قرآن میں ہے کہ جناب موسیٰ نے قارون سے فرمایا:

"لا تنس نصیبک من الدنیا"[1]

یعنی اس دنیا سے اپنی نجات، قیامت اور انسانی ترقی کے لئے جو فائدہ اٹھا سکتے ہو اسے فراموش نہ کرو مگر اس پر جناب موسیٰ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا یہاں دولت کے زمین میں دھنسنے اور باغات کے اجڑنے کے بہت سے نمونے نقل ہوئے ہیں تا کہ انسان ان سے دل نہ لگائے درحقیقت قرآن نے انسانوں کی نجات اور دنیا سے بچنے کے لئے بہترین انداز میں وعظ و نصیحت کی ہے اور کئی مرتبہ گوناگوں اور رسا بیان کے لئے ذریعہ سخت عذاب سے آگاہ کیا ہے اور مختلف نمونے بھی پیش کئے ہیں کیا یہ سارے بیان و تاکید و تکرار ہم خدا کا لطف نہیں ہیں؟

کبھی فرمایا ہے: اے انسان تو میرا خلیفہ ہے مال و دولت اور زمین سے دل نہ لگانا۔

کبھی فرمایا ہے: ان ایثار کرنے والوں کو دیکھو جو اپنے لئے صرف تھوڑا سا رکھ کر دوسروں کو دے دیتے ہیں دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم ان سے پیچھے رہ جاؤ۔

کبھی فرمایا ہے: کہ جو مال راہ خدا میں دوگے وہ گیہوں کے اس دانے کے مانند ہے جو خوشہ کی شکل میں ہاتھ آتا ہے اسی طرح تم بھی انفاق کے ذریعہ بڑا فائدہ حاصل کروگے۔

کبھی فرمایا ہے: کہ اے انسان اس دن کو فراموش نہ کرنا جب تو فقیر و نادار تھا اور

---

[1] قصص / ۷۷

اگر آج ہر چیز سے بے نیاز ہے تو غفلت نہ کرنا ۔

اور کبھی فرمایا ہے: باغ کے وہ مالک جو اس کے پھل کو محروموں کو نہیں دینا چاہتے تھے ہم نے ان کے باغات کو بالکل خاکستر کر دیا ۔

اور کبھی فرمایا: کہ ہم نے فرعون کو غرق اور قارون کو دھنسا دیا یہ ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ ہم دنیا پرستی سے کنارہ کش ہو کر قیامت کی یاد میں مشغول ہو جائیں ۔

اندرونی کیفیت

اندرونی کیفیت کے سلسلہ میں قرآن فرماتا ہے: " ... وسقوا ماء حمیما فقطّع امعائھم[1]"، اہل بہشت بہترین دودھ پانی شہد سے بہرہ مند ہوں گے مگر اہل جہنم کو ان چیزوں کے بجائے کھولتا ہوا پانی مانند تیزاب کے جس سے ان کی آنتیں کٹ جائیں گی پینے کو دیا جائے گا۔

کھال کی حالت

قرآن دشمنان خدا سے اس منظر کو پیش کر رہا ہے جب ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور جلد سب ان کے اعمال کے بارے میں ان کے خلاف گواہی دیں گے انسان کے بعض وہ گناہ جن کا تعلق بدن کی کھال سے ہوتا ہے اور اس کی کوشش بھی یہ رہی ہو کہ کسی پر ظاہر نہ ہو جیسے زنا لواط وغیرہ قیامت کے دن یہ جلد انسان کے خلاف گواہی دے گی ۔ تفسیر المیزان میں بقول علامہ طباطبائی کے اعضا و جوارح کا گواہی دینا اس بات کی دلیل ہے وہ دنیا میں علم و آگاہی سے بہرہ مند تھے اس لئے کہ اگر دنیاوی گناہوں کا علم نہ ہوگا تو قیامت میں گواہی نہیں دے سکتے پس پتہ چلتا ہے کہ اس ہستی دنیا میں ایک قسم کا علم و شعور ضرور

---

[1] ۔۔۔ سورہ محمد / ۱۵

حاکم ہے اگرچہ از نظر آثار و رتبہ فرق ہو۔

گنہگار جلد کی گواہی پر بہت زیادہ غصہ ہوں گے جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ وہ گناہ جن کا تعلق انسان کی جلد سے ہوتا ہے اتنا رسوا کن ہے کہ انسان اپنے نزدیک ترین افراد سے بھی چھپاتا ہے۔ لہٰذا غم و غصہ میں کہے گا۔ آج تو نے ہمارے خلاف کیسے گواہی دیدی؟ تو وہ جواب دے گی کہ ہمیں اسی خدا نے گویا کیا ہے جس نے سب کو گویائی عطا کی ہے۔[۱]

کیا یہ زبان دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے مختلف ہے کیا خدائے قادر کے لئے کسی چیز میں قوت گویائی عطا کرنے میں کوئی فرق پڑتا ہے؟ مختصر یہ ہے کہ بقول حضرت علی علیہ السلام قیامت ایک ایسا دن ہے کہ گرمی کی وجہ سے لوگ منہ تک پسینہ میں ڈوب جائیں گے اور اتنے پریشان حال ہوں گے کہ جہاں بھی سر ٹکنے کی جگہ مل جائے خوشحال ہوں گے۔[۲] وہ دن جہاں تاریکی، پریشانی اور خوف و دہشت ہوگی، مختلف قسم کی فریادیں اور چیخ پکار سنائی دے گی، اس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی "لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار"[۳] آج حکومت کس کی ہے؟ خدائے واحد قہار کی ہے وہ لوگ کہاں ہیں جو خدائی کا دعویٰ کرتے تھے؟

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا"[۴] ہم گنہگاروں کو آگ میں بھون دیں گے اور جب ایک کھال جل جائے گی تو دوسری بدل دیں گے اور اسی جلی ہوئی کھال سے دوبارہ کھال بنائیں گے

۱۔ فصلت / ۲۰ ۔۔۔ ۲۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام ص۳۰۰

۳۔ غافر / ۱۶ ۔۔۔ ۴۔ نساء / ۵۶

جس طرح اینٹ کو توڑ کر دوبارہ اینٹ بنائی جائے تو یہ دوسری اینٹ صورتاً دوسری ہے لیکن واقعاً پہلی ہے[1]۔ پرانی کھال نئی میں اس لئے بدل جائے گی تاکہ جلنے کی تکلیف میں کمی نہ ہو اس لئے کہ انسان کو کھال کے جلتے وقت بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے قرآن کہتا ہے کہ ہم نے نئی کھال اس لئے دی ہے تاکہ درد و تکلیف میں کمی واقع نہ ہو گناہوں کے لحاظ سے کھال بھی بدلتی رہتی ہے اگر گناہ کم ہوئے تو عذاب بھی کم ہوتا جو شانی یا دلیل رکھتے تو عناد کرنے لگتے تھے۔ ہر آیت سے انکار دنیا میں تکرار حاجت آخرت میں تکرار عذاب کی علامت ہے۔

دست مجرم

قرآن میں ہے کہ گنہگار کے اعمال نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے وہ بھی سامنے سے نہیں پشت کی طرف سے اور ایسا اس کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے ہوگا۔ گناہگار اپنے سیاہ نامہ اعمال کو بائیں ہاتھ میں دیکھ کر چیخ اٹھیں گے۔ قرآن اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے "واما من اوتی کتابہ بشمالہ"[2] لیکن جن کو برے کاموں کی بنا پر نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا "فیقول یالیتنی لم اوت کتابیہ"[3] وہ کہے گا اے کاش نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔

"ولم ادر ما حسابیہ"[4] اور مجھے اپنا حساب معلوم نہ ہوتا۔ "یالیتھا کانت القاضیۃ"[5]

۱۔ ابن ابی العوجاء نام کا دھریہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کرتا ہے کہ دوسری کھال کا کیا قصور انھیں کیوں جلا دیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا وہ دوسری بھی ہے اور پہلی بھی ہے جس طرح اینٹ کو توڑ کر دوبارہ اینٹ بنائی جائے تو یہ شکل میں دوسری اینٹ ہے لیکن واقعاً پہلی ہی ہے۔

۲ - ۳ - ۴ - ۵ - سورہ الحاقہ ۲۵-۲۶

اے کاش اس موت ہی نے میرا فیصلہ کر دیا ہوتا اور یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔
"ما اغنی عنّی مالیہ"[1] جس مال پر میں نے پوری عمر قربان کر دی وہ بھی میرے کام نہ آیا۔
"ھلک عنّی سلطانیہ"[2]، دنیا میں جس قدرت و سلطنت کا میں مالک تھا وہ سب برباد ہو گئی اور آج کے لئے میں نے ذخیرۂ خیر نہیں کیا۔

محترم قارئین

روز قیامت، وحشت و تاریکی اور ذلت و رسوائی کا دن ہے اس دن عدالت الٰہی میں انبیاء، فرشتے، انسان اور اعضاء و جوارح جیسے شاہدوں کے سامنے نیک لوگوں کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے تو وہ لوگ پکار پکار کر کہیں گے ذرا ہمارے نامہ اعمال کو پڑھو اور دیکھو کہ ہم کامیاب و رستگار ہو گئے اور خوشی و خرمی کے ساتھ رحمت خدا کے سایہ اور انبیاء و معصومین علیہم السلام کے ہم جوار ہو گئے۔ لیکن یہ بدبخت شرمندہ اور مایوس گنہگار کیسی حسرت کریں گے اور چیخ پکار مچائیں گے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ہم خداوند عالم سے دعا کرتے ہیں کہ پالنے والے قیامت کے دن ہمیں خاسرین کی جماعت میں قرار نہ دے۔

ایک جگہ اور قرآن مجرموں کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے۔

"وتری المجرمین یومئذ مقرّنین فی الاصفاد"[3]

قیامت کے دن مجرمین کو طوق و زنجیر میں دیکھو گے۔ کلمہ "اصفاد" جمع "صفد" ہے جس کے معنی "غل" یعنی طوق اور "مقرنین" کے معنی ہمراہ کے ہیں یعنی مجرمین کے ہاتھ پس گردن

---

۱ ۔ الحاقہ / ۲۸-۲۵ ۲ ۔ الحاقہ / ۲۹-۲۷ ۳ ۔ ابراہیم / ۴۹

سے باندھ دیئے جائیں گے اور اسی صورت میں میدان قیامت میں حاضر ہوں گے۔

البتہ وہ لوگ بھی جنھوں نے دنیا میں استعماری سازشوں حق کو مٹانے اور نقصان دہ معاہدوں میں فکری او رعملی کوششیں کی ہوں گی قیامت میں ان سب کو ایک ساتھ ایک لمبی زنجیر اور طوق میں باندھ دیا جائے گا۔ جو ہاتھ دنیا میں ظلم وستم کے لئے آزاد تھے وہ یہاں بندھے ہوئے ہوں گے۔ دنیا میں خدا کے سامنے جو سر نہیں جھکتے تھے آخرت میں طوق و زنجیر کے ذریعہ وہ سر جھکائے جائیں گے یہ جو لوگ دنیا میں اولیائے خدا کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلے قیامت میں دشمنان خدا کے ساتھ ہوں گے۔ کیا ان منجمد افکار اور مردہ دلوں کی سزا کہ جن پر کسی بھی وعظ ونصیحت کا اثر نہیں ہوتا زبانوں کے گونگے پن اور ہاتھ و گردن کے باندھے جانے کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟

قیامت میں مجرموں کی حالت وکیفیت کا یہ ایک مختصر نمونہ تھا اگر آپ کے پاس وقت ہے تو ایک مرتبہ پھر سے پچھلے صفحات پر ایک نظر ڈالیں اور وہ آیات جنھیں ہم نقل کر چکے ہیں ان پر غور وفکر کریں اور ان چیزوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے نیک افراد کے ان حالات سے جن کو آپ پڑھیں گے موازنہ کریں اور اس کے بعد دیکھیں کہ آپس میں کتنا فرق پایا جاتا ہے اور فکر کریں کہ کون سی راہ انتخاب کرنی چاہئے۔

ہم مجرموں کے حالات اور اہل دوزخ پر ہونے والی روحی اذیتوں کے نمونہ پیش کر چکے ہیں اب تھوڑی سی بحث جہنم اور اس کی کیفیت کے بارے میں جن کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ہوا ہے پیش کرتے ہیں اس کے بعد انشاء اللہ بہشت کے سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔

مجھے امید ہے کہ یہ باتیں ہمارے افکار واعمال پر ضرور اثر ڈالیں گی اور ہمیں بہشت کی طرف مائل کریں گی۔

جہنم کی طرف

دوزخ میں لے جانے کے لئے خطاب ہوگا "خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ"[1] اے عذاب کے موکلو اس بدکار کو پکڑ لو اور گرفتار کر لو پھر اسے جہنم میں جھونک دو شاید خدائے رحمان و رحیم کے بارے میں اس طرح کا عذاب قابل تصور نہ ہو لیکن جو جملہ میں اس وقت لکھ رہا ہوں مشرق و مغرب کے جنگی طیارے، افغانستان، لبنان اور ایران وغیرہ کے جوانوں اور مسلمانوں پر کیمکل بم گرا رہے ہیں، آپ خود فیصلہ کریں کہ ان ظالموں کی سزا سوائے آتش جہنم کے اور بھی کچھ ہو سکتی ہے جن ہاتھوں نے ایک بٹن کے ذریعہ ہزاروں بے گناہ انسانوں کو خاک و خون میں ملا دیا ہو کیا ان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ ڈالی جائیں گی کیا میزائیل مارنے والوں کو دوزخ میں نہ ڈالا جائے گا ؟

جہنم کے دروازے

قرآن میں ارشاد ہے :

"لها سبعة ابواب لكل باب منهم جزء مقسوم"[2]

---

[1] الحاقہ/۳۰ [2] حجرات/۴۴

دوزخ کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ گنہگاروں کی ایک خاص جماعت کے لئے ہے یہ گنہگار اسی دروازے سے جہنم میں جھونک دئے جائیں گے شاید سات عدد سے مراد بہت سے دروازے ہوں جس طرح سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۶ میں ہے کہ اگر سات سمندر روشنائی بن جائیں اور اس سے کلمات الٰہی لکھے جائیں تو یہ سمندر خشک ہو جائیں گے لیکن کلمات الٰہی تمام نہیں ہوں گے۔ یہاں سات سے مراد سات کا عدد نہیں ہے بلکہ بہت سے دریا مراد ہیں (حالانکہ لطف خدا اس کے غضب سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونے کے آٹھ دروازے ہیں[1])۔ دروازے یوں ہی نہیں ہیں بلکہ مجرموں کی تقسیم بندی کے لئے احادیث میں ہے کہ جہنم کے سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ ایک دوسرے کے اوپر ہے اور ایک مخصوص گروہ کے لئے ہے۔[2]

قرآن منافقین کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے اور بدترین طبقہ میں ہوں گے "انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار[3]"

منافقین اظہار اسلام کی بنا پر محفوظ ہیں مومنین کے درمیان رہ کر کفار کے لئے بہترین جاسوس رہے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ اسلام و مسلمین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ البتہ بہشت کے لئے درجات اور جہنم کے لئے درکات ہیں۔

تفسیر نور الثقلین جلد چہارم صفحہ ۵۰۴ میں بیان ہوا ہے کہ کونسی جماعت کس دروازے سے کون سے طبقہ میں ڈالی جائے گی ہم اختصار کی بنا پر ان چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

قرآن میں ایک سو پینتالیس جگہ جنّت اور بہشت کا نام آیا ہے اور اتنی ہی مرتبہ میں آتش جہنم کا

۱۔ نور الثقلین ج ۴ صفحہ ۵۰۵ و ۵۰۶ روایتوں کے مطابق بہشت کے آٹھ دروازہ ہیں، باب الرحمہ، باب الصبر، باب شکر باب المجاہدین باب المعروف وغیرہ

۲۔ نور الثقلین ج ۴ ص ۵۰۴ ۳۔ سورۂ نساء / ۱۴۵

بھی ذکر ہوا ہے ایک سو پندرہ مرتبہ دنیا کا ذکر اور اتنی ہی بار آخرت کا بھی تذکرہ ہوا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ایک تربیتی کتاب کہ جس کا ہدف راہ راست کی ہدایت کرنا ہے تربیت یافتہ افراد خوف و رجا کے درمیان متوازن رکھ سکے کیونکہ جب بھی امید یا ناامیدی میں سے کسی ایک کی زیادتی ہو گی تو گرنے اور ناکام ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

تاریخ میں ہے کہ صدر اسلام میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جیسے ہی جہنم سے متعلق کوئی آیت سنتے تھے تو گھبرا کر اپنے کاروبار، زن و فرزند، اور معاشرے کو چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر گریہ و بکا میں مشغول ہو جاتے تھے اور پیغمبرؐ انھیں کاروبار زندگی کی طرف واپس آنے کا حکم دیتے تھے کہ میرا دین گوشہ نشینی والا دین نہیں ہے: قارئین محترم اب میں جہنم سے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن ایسا نہ ہو کہ جہنم سے متعلق آیتیں آپ کو مایوس کر دیں انشاء اللہ عنقریب بہشت سے متعلق آیتوں کو بھی پیش کریں گے۔

خدا سے دعا ہے کہ یہ چند سطریں جو ان آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر ہیں ہمیں خواب غفلت سے بیدار اور ہمارے دلوں کو دنیا پرستی سے دور رکھے اور کم از کم اس دن کو یاد رکھیں۔

آتش جہنّم کی کیفیت

۱۔ قرآن جہنم کے غم و غصہ اور جوش خروش کے بارے میں فرماتا ہے: سمعوا لھا تغیظاً و زفیراً[۱]، اہل دوزخ دور ہی سے آتش جہنم کے جوش و خروش کی آواز سنیں گے۔

۲۔ اگرچہ دوزخ بہت بڑی ہے لیکن جب اس سے کہا جائے گا کہ تو بھر گئی تو وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور مل سکتا ہے؟ ھل امتلاتِ و تقول ھل من مزید[۲]، جہنم اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ایک تنگ جگہ ہے قرآن نے اسے "مکانا ضیقا" سے تعبیر کیا ہے جس طرح

۱۔ فرقان/۱۲ ۲۔ ق/۳۰ ۳۔ فرقان/۱۳

وسیع ذریعہ) دیوار میں کیل ٹھونکی جاتی ہے تو اسے زبردستی ہی ٹھونکا جاتا ہے ورنہ وہ دیوار میں جانا نہیں چاہتی اور دیوار کی وسعتیں اس کے لئے تنگ ہی ہوتی ہیں یوں ہی پورے جہنم کی وسعت بھی انھیں تنگ ہی نظر آئے گی ۔

۳- دوزخ کے لئے انیس[1] فرشتے معین ہیں جسے قرآن نے بیان کیا ہے ۔ "علیھا تسعة عشرہ"، مزے کی بات تو یہ ہے کہ اتنی ہی تعداد کافروں کی ازمائش کے لئے معین کرکے فرمایا ہے کہ ہم نے جہنم پر اتنی ہی تعداد میں مامور معین کرکے لوگوں کو بتا دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا اس عدد کے سلسلہ میں کیا ردعمل ہے؟ کیا قبول کر لیتے ہیں یا بہانہ پیش کرتے یہ کہتے ہیں کہ تعداد کیوں کم ہے یا کم ازکم ۲۰ کیوں نہ ہوئی کیا یہ تھوڑے سے فرشتے تمام گنہگاروں پر عذاب کر سکتے ہیں؟ لیکن اس کے مقابل اہل کتاب (یہودی ونصاریٰ) اسی تعداد کے بارے میں اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ سن چکے تھے جب انھوں نے قرآن کو توریت وانجیل کے مطالب حق میں ہمراہ پایا تو یقین ہو گیا ۔

البتہ کبھی کسی ایک سادہ مطلب کے بارے میں بہت سی جماعتیں مختلف قسم کے ردعمل ظاہر کرتی ہیں ،

الف ۔ جو جماعت اس تعداد کا مضحکہ اڑائے یا تحقیر کرے منافق ہے ۔

ب ۔ بعض وہ یہودی اور مسیحی جماعتیں جو اپنی کتابوں میں یہ تعداد دیکھ چکی ہے اسلام کی طرف مائل ہوئی ہیں ۔

ج ۔ بعض مسلمان گروہ اہل کتاب کو اسلام کی طرف مائل دیکھ کر قرآن کی نسبت زیادہ مطمئن ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اہل بہشت کی خاطر و تواضع کے لئے فرشتوں کی تعداد معین نہیں ہے بعض وقت ہو سکتا

---

[1] ۔ سورہ مدثر/۶

ہے کہ ہزاروں فرشتے اہل بہشت کا استقبال کریں۔

۴۔ دوزخ پر معین کئے گئے فرشتے سخت مزاج تند و تیز ہیں اور خدا کی حکم کی مخالفت نہیں کرتے جو حکم دیا جاتا ہے اسی پر عمل کرتے ہیں اور جہنمیوں کی داد و فریاد پر ذرا برابر بھی توجہ نہیں کریں گے قرآن اس کو بیان کر رہا ہے: "علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرہم و یفعلون ما یومرون"[۱] لیکن وہ فرشتے جو بہشت پر معین ہیں سلام علیکم کہہ کر اہل بہشت کا استقبال کریں گے۔

۵۔ جہنم کی وضع اس طرح ہے کہ وہ کافروں کو ہر طرف سے اپنے احاطہ میں کئے ہوئے ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو متعدد بار یوں بیان کیا ہے: "ان جہنم لمحیطۃ بالکافرین"[۲] سورہ کہف میں ہے کہ کافروں کو آگ کے شعلے اور پردے چاروں طرف سے گھیرے ہوں گے "احاط بہم سرادقہا"[۳]

اور ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "لہم من جہنم مہاد من فوقہم غواش"[۴] کافرین کے لئے آتش جہنم کا فرش اور اسی کا اوڑھنا بھی ہوگا جی ہاں کافروں کا اوڑھنا بچھونا آگ ہوگی۔

۶۔ اہل جہنم آگ میں ہائے وائے اور چیخ پکار کریں گے[۵]

۷۔ جہنم کی آگ جوش مار رہی ہوگی قرآن یوں بیان کرتا ہے: "وھی تفور"[۶]

۸۔ جہنم کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوگی "لا یخفف عنہم"[۷] اس لئے کہ اگر آگ بجھنے بھی لگے گی تو خداوند عالم شعلوں کو مزید بھڑکا دے گا۔ "کلما خبت زدناہم سعیرا"[۸] یہ آیتیں کہاں اور وہ

۱۔ تحریم/۶ ۲۔ توبہ/۴۹ و عنکبوت/۵۴ ۳۔ کہف/۲۹

۴۔ اعراف/۴۱ ۵۔ ہود/۱۰۶ ۶۔ ملک/۷

۷۔ نحل/۸۵ ۸۔ اسرا/۹۷

نسیم سحر کہاں جو اہل بہشت کے لئے ہے (جسے آپ چند صفحوں کے بعد پڑھیں گے)

۹۔ دوزخ کا عذاب بہت سخت اور غلیظ ہے "ومن ورائہ عذاب غلیظ"[1]

۱۰۔ انھیں موت ہر طرف سے گھیر لے گی حالانکہ وہ مرنے والے نہیں ہیں۔" ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت"[2] لیکن اہل بہشت اولیائے خدا کے ساتھ مختلف قسم کی الٰہی نعمتوں سے لطف اندوز ہونگے

۱۱۔ جہنم کی آگ مثل تلوار کے گنہگاروں کے چہروں پر کھینچ دی جائے گی۔ تلفح وجوھھم النار[3]" (لفح کے معنی ہیں تلوار کی ضربت)

۱۲۔ جہنم کی آگ سے ان کے چہروں کی کھال کھنچی ہوئی اور ان کے لب ایسے کھلے ہوں گے کہ دانت صاف دکھائی دیں گے جس طرح کسی بکرے کے سر کو آگ پر رکھ کر اس کے بال جلائے جلتے ہیں۔" وھم فیھا کالحون"[4] لیکن اہل بہشت خوبصورت، شاد، جوان اور معطر ہوں گے۔

۱۳۔ آتش دوزخ کے علاوہ ان کے سروں پر سیاہ اور کالے دھوئیں کا سایہ ہوگا "وظل من یحموم"[5]

۱۴۔ جہنم کی آگ شعلہ ور ہوگی "انھا لظیٰ" لیکن بہشت میں سر بہ فلک درخت ہوں گے۔

۱۵۔ جہنم کی آگ ذخیرہ اندوزی کرنے والوں اور سرمایہ دار کافروں کا اس طرح پیچھا کرے گی جس طرح میزائیل ہوائی جہاز کا پیچھا کرتی ہے قرآن اسے یوں بیان کرتا ہے۔ تدعوا من ادبر وتولی وجمع فاوعیٰ[6]" ہاں! جہنم کی آگ ان لوگوں کو اپنے پیٹ میں لے لیگی جنھوں نے دعوت الٰہی سے روگردانی کی اور مستحقوں سے بے توجہی برتتے ہوئے مال کا ذخیرہ کیا

۱۶۔ جہنم کی چنگاریاں محل جیسی ہوں گی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے "ترمی بشرر کالقصر"[7]

۱۔ ابراہیم/۷ ۲۔ ابراہیم/۱۶ ۳۔ مومنون/۱۰۴

۴۔ مومنون/۱۰۴ ۵۔ واقعہ/۴۳ ۶۔ معارج/۱۷

۷۔ وہ جہنم ایسی چنگاریاں پھینک رہا ہے جیسے کوئی محل سورہ مرسلات/۳۲

لیکن جنتی کے لئے جواہرات سے مزین قصر ہے، سورہ مرسلات میں دوزخ سے متعلق آیتوں میں دس مرتبہ اس آیت کی تکرار ہوئی ہے: ویل یومئذٍ للمکذبین،، وائے ہو ان لوگوں پر جو (اس روز کے خطرہ کی) تکذیب کرتے تھے۔

۱۷۔ جہنم ایک بند جگہ ہے جس میں آگ روشن ہے "علیہم نار موصدۃ"[۱] جی ہاں! جہنم بند جگہ ہے جس سے نجات اور فرار کا کوئی راستہ نہیں لیکن جنت تنگ نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت زمین و آسمان تک ہے۔

۱۸۔ دنیا کی آگ پہلے کھال کو جلاتی ہے پھر گوشت اور ہڈی کو لیکن جہنم کی آگ ظاہر و باطن دونوں کو یکساں جلائے گی "التی تطلع علی الافئدۃ"[۲]،، اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں: وقودھا الناس والحجارۃ[۳]،، جہنم کی آگ جسم و جان اور ظاہر و باطن کو نہ صرف جلائے گی بلکہ اس کو تحس نحس بھی کر دے گی (کیونکہ اسے اللہ نے روشن کیا ہے) وما ادراک ما الحطمۃ نار اللہ الموقدۃ[۴]،،

۱۹۔ جہنمیوں کا لباس بھی آگ ہے "لھم ثیاب من نار[۵]،، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "سرابیلھم من قطران[۶]،، جہنمیوں کا لباس تارکول کا ہوگا لیکن جنت والوں کا لباس ریشم اور ان کا زیور بہترین جواہر ہوں گے۔

۲۰۔ جہنم میں جن چیزوں سے اذیت دی جائے گی ان میں تازیانہ اور گرز بھی ہے:

" ولھم مقامع من حدید[۸]"

۱۔ انھیں آگ میں ڈال کر اسے ہر طرف سے بند کر دیا جائے گا۔ سورہ بلد / ۲۰

۲۔ (یہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے) جو دلوں تک چڑھ جائے گی۔ سورہ ہمزہ / ۷

۳۔ بقرہ / ۲۴، ۴۔ ہمزہ / ۷، ۵۔ حج / ۲۰، ۶۔ ابراہیم / ۵۰

۸۔ ان (جہنمیوں) کے لئے لوہے کے گرز مہیا کئے گئے ہیں۔ سورہ حج / ۲۰

۲۱۔ دوزخیوں کی غذا خار دار جھاڑی کے علاوہ کچھ اور نہ ہوگی جو نہ تندرست کر سکے اور نہ بھوک مٹا سکے "لیس لھم طعام الا من ضریع لا یسمن ولا یغنی من جوع"[۱] لیکن اہل بہشت کی غذا بہترین میوے دودھ شہد اور بھنے گوشت ہوں گے۔

اس سلسلہ میں قرآنی آیتیں بہت زیادہ ہیں اور نہج البلاغہ اور روایتیں اس سے پُر ہے لیکن اس کا ڈر ہے کہ کہیں ان سب کا نقل کرنا مجھے اصل مطلب سے دور نہ کردے (قرآن میں) دوزخ کے متعلق ہر آیت کے بعد بہشت سے متعلق آیت موجود ہے اور اس نے مجرموں کے ساتھ ساتھ مومنوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ہم آئندہ صفحوں میں بہشت سے متعلق آیتوں کو ذکر کریں گے

قیامت و دوزخ کی یاد

قرآن نے جو مسئلہ معاد پر اس قدر توجہ دی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس کا تربیتی اثر انسان پر مرتب ہو ساری جنایتیں ان لوگوں سے ہوتی ہیں جو بقول قرآن "نسوا یوم الحساب"[۲] قیامت کو بھول جاتے ہیں۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں سے ارشاد الٰہی ہوتا ہے: "الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم"[۳]، کیا انھیں یہ خیال نہیں ہے کہ وہ ایک روز دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ اور اپنے کئے ہوئے کا جواب دیں گے؟ ایسے افراد کے لئے خدا قیامت کو مشعل راہ قرار دیتا ہے ہم جو روزانہ نماز پڑھتے ہیں تو "مالک یوم الدین" کہتے وقت ضروری ہے کہ قیامت کی طرف متوجہ رہیں۔ حضرت علی علیہ السلام حمام جانے کے متعلق فرماتے ہیں کہ حمام بہترین جگہ ہے جہاں کا گرم پانی ہم کو قیامت کی آگ کی یاد دہانی کراتا ہے۔[۴] پیغمبر اسلامؐ نے دعائے مجیر میں چھیاسی مرتبہ "اجرنا من النار یا مجیر"[۵] کہہ کر

---

[۱]۔ غاشیہ/۸ [۲]۔ ص/۲۶ [۳]۔ مطففین/۴ [۴]۔ وسائل ج ۱ ص ۳۶۱

[۵]۔ اے پناہ دینے والے (خدا) ہم کو آتش دوزخ سے نجات دے

آتش دوزخ کی طرف توجہ دلائی ہے:

حضرت علی علیہ السلام ہی تو تھے جو مسجد کوفہ اور دوسری جگہوں پر قیامت کے خطرناک مرحلوں کا ذکر کرتے تھے اور خدا سے امان کے طلبگار رہتے تھے۔

عذاب کے بعض اسباب

قرآن مجید میں عذاب آخرت کے بعض اسباب کی طرف اشارہ ہوا ہے جن میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں

۱۔ خدا پر ایمان نہ رکھنا اور محروم معاشرہ کی فکر نہ کرنا۔

قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن عذاب دینے پر مقرر افراد سے خطاب ہوگا اس مجرم کو پکڑ لو اسے ہتھکڑی ڈال کر لے جاؤ اور جہنم میں ڈال دو اس لئے کہ نہ یہ خدا پر ایمان لایا اور نہ ہی غریب و محروم کی فکر کی

"انہ کان لایومن باللہ العظیم ولایحض علیٰ طعام المسکین"[1]

۲۔ قیامت پر ایمان نہ رکھنا اور نماز کا پابند نہ ہونا فضول حرکتوں اور لہو و لعب میں غرق رہنا

سورۂ مدثر میں ہے کہ بہشت والے دوزخ والوں سے پوچھیں گے کہ تمھیں جہنم میں کیوں ڈال دیا گیا؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے ہمارا قیامت پر اعتقاد نہ تھا محروموں کی طرف کبھی توجہ نہ کی تھی باطل میں غرق تھے چونکہ اس سلسلہ میں پہلے بھی آیتیں نقل کر چکے ہیں اس لئے اب یہاں دوبارہ ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

---

[1]۔ الحاقہ/۳۴

۳۔ آیات و احکام الٰہی کا مذاق اڑانا اور دنیا پر مغرور رہنا

سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے: "وماوٰیکم النار ومالکم من ناصرین ذالکم بانکم اتخذتم آیات اللہ ھزوا وغرتکم الحیاۃ الدنیا فالیوم لا یخرجون منھا ولاھم یستعتبون"[1]، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے آیات الٰہی کا مذاق بنایا تھا اور زندگانی دنیا نے تمہیں دھوکے میں رکھا تھا تو آج عذاب میں گرفتار ہو گئے اب اس سے باہر نہیں نکالے جاؤ گے اور تمہارا عذر بھی نہیں قبول ہو گا۔

۴۔ گناہوں کا ارتکاب اور نبیوں کی باتوں کو ٹھکرانا سورہ نوح میں ارشاد ہوتا ہے "مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارا"[2] جناب نوح کی قوم نے آپ کی دعوت کو ٹھکرایا جس کے نتیجہ میں مختلف خطاؤں کا شکار ہوئے تو (دنیا میں) غرق ہوئے اور (آخرت میں) جہنم میں ڈالے گئے۔

۵۔ اولیائے خدا کے ساتھ خیانت، سورہ تحریم میں ارشاد ہے کہ چونکہ جناب نوح اور جناب لوط کی بیویوں نے ان لوگوں کے ساتھ خیانت کی اس لئے جہنم میں ڈال دی گئیں "فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین"[3] ان دونوں عورتوں نے خیانت کی اور دونوں نبی اپنی پیمبری کے باوجود ان کو نجات نہ دے سکے لہٰذا تمام دوزخیوں کے ساتھ ان دونوں کو جہنم میں ڈالنے کا حکم صادر ہوا۔

۶۔ ایسے سرمایہ دار کہ جو حق کی طرف توجہ نہیں کرتے:

قرآن میں ارشاد ہے: تدعوا من ادبر و تولی وجمع فاوعی[4]، جہنم کی آگ ان لوگوں کو ڈھونڈے گی کہ جو حقائق کو پس پشت ڈال کر مال و دولت جمع کرتے ہیں۔ خلاصہ قیامت میں قہر خدا صرف ان کی بے توجہی کی بنا پر ہو گا اس لئے کہ وہاں لوگ خود کہیں گے:

---

[1] ۔ جاثیہ/۳۴، ۳۵، [2] ۔ نوح/۲۵، [3] تحریم/۱۰، [4] ۔ معارج/۱۷،

"لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر"[۱] اگر ہم حق سنتے اور سمجھتے تو آج دوزخیوں میں نہ ہوتے دوزخ میں ڈالے جانے کی بے شمار دلیلیں ہیں ہم تمام دلیلوں کو بیان نہیں کرنا چاہتے لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر کچھ اور اسباب بیان کرتے ہیں چند صفحات پڑھنے کا حوصلہ پیدا کیجئے تاکہ ہم مسئلہ کو جنت جنتیوں اور جنت کی نعمتوں کے باب تک پہنچا دیں۔

حدیث میں ملتا ہے جو لوگ عالی وشاندار مکان بناکر اس کے ذریعہ اپنے کو سماج میں نمایاں کرتے ہیں قیامت میں انھیں مکانوں میں گرفتار رہیں گے۔

قیامت کی باتیں

بحارالانوار کی چھٹی جلد کے صفحہ ۲۱۳ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طولانی حدیث نقل ہوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے پڑوسی کی ایک بالشت زمین غصب کریگا تو زمین کا وہ ٹکڑا اپنی گہرائی تک طوق کی شکل میں اس کی گردن میں آویزاں کر دیا جائے گا۔

جو شخص گناہ کبیرہ مثلاً لواط وزنا کا مرتکب ہوگا وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوگا اور جہنم میں ڈالا جائیگا

جو شخص اپنی زوجہ کا مہر ادا نہ کرے وہ روز قیامت زناکاروں کی طرح محشور ہوگا اور اس سے سوال بھی ہوگا اور اس کی نیکیوں کے ذریعہ اس کا مہر ادا کیا جائے گا۔

جو شخص اپنی بیویوں کے درمیان عدالت سے کام نہ لے گا قیامت میں اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی جائے گی۔

جو شخص کسی مسلمان کو ایک طمانچہ مارے روز قیامت عذاب سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی۔

۱۔ ملک سرا

جو شخص طعنہ اور چغل خوری کے ذریعہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرے قیامت میں اس کو سانپ ڈسیں گے

جو شخص مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہو کر فقرا اور غربا پر فخر کرے اور ان کو ذلیل و خوار کرے روز قیامت میں چیونٹیوں کی طرح خوار اور حقیر محشور ہوگا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

جو شخص کسی شریف عورت کی طرف زنا کی نسبت دے یا کسی شخص کی طرف زنا یا لواطہ کی نسبت تو قیامت کے دن اس کے تمام اعمال خیر ختم کر دیئے جائیں گے اور وہ بہت ہی بری حالت میں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ لیکن اگر یہ نسبت قاضی عادل شرع کے سامنے گواہی کے شرائط کے ساتھ ہو تو یہ حکم اس پر نہ لگے گا۔

جو شخص دنیا میں پانی شربت دودھ شہد اور پھلوں کے بجائے شراب پیتا تھا روز قیامت اس کو زہریلا گرم اور بدبودار مشروب پلایا جائے گا۔

جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں شراب کے عادی ہیں لڑکے اور لڑکیوں کی گمراہی کا سبب ہیں تو انھیں جہنم کی ایک الگ وادی میں رکھا جائے گا۔

جو لوگ جھوٹی گواہی کے ذریعہ یا جھوٹی فائل بنا کر لوگوں کو معاشرہ میں ذلیل و خوار کرتے ہیں روز قیامت زبان کے ذریعہ انھیں لٹکا دیا جائے گا اور انھیں منافقوں کے ساتھ قعر جہنم میں ڈال دیا جائیگا

وہ لوگ جو رنگین دسترخوانوں کے ذریعہ خود کو معاشرہ میں بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں روز قیامت یہی غذائیں ان کو اندر سے جلائیں گی۔

جو لوگ تلاوت قرآن کے ذریعہ خود کو سماج میں نمایاں کرنا چاہتے ہیں روز قیامت روسیاہ محشور ہوں گے۔

جو لوگ دنیا میں تکبر کیا کرتے تھے روز قیامت ان کو ایک ذرہ کے برابر بنا دیا جائے گا اور وہ پیروں کے نیچے کچلے جائیں گے۔

وہ لوگ کہ جن کا لوگ خوف کی بنیاد پر احترام کرتے ہیں روز قیامت وہ بدترین خلائق ہونگے

وہ لوگ کہ جو ایک کلمہ کہنے کی وجہ سے کسی بے گناہ کے خون میں شریک ہوں گے روز قیامت اس بے گناہ کا خون ان کے دامن پر لگا دیا جائے گا۔

وہ لوگ کہ جو دنیا کو آخرت پر اور دنیا والوں کو اللہ والوں پر ترجیح دیتے ہیں روز قیامت اندھے محشور ہوں گے۔

وہ لوگ کہ دنیا میں جن کی روش منافقانہ تھی اور دو طرح کی باتیں کرتے تھے قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں انھیں دی جائیں گی۔

جن لوگوں نے ناحق کسی کے حق کو ہڑپ کر لیا ہے گویا انھوں نے آگ کے شعلہ کو کھایا ہے

وہ لوگ کہ (معاذ اللہ) جو زنا لواط یا دوسری ناجائز جنسی لذتوں کا شکار ہوتے ہیں روز قیامت آگ کی لگام ان کے منہ میں لگا کر انھیں جہنم کے بھڑکتے شعلوں میں ڈال دیا جائے گا۔

قارئین محترم اگر آپ تھکے نہ ہوں تو ذرا پھر سے ان دو تین صفحات کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ زیادہ تر قیامت کے عذاب لوگوں کے حقوق یا معاشرے سے مربوط ہیں۔ پڑوسی اور زوجہ کے حقوق مسلمانوں کی ہتک عزت طمانچہ مارنا، غلط اور ناحق گواہی دینا دسترخوانوں، تلاوت، اور بڑی عمارتوں کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف موڑنا، لوگوں کو ڈرانا دھمکانا، اہل دنیا کے چکر میں رہنا، منافقانہ روش اپنانا، بے گناہ کے قتل میں شریک ہونا، تکبر کرنا، ناجائز لذتوں اور فحشاء کا مرتکب ہونا وغیرہ وغیرہ ...،

اگر اہل دنیا دلیلوں کے ذریعہ قیامت پر ایمان لائیں اور وحی و آسمانی کتابوں سے خدا کے قہر و عذاب کو سمجھ لیں اور تمام برائیوں سے کنارہ کشی کر لیں تو دنیا میں خوف فقر دہشت گردی، لوگوں کی توہین اور نفاق کہیں نظر نہ آئے گا۔

دنیا میں یہ قتل و غارت گری، ظلم و فساد، مال و دولت عزت و آبرو پر جو حملہ ہوتے ہوتے ہیں ان تمام چیزوں کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ قیامت پر ایمان کا نہ ہونا ہے۔

جی ہاں دنیا کی تمام عدالتیں، حقوق بشر کی حامی جماعتیں مصلح اور انسان دوست افراد اپنے بارے میں تجدید نظر کریں، برائیوں اور فساد کے اسباب کے بارے میں غور و فکر کریں ان سب کا سبب تقویٰ کا نہ ہونا ہے۔ اس کے بعد متقی بننے کے اسباب "یعنی خدا کو حاضر و ناظر جاننے اور اس کی عدالت میں سب کی حاضری اور جزا و سزا پر ایمان" کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کریں۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا نے اپنے اصلی راستے کو گم کر دیا ہے۔

روحی تکلیفیں

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ دوزخ اور گناہگاروں کی سزاؤں کے بارے میں تھا جو کہ جسم سے متعلق تھیں لیکن روز قیامت ایک قسم کا عذاب اور ہے جس میں عذاب سے کم تکلیف نہیں ہے منجملہ

۱۔ مومنین ان پر ہنسیں گے ہاں دنیا میں کفار کی ہنسی کا جواب قیامت ان پر ہنسنے کے سوا کچھ نہیں[۱]۔

۲۔ خدا ان سے ہم کلام نہ ہوگا۔ سوچ بتائیے کہ جس شخص کا کوئی محبوب مثلاً دوست زوجہ یا استاد وغیرہ اس سے بات نہ کرے یا کسی بات کا جواب نہ دے تو اسے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ تو روز قیامت جب وہ الطاف الٰہیہ سے محروم ہوگا اور اس موقع پر کوئی اس سے بات بھی نہ کرے گا تو اس پر کیا گزرے گی؟ یہ بھی ایک اذیت ہے[۲]۔

۳۔ کبھی ان سے خطاب ہوگا کہ ۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ "[۳] خدا کے عذاب قہر و غضب کا مزہ چکھ ۔ بے شک تو عزیز و کریم تھا ۔ تو اپنے کو مثالی اور بلند و بالا انسان سمجھتا تھا ۔!

۱۔ مطففین/۳۴ ۲۔ بقرہ/۱۷۴ ۳۔ دخان/۴۹

حوض کوثر

راہ نبوت و امامت پر گامزن افراد قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کے دست مبارک سے جام کوثر نوش کریں گے اس سلسلے میں بحار الانوار، کنز العمال اور شیعی و سنی تفسیروں میں سو سے زائد حدیثیں وارد ہوئی ہیں[1]۔

وہ لوگ کہ جو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشینوں کی ہدایت سے محروم رہے روز قیامت آب کوثر سے محروم رہیں گے اور جنھوں نے ان حضرات سے علم و ہدایت حاصل کی ان لوگوں کو وہاں بھی نوازا جائے گا، تمام مسلمانوں نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمھارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں "ایک قرآن دوسرے اہلبیت"، اس کے بعد فرمایا یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس ملیں گے شیعوں اور سنیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ساقی کوثر حضرت علی علیہ السلام ہیں[2]۔

وہ لوگ جو بعد رسولؐ گمراہ ہو گئے اور آپؐ کی راہ کو چھوڑ دیا وہ آب کوثر سے محروم رہیں گے[3]۔

جی ہاں! دنیا میں اولیائے خدا کی ہدایت سے محرومی قیامت کے (فوائد) سے محرومی ہے۔

جنت اور جنتی

گزشتہ بحثوں میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ موت کے وقت قیامت میں زندہ ہونے اور جنت میں داخل ہوتے

---

[1] ۔ بحار الانوار جلد ۸ تقریباً ۳۲ حدیثیں ص ۱۶ کے بعد، کنز العمال جلد ۱۴ ص ۴۱۵ تقریباً ۸۰ حدیثیں، الغدیر جلد ۲ ص ۳۲۱
[2] ۔ الغدیر ج ۲ ص ۳۲۱ [3] ۔ کنز العمال جلد ۱۴ ص ۴۱۷ - ۴۱۹

کے موقع پر مومنین کی فرشتوں سے ملاقات قابل دید ہوگی جن کو قرآن نے "تحیتھم یوم یلقونہٗ سلام"[1] کے جملے کے ذریعہ گرما گرم استقبال بتایا ہے ایک تفسیر کی بنیاد پر برزخ میں فرشتے مومنین کو سلام کریں گے" استقبال ہوگا پروردگار عالم "ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ"[2] کے جملے سے ان کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اب خوشیاں تمھارا نصیب ہیں اے پاک روحو! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ خدا کا یہ خطاب اور فرشتوں کا سلام انسان سے دوست واحباب کے فراق کو آسان اور ہر قسم کے اضطراب کو ختم کر دیتا ہے۔ بے شمار روایتیں بھی اس کو بتاتی ہیں کہ مرنے والا جب آخر وقت اپنے سرہانے اولیائے خدا کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو موت کو پھول کی طرح محسوس کرتا ہے گویا وہ گندا اور پرانا لباس اتار کر نیا لباس پہن رہا ہے اور اپنے کو ایک دوسری ہی دنیا (برزخ) میں پاتا ہے برزخ میں رہنے والے افراد جو اس کے منتظر تھے اس کے آتے ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور قرآن کے بقول "ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم"[3] پہلے جانے والے بعد میں آنے والوں کی خوش خبری دیتے ہیں۔

جی ہاں! اپنی چند سالہ زندگی میں مومن ہر قسم کی سختیاں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے نماز روزہ وغیرہ انجام دیتا ہے اور تمام محرمات سے پرہیز کرتا ہے لیکن یہ سب چند دنوں کی بات تھی وہ بھی گزر گئی۔ بقول معروف "ذھب العناء و بقی الاجر ان ربک لبالمرصاد" مصیبتیں ختم ہو گئیں لیکن ان کا اجر باقی ہے بے شک تیرا خدا تاک میں ہے تاکہ اپنے کئے ہوئے وعدوں کو وفا کرے۔ ان کی برزخ کی زندگی لذتوں اور بندگان خدا کے ساتھ بسر ہوگی اور پھر قیامت کی منزل ہے جب ہر چیز منقلب ہو جائے گی عقلیں مبہوت، آنکھیں خیرہ اور سانسیں سینوں میں گھٹ کر رہ جائیں گی صورتیں تبدیل ہو جائیں گی۔

۱۔ فجر/۲۸ ۲۔ احزاب/۴۴ ۳۔ آل عمران/۱۷۰

وحشت ناک ماحول عقل کو ختم کر دے گا۔ جی ہاں صرف مومنین ہی ہیں جو اس روز اس وحشتناک اور خطرناک ماحول میں بھی محفوظ رہیں گے" وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ"[۱] یہ مومنین ہی ہیں کہ جو عذاب خدا سے محفوظ ہیں اس لئے کہ انھوں نے صرف خدا کی عبادت کی (نہ کہ دنیا، مال، دولت، درہم و دینار اور شہوت وغیرہ کی۔) ان کی زندگی کا مقصد صرف خدا کی مرضی تھی نہ کہ دنیا والوں کی خوشنودی ، سیاسی مسائل میں بھی یا تو معصوم کے نقش قدم پر چلے یا ان کا اتباع کیا جن کو ان حضرات منصوب کیا تھا ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو تو پہلے ہی سے عذاب خدا سے محفوظ رہنے کی سند مل گئی تھی اس لئے کہ حدیث میں ہے لا اله الا الله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی[۲] ، جو بھی ہر طرح کے وہمی خیالی اور خود ساختہ خداؤں سے منہ موڑ کر خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے سر تسلیم خم کریگا وہ عذاب سے محفوظ رہے گا البتہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ توحید کی بھی کچھ شرطیں ہیں من جملہ ان میں امام معصوم کی پیروی بھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت ایک محکم قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ عذاب خدا سے محفوظ رہے گا۔[۳]

توحید اور حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو ایک ہی تعبیر میں مستحکم قلعہ کے ذریعہ بیان کرنے کی دلیل یہ ہے کہ امام معصومؑ ہم کو توحید تک پہنچاتا ہے اور توحید ہم کو امام معصوم کے حوالے کرتی ہے دونوں راہیں ایک ہی ہیں اس کے برخلاف طاغوتی پیشوا خدا کے بجائے خود کو اور قانون خدا کے بجائے اپنی خواہشات کو اور خوف الٰہی کے بجائے اپنا خوف اور خدا کی طرف دعوت اور اس کی حمد و ثنا کے بجائے اپنی طرف دعوت اور اپنی چاپلوسیوں کو قرار دیتے ہیں اس بنا پر صرف الٰہی پیشوا ہی ہم کو توحید اور خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہو جانے کی دعوت دیتے ہیں اسی لئے توحید اور ولایت علیؑ کے لئے ایک ہی تعبیر کا

۱۔ سورہ نمل / ۸۹   ۲۔ بحار الانوار ج ۳

۳۔ ولایت علی ابن ابی طالب حصنی فمن دخل حصنی اَمِنَ من عذابی" سفینۃ البحار" مادہ ولی

استعمال بجا ہے اور الٰہی پیشواؤں سے ایسی ہی توقع رکھنی چاہیئے۔

مختصر یہ کہ اس وحشتناک دن مومنوں کو کسی قسم کا خوف و خطر نہ ہوگا اس لئے کہ خدا نے فرمایا ہے "یا عباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون"[1] آئندہ پیش آنے والی احتمالی مشکلات کا خوف اپنے دلوں سے نکال دو اور یقینی پریشانیوں کے سلسلہ میں محزون نہ ہو۔[2]

۱۔ سورۂ زخرف / ۶۸

۲۔ علامہ طباطبائی مرحوم تفسیر المیزان کی جلد ۸ ص ۱۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ احتمالی خطرات کے بارے میں خوف یقینی اور مشکلات کے بارے میں حزن ہے۔

جنّت کی تصویر

بہشت کے دروازے

پہلے ہم نے عرض کیا ہے کہ دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں "لہا سبعۃ ابواب"[1] لیکن بہشت کے آٹھ دروازے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں "ان للجنۃ ثمانیۃ ابواب"[2] بہشت کے آٹھ دروازے ہیں۔

بہشت کے دروازوں کے اوپر خوبصورت جملے لکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

۱۔ سورہ حجر/۴۴

۲۔ خصال صدوق ج ۲ باب ثمانیہ تفسیر نمونہ سے نقل جلد ۱۰ ص ۱۹۴ اور کنز العمال ج ۱۴ ص ۴۵۱

"الصدقة بعشرة والقرض بثمانية عشر"[1] صدقہ دینا دس نیکیوں کے برابر ہے لیکن قرض دینا اٹھارہ اجر رکھتا ہے ہاں صدقہ لینے والا ایک حقارت سی محسوس کرتا ہے لیکن قرض لینے میں یہ احساس کم ہوتا ہے بعض دروازوں پر رہبر کی روش اور ان رہبروں کے نام لکھے ہوئے ہیں جو فیض اور ارشاد الٰہی کا ذریعہ رہے ہیں بہشت کے دروازے جہنم کے دروازوں سے زیادہ ہیں کیونکہ خدا سے قرب و نجات کے راستے بھی زیادہ اور اس کی رحمت و لطف بھی اس کے عدل و غضب سے زیادہ ہے بہشت کے دروازے کھلے ہیں قرآن میں ہم پڑھتے ہیں "مفتحة لهم الابواب"[3] بہشت کے دروازے بھیڑ و ازدہام یا زیبائی وغیرہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ دروازے اس وجہ سے ہیں کہ ہر گروہ اپنے مناسب دروازے سے وارد ہو اور اپنی مشخص جگہ پر قرار پائے مثلاً ہم روایات میں پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: بہشت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام "باب المجاہدین" ہے جس سے مجاہدین مسلحانہ وارد ہوں گے اور فرشتے ان کو خوش آمدید کہیں گے[4]۔ ایک اور حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ بہشت کے ایک دروازے کا نام "ریّان" ہے اس میں سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے[5]۔ ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہے کہ: "ان للجنة باباً يقال له المعروف لا يدخله الا اهل المعروف"[6] بہشت کا ایک دروازہ ہے جسے معروف

۱۔ بحار ج ۸ ص ۱۸۱

۲۔ بحار ج ۸ ص ۱۹۱ ۔ البتہ ہم نے حدیث کے مضمون کو اکثر جگہ نقل کیا ہے۔

۳۔ سورہ ص / ۵۰

۴۔ بحار ج ۸ ص ۱۸۶

۵۔ بحار ج ۸ ص ۱۹۴

۶۔ بحار ج ۸ ص ۱۵۲

کہتے ہیں۔ اہل معروف اس میں سے داخل ہوں گے۔ بعض[1] روایات میں بہشت کے دروازوں کے نام یوں ہیں باب الرحمۃ، باب الصبر، باب الشکر، باب البلاء[2]

بہشتیوں کے چہرے

اگر آپ کو یاد ہو ہم نے دوزخ کی بحث میں مجرموں کے قیافے اور شکل کو بیان کیا ہے کہ کس طرح وہ روسیاہ سر جھکائے حیرت زدہ منہ پر مہر لگی ہوئی، نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں لئے ہوئے طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے چہرہ غبار آلود اشک افشاں وظلمت و تاریکی میں فشار اور پسینے میں ڈوبے ہوئے محشور ہوں گے۔ اب اہل خیر حضرات کو دیکھتے ہیں کہ قرآن ان کے بارے میں کیا فرماتا ہے۔

ان کی صورت

بہشتیوں کی شکل وصورت ان کی شادابی وشادمانی کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: وجوہ یومئذ مسفرۃ[3]، ان کے چہرے اس دن نورانی وسفید ہیں: "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ[4]" وہ خنداں خوبصورت اور شاداب چہرے جن کی نظریں الطاف الٰہی پر لگی ہوئی ہیں۔ "وجوہ یومئذ ناعمۃ[5]" وہ چہرے جو اس دن مختلف قسم کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں "ضاحکۃ مستبشرۃ[6]"، اہل بہشت اس ہولناک دن میں خنداں ہیں اور الٰہی نعمتیں دیکھنے کے ساتھ ساتھ

۱۔ نور الثقلین ج ۴ ص ۵۰۷

۲۔ باب البلاء مصائب پر صبر کی وجہ سے ہے قرآن میں ہم پڑھتے ہیں (سلام علیکم بما صبرتم) ہاں بہشت دنیا کی مشکلات عبور کرنے سے ملتی ہے۔

۳۔ عبس/۳۸ ۴۔ قیامت/۲۲ ۵۔ غاشیہ/۸ ۶۔ عبس/۳۹

کے لئے خوشخبریاں اور بشارتیں ہیں جی ہاں وہ صورتیں جو عظمت خدا کے سامنے خاک پر پڑی رہیں محاذ جنگ پر خون میں آغشتہ ہوئیں اور تاریک راتوں میں آنسوؤں سے دھلی ہیں مظالم سننے کے وقت برہم ہوگئیں اور خدا کی نشانیاں دیکھنے کے بعد توحید تک پہنچ گئیں ہیں اس دن انھیں اسی طرح خنداں اور نورانی ہونا چاہئے۔

فخر کا اظہار

سورہ الحاقہ میں ہم پڑھتے ہیں جوں ہی مسرت بخش نامۂ اعمال اچھے لوگوں کو دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ دیکھیں گے کہ کوئی پشیمانی کی بات اس میں نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ کمال و سربلندی و سرافرازی اور خدا کی اطاعت و عبادت ہے تو خوش ہو کر دوسروں کو پکاریں گے اور کہیں گے "ھاوم اقرؤا کتابیہ" اے اہل محشر آؤ میرے اعمال نامہ کو پڑھو "انی ظننت انی ملاق حسابیہ" میں دنیا میں جانتا تھا کہ ایک دن ایسا ہے اور اپنے حساب کی فکر میں رہا اور میں نے حرام کاموں سے اجتناب کیا اب میرے پورے بدن میں خوشی کی لہر دوڑی ہوئی ہے۔

"فھو فی عیشۃ راضیہ" وہ ایک مسرت بخش حالت میں ہے۔ "فی جنۃ عالیہ" ایک عالی مقام بہشت میں زندگی بسر کر رہا ہے "قطوفھا دانیہ" بہشتی درختوں کے میوے نزدیک ہیں اور ان سے بہرہ مند ہونے کے لئے اسے کوئی مشکل نہیں ہے۔ "کلوا واشربوا ھنیا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ"[1] کھاؤ اور پیو اور تم کو یہ نعمتیں مبارک ہوں ان نیک اعمال کی وجہ سے جو تم نے اس دن کے لئے پہلے سے بھیجے ہیں۔

بہشت امن کی جگہ

"ان المتقین فی مقام امین"[2] متقی لوگ قیامت میں ایک ثابت اور پائیدار جگہ میں

---

[1] ۔ تمام آیتیں پہلو بہ پہلو سورہ الحاقہ میں موجود ہیں۔ [2] ۔ دخان/۵۲

امن کے ساتھ ہیں (اور ہر قسم کی تبدیلی، تغیر، شیطان، بیماری، موت، آفات و مشکلات سے امان میں ہیں) دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو خدا نیز جھوٹے و باطل رہبروں کی پیروی و اطاعت سے آلودہ نہیں کیا وہ امان میں ہیں" الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن[1]"، قرآن میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں: "لھم دار السلام عند ربھم[2]" حق والوں کے لئے قیامت میں امن و سلامتی کا گھر موجود ہے۔

بہشت میں شاندار جشن

دوزخیوں کے مقابلے میں جن کا آگ کے گرز اور زنجیروں سے استقبال ہوگا۔ بہشت میں رحمت کے فرشتے ہر طرف سے جنتیوں کے پاس آئیں گے اور مبارک باد و تہنیت دیں گے اور احترام کے ساتھ پیش آئیں گے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[3]"

قابل توجہ یہ ہے کہ فرشتے اس محفل جشن میں مبارک باد اور سلام میں خدا کی طرف سے تمام الطاف کی دلیل بھی بیان کریں گے اور کہیں گے: "سلام علیکم بما صبرتم"، سلام ہو تم پر اس صبر کی خاطر جو دنیا میں طاغوتوں و خواہشات کے مقابلے میں تم نے اختیار کیا۔

اہل صفا

دوزخیوں کے برخلاف جو ایک دوسرے کو ملامت کریں گے اور قرآن کے مطابق ہر گروہ جو دوزخ میں پھینکا جائے گا دوسرے گروہ پر نفرین و لعنت کرے گا۔ "کلما دخلت امۃ لعنت اختھا[4]"

۱۔ ۸۲/۶ ۲۔ انعام/۱۲۷ ۳۔ رعد/۲۲ ۴۔ اعراف/۳۸ اخت کہے جانے کی دلیل یہ ہے کہ یہ منحرف امتیں آپس میں فکری ارتباط رکھتی تھیں۔

بہشت میں کسی قسم کا بغض وحسد وکینہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "ونزعنا ما فی صدورھم من غل"[۱] "ہم نے ہر قسم کی دشمنی وحسد وکینہ کو ان کی روح سے دور کر دیا اور سب کو برادرانہ طور پر ایسے تختوں اور مسندوں پر بٹھائیں گے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔

بہشت میں لغو اور بیہودگی نہیں

وہاں کسی قسم کا جھوٹ، غلط بیانی، طعنہ زنی، مذاق، تہمت و بہتان نہیں ہے۔ "لایسمعون فیھا لغواً الا سلاماً"[۲] "سننے والی چیزوں میں صرف سلام ہے یعنی ایسے جملے ہیں جو روح و فکر و زبان و کردار کے صحیح و سلامت ہونے کا پتہ دیتے ہیں دوسری جگہ ہم پڑھتے ہیں: لایسمعون فیھا لغواً ولا تاثیماً" بہشت میں کسی قسم کی لغویات نہیں سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کو گناہ کی نسبت دیں گے سورہ نبا میں ہے: "لایسمعون فیھا لغواً ولا کذاباً"[۳] "بیہودہ باتیں اس میں سنیں گے اور نہ جھوٹ کی نسبت ایک دوسرے کو دیں گے وہاں کی تمام باتیں واقعیات اور ایک خاص صفا و پاکیزگی اور صمیمیت و اپنائیت پر مبنی ہوں گی۔

بہشت کی فضا

بہت لطیف و دلربا اور ملایم و نازک ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "لایرون فیھا

۱۔ اعراف/۴۳ لفظ غل مخفیانہ طور پر نفوذ کے معنی میں ہے اور چونکہ حسد و کینہ مخفی طور پر انسان کی روح میں اثر انداز ہوتے ہیں لہذا انھیں غل کہا جاتا ہے۔ لہذا ممکن ہے تمام صفات کو بھی غل کہا جائے۔

۲۔ واقعہ/۲۳

۳۔ نبا/۳۵

شمساً ولا زمھریراً[1] "بہشت اور اس کی بلند تکیہ گاہوں پر نہ وہ سورج کو دیکھیں گے کہ اس کی گرمی سے پریشان ہوں اور نہ کوئی زمہریر ہے کہ اس کی سردی سے زحمت اٹھائیں بہشت کی فضلیت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ قرآن چھتیس مرتبہ فرمایا "جنات تجری من تحتھا الانھار" ایسے باغات جن کی شاخیں آپس میں لپٹی ہوئی اور ان کے درختوں کے نیچے صاف شفاف پانی کی نہریں جاری ہیں وہ درخت جو نہ سوکھیں گے اور نہ خراب ہوں گے اور نہ پرانے ہوں گے۔ قسم قسم کے درخت وہاں موجود ہیں ان میں سے بعض کا ذکر قرآن میں آیا ہے ارشاد ہوتا ہے "فی سدرٍ مخضود[2]" وہ سدر کے بے خار درختوں کے سائے میں ہیں" وطلح منضود اور کیلے کے درخت کے سایہ میں ہیں ایک ایسا درخت جس کے میوے ایک دوسرے پر قرار پاتے ہیں" وظلٍ ممدود" یعنی وہ دائمی طور پر سایہ میں ہیں کہ سورج کی گرمی سے اس کی لطافت ختم نہیں ہوتی ہے" وماءٍ مسکوب[3]" بہتے ہوئے پانی کے پاس زندگی بسر کریں گے۔ اس کے علاوہ لطیف آب و ہوا اور دلربا صدائیں وہاں موجود ہیں کہ متعدد روایات کے مطابق وہ آوازیں اور ساز حوریں اور درختوں کے ذریعہ بجائے جائیں گے لیکن ان میں بہت اعلیٰ عرفانی مطالب اور حمد و تقدیس پروردگار متعال بیان ہوں گی ان روایات کے نمونے بحار کی جلد کے صفحہ ۱۹۶ اور کنزل العمال کی جلد ۱۴ صفحہ ۴۸۸ پر دیکھے جاسکتے ہیں

۱۔ سورہ انسان / ۱۳ (لفظ زمہریرہ بہت سرد کے معنی میں ہے)

۲۔ لفظ مخضود یعنی بغیر کانٹے کے اور "منضود" یعنی اس کے پھل ایک دوسرے پر ڈھیر ہیں اور طلح یعنی کیلے کا درخت۔ بعض کہتے ہیں کہ طلح کیلے کا درخت نہیں ہے بلکہ ایک ایسا درخت ہے جس کا سایہ بہت مرطوب اور ٹھنڈا ہے (المیزان / ج ۱۹ ص ۱۴۰)

۳۔ سورہ دہر / ۱۳

بہشت کی وسعت

بہشت کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے اس مطلب کو قرآن سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۳ اور سورہ حدید کی آیت ۲۱ میں یوں بیان کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے "جنۃ عرضہا السمٰوات والارض[1]" بہشتیوں کی اس میں آمد و رفت ہے شاید بعض لوگ خیال کریں کہ اتنی وسعت کا کیا فائدہ اگر ہمیں بہشت کے ایک کونے میں جگہ دے دیں یہی کافی ہے لیکن ہمیں بھولنا نہیں چاہیئے کہ جس وقت ہم ماں کے پیٹ میں تھے اگر ہم سے پوچھا جاتا کہ تمھیں دنیا میں کتنی جگہ کی ضرورت ہے تو ہم کہتے کہ اس جگہ سے تھوڑی بڑی اور روشن ہو تو کافی ہے لیکن جونہی ہم نے دنیا میں قدم رکھا تو اب دیکھتے ہیں کہ معمولی گھروں پر قناعت کرنے کو تیار نہیں ہیں وہ لوگ جن کے پاس ابھی گھر نہیں ہے اور کرایے پر رہتے ہیں وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں اگر ہمارے پاس ایک چھوٹا سا اپنا گھر ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا پھر ہم ضرور راضی و خوشحال ہو جاتے لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ کرۂ زمین انسان کے لئے تنگ ہے اور وہ آسمانی کرات کی تسخیر کی فکر میں ہے قیامت کا عالم اس دنیا سے بالکل مختلف و جدا ہے وہاں پر ابدی مکان ہے پوری مخلوق حاضر ہے. انسان کی طاقت و اختیار، اس کے مہمان، کامیابیاں، توقعات اور خواہشات کئی گنا زیادہ ہیں اس کے علاوہ وہ ہر جگہ کو اپنے لئے مناسب خیال کرتا ہے بہتر ہے کہ خدائے عظیم اس عظیم دن کے لئے انسان کو عظیم جزا عطا فرمائے ۔ حدیث میں ہے کہ معمولی انسانوں کی جگہ بہشت میں اس قدر بڑی ہے کہ اگر جن و انس سب مل کر اس کے پاس آجائیں تو ان کی پذیرائی کے لئے اس کے پاس جگہ اور وسیلہ موجود ہے (جبکہ کسی دوسرے کا حصہ کم بھی نہ ہو[2])

---

[1] ۔ یہاں عرض علم ہندسہ کے معنی میں طول کے مقابلے میں نہیں ہے ۔ بلکہ اسی لغوی معنیٰ میں ہے جو وسعت کے ہیں۔

[2] ۔ بحار / ج ۸ ص ۱۲۰

ابدی نعمتیں

قرآن کریم نے بارہا بہشت کی نعمتوں کے دائمی ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور اس آیت کے ساتھ "خالدین فیھا" ہمارے گوشزد کیا ہے کہ بہشتی لوگ بہشت سے کسی عنوان سے نہیں نکلیں گے ایک اور جگہ ہم پڑھتے ہیں "اُکلھا دائم"[1] بہشتی میوے موسم اور فصل کے اعتبار سے نہیں ہیں اور نہ وہ آفت زدہ ہوں گے کہ ایک عرصہ تک موجود ہی نہ رہیں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے "لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ"[2] بہشتی میوؤں کا سلسلہ نہ دنیاوی میوؤں کی طرح قطع ہوگا اور نہ ہی انسان کو اس کے کھانے سے رکاوٹ ہوگی دنیا میں کبھی میوے ہیں لیکن ہمارے ہاتھ سے دور ہیں یا ہمیں بھوک واشتہا نہیں ہے یا ابھی کچے و ناپختہ ہیں یا ہمارے معدے کے لئے قابل ہضم نہیں ہیں یا آلودہ اور گندے ہیں یا کانٹے دار ہیں یا ہمیں انھیں کھانے سے منع کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ مذکورہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ بہشت کے میوے ہمیشہ ہیں اور کسی وقت کسی بھی بہشتی کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے ۔

قرآن میں ہم پڑھتے ہیں "ان ھذا لرزقنا مالہ من نفاد"[3] یہ نعمتیں ہماری روزی ورزق ہیں جو ہم بہشتیوں کو عطا کرتے ہیں اور کسی قسم کی رکاوٹ ان کے لئے نہیں ہے نہ وہ ختم ہوں گے میوے اور نعمتیں فراوان ہیں" وفاکھۃ کثیرۃ"[4] "اور تمام نعمتیں زیادہ ہونے کے قابل بھی ہیں یعنی یہ الطاف الٰہی اس کے لطف وکرم کا آخری درجہ نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ہوتا ہے " ولدینا مزید"[5] یعنی بہشتیوں کی چاہت وخواہشات سے بھی زیادہ ہمارے پاس ہے

۱۔ سورہ رعد/۳۵
۲۔ واقعہ/۳۳
۳۔ ص/۵۴
۴۔ واقعہ/۳۱
۵۔ ق/۳۵

ان کے تصور و فکر یا چاہت سے بالاتر و بہتر و عالی تر ہے جو وہ ہم سے چاہیں گے۔ "اللّٰھم ارزقنا بحق محمد و اھل بیتہ صلوات اللہ علیھم اجمعین"

لباس اور زیورات

اہل بہشت کو سونے کے دست بندوں کے ساتھ سجایا گیا ہے "یحلون فیھا من اساور من ذھب[1]" سورہ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے سونے کے علاوہ موتیوں کے زیورات بھی ہیں ایک اور آیت میں چاندی کے دست بندوں کا ذکر آیا ہے۔ "وحلوا اساور من فضۃ[2]" ان کا لباس سبز رنگ کا ریشم ہے جو نازک اور ضخیم بھی ہے "ویلبسون ثیابا خضرا من سندس واستبرق[3]" قابل توجہ ہے کہ کھنا اور پرانے نہیں ہوں گے بہشت میں کسی قسم کی تھکاوٹ اور کوئی درد سر نہیں ہے۔ "لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب[4]"

استقبال کرنے والے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "ویطوف علیھم ولدان مخلدون واذا رایتھم حسبتھم لولوا منثورا[5]" خوبصورت بچے بہشتیوں کے ارد گرد (خدمت گزاری

۱۔ فاطر/۳۱ "اساور" جمع "اسورہ" و "اسورۃ" جمع "سوار" ہے جو دراصل فارسی کے لفظ "دستوار" اور دست بند سے ہے

۲۔ انسان/۲۱

۳۔ کہف/۳۱ "سندس" نازک ریشم اور "استبرق" ضخیم ریشم کو کہتے ہیں۔

۴۔ فاطر/۳۴۔ نصب سختی کے معنی میں ہے اور لغوب تھکاوٹ کے معنی میں ہے۔

۵۔ کنز العمال ج ۱۴ ص ۴۷۴

استقبال کے لئے) ٹہلتے ہوں گے اگر تم ان کو دیکھو تو خیال کرو گے کہ وہ موتی کے بکھرے ہوئے دانے ہیں

بہشت لطف اندوزی کی جگہ

جیساکہ دوزخ میں ہر قسم تکلیف اور اذیت موجود ہے بہشت میں ہر قسم کی لذّت و آرام میسّر ہے قرآن فرماتا ہے: فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذّ الاعین[1] "یہ ایت اپنی تمام کوتاہی کے باوجود اس قدر جامع ہے کہ اگر تمام اہل قلم و خطیب اپنی تمام عمر بہشت کے اوصاف بیان کریں یا لکھیں تو بھی وہ مطلب ادا نہیں ہو سکتا جو اس چھوٹی سی آیت میں موجود ہے، جس چیز کی طرف انسان رغبت کرے اور جس چیز سے آنکھ لذت اٹھائے وہ اس کے اختیار میں ہے دنیاوی نعمتیں کتنی ہی اچھی ہوں ایک انسان ان سے سیر ہو جاتا ہے اور ان سے بے توجہی و لاتعلقی اختیار کر لیتا ہے مثلاً دیکھنے والے مناظر ان لوگوں کے لئے قابل توجہ ہیں جنھوں نے انھیں نہیں دیکھا ہے لیکن اس علاقہ کے رہنے والوں کے لئے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے لیکن بہشت کے مناظر اور نعمتیں ایسی نہیں ہیں جو تھکانے والی ہوں اور انسان کے نشاط کو کم کر دیں بلکہ تا ابد لذتیں اور کیف و سرور اسی طرح باقی ہیں یہ شاید مسلسل تغیرات کی خاطر ہو جو ان میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور آنکھیں ان کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں[2]

۱۔ زخرف/۷۱

۲۔ اس بات کی دلیل کلام خدا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: "لھم ما یشاؤن ولدینا مزید"، جو وہ چاہیں وہ موجود ہے اور ان کی خواہش سے زیادہ بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ سورہ ق/۳۵

بہشت قابل وصف نہیں

خداوند عالم فرماتا ہے کہ کسی کے لئے قابل تصور نہیں ہے کہ ہم نے سحر کو بیدار ہونے والے عبادت گزاروں کے لئے کتنے درجوں اور کتنی نعمتوں کو جو ان کی آنکھوں کے نورانی ہونے کا سبب ہیں مخفی اور ذخیرہ کر رکھا ہے "فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة عین"[1] قدیم آسمانی کتابوں میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے نیک و صالح بندوں کے لئے ایسی چیزوں کو مہیا و آمادہ کیا ہے جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ وہ کسی انسان کی فکر میں آسکتی ہیں: اعددت لعبادی ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر بقلب بشر"[2]

اہل بہشت کی بیویاں

قرآن کریم میں اکثر بہشتیوں کی بیویوں اور ان کے خصوصیات کے بارے میں ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے: "وعندهم قاصرات الطرف"[3] بہشتی لوگوں کی بیویاں اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے پر نظر نہیں ڈالتیں اور صرف اپنے شوہروں کی طرف نیم وا اور محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہیں وہ بیویاں ایسے موتیوں کی طرح ہیں جن کو کسی نے چھوا نہیں ہے۔ "وحور عین کامثال اللؤلؤ المکنون"[4] جس وقت یہ بیویاں ان کے پاس آئیں گی

۱۔ سجدہ/۱۷ ۳۔ صافات/۴۸

۲۔ بحارالانوار ج ۸ ص ۱۹۱ ۴۔ واقعہ/۲۳

وہ ان کو کنواری پائیں گے" فجعلناهن أبكاراً[1]" وہ عورتیں اپنے شوہر کی عاشق بھی ہیں اور سن کے اعتبار سے مناسب بھی ہیں" عرباً اتراباً[2]"

ان عورتوں کے سینے تھوڑے ابھرے ہوئے اور تازہ رسیدہ ہیں" وكواعب اتراباً[3]"

ان عورتوں کو بہر حال کسی نے بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے: "لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان[4]" یہ بیویاں محفوظ و پاک ہیں نہ کہ آلودہ" حور مقصورات في الخيام[5]" حوریں خیموں میں منتظر ہیں اور اس قدر خوبصورت و زیبا ہیں کہ گویا یاقوت اور مرجان ہیں" كأنهن الياقوت والمرجان[5]" تمام ظاہری حسن جمال سے قطع نظر کمالات کے اعتبار سے بھی بہشت اور بہشتیوں کے لائق ہیں اور ہر قسم کے نقص و عیب کجی اور کمزوری سے پاک ہیں "لهم فيها أزواج مطهرة[6]"

ہم بہشتی عورتوں کے بارے میں جو کچھ زیادہ گفتگو کی ہے اس کا سبب وہ اہمیت ہے جو ان میں موجود ہے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ دنیا و آخرت کی مادی نعمتوں میں سب سے بہتر خوبصورت بیویوں سے لذت اندوزی ہے" ما تلذذ الناس في الدنيا والآخرة بلذة أكثر لهم من لذة النساء[7]"

بالکل یوں ہی جیسے دنیا و آخرت کی بہترین معنوی لذت جلوہ معبود رضائے خدا اور خدا سے گفتگو کرنا ہے سچ بتائیں یہ نعمتیں کہاں اور دوزخیوں کی وہ اذیتیں کہاں؟ کہ جب وہ پیاسے

۱۔ واقعہ/۳۶۔ تفسیر المیزان ج ۱۹ ص۱۴۰ کے مطابق۔

۲۔ واقعہ/۳۷

۳۔ نباء/۳۳

۴۔ الرحمن/۵۶

۵۔ الرحمن/۷۲

۶۔ نساء/۵۷

۷۔ وسائل ج ۱۴ ص۱۰

ہوتے ہیں اور پانی طلب کرتے ہیں تو انھیں ایسا پانی دیا جاتا ہے جو دھات کے مانند پگھلا ہوا ہوتا ہے اور ان کے چہرے کی کھال بھون دیتا ہے۔ یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ[1]"

بہشت کی غذائیں

اہل بہشت مختلف قسم کے میوں سے جو چاہیں گے وہ انتخاب کریں گے۔" وفاکھۃ مما یتخیرون[2]"

میوؤں تک دست رسی بہت آسان ہوگی۔ اور ان کی شاخیں ان کے ہاتھوں میں آجائیں گی۔" قطوفھا دانیۃ[3]"

تمام قسم کے میوے ان کے اختیار میں ہیں۔ ولھم فیھا من کل ثمرات ومغفرۃ من ربھم[4]"

پرندوں کے لذیذ گوشت جتنا اور جس قسم کا اور جس وقت وہ چاہیں گے موجود ہے۔ "ولحم طیر مما یشتھون[5]"

پینے کی چیزیں

سورۂ محمدؐ میں ارشاد ہے کہ بہشت میں مختلف قسم کی نہریں موجود ہیں منجملہ :

۱۔ کہف/ ۲۹

۲۔ واقعہ/ ۱۹

۳۔ الحاقہ/ ۱۹

۴۔ محمدؐ/ ۱۴

۵۔ واقعہ/ ۱۹

۱۔ صاف وشفاف پانی کی نہریں جو ہرگز آلودہ اور متغیر نہیں ہوں گی۔ "وانھارٌ من ماءٍ غیر آسن"[۱]

۲۔ دودھ کی نہریں جن کا مزہ ہرگز نہیں بدلتا: "وانھار من لبن لم یتغیّر طعمہ"[۲]

۳۔ شراب کی نہریں جن سے بہرہ مند ہونے والے لذتیں اٹھائیں گے" وانھارٌ من خمرٍ لذّۃ للشاربین"[۳]، دنیاوی شرابیں انسان کو مست کرتی ہیں، دردسر و بیہوشی کا باعث بنتی ہیں، تند اور تلخ ہیں اور مختلف بیماریوں کا سبب بنتی ہیں لیکن بہشت کی شراب اس قسم کی نہیں ہے قرآن اس بارے میں فرماتا ہے: "لا یصدّعون عنھا ولا ینزفون"[۴] وہ شراب نہ دردسر کا باعث ہے اور نہ مستی و بیہوشی کا سبب۔

ایک موازنہ

۱۔ دنیا کی شراب نجس اور قرآن کے مطابق رجس ہے[۵]۔ لیکن بہشت کی شراب کے بارے میں ہے کہ "شراباً طھوراً"[۶]

۲۔ دنیا کی شراب فتنہ اور دشمنی کا سبب ہے شیطان قمار بازی اور شراب کے ذریعہ لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے[۷]۔ لیکن بہشت کی شراب کسی قسم کا کینہ و کدورت پیدا نہیں کرتی ہے بلکہ اہل جنّت برادرانہ طور پر آمنے سامنے تختوں پر تکیہ لگائے شاد و خرّم ہیں۔

۱۔ محمد/ ۱۵

۲۔ واقعہ/ ۱۸

۳۔ مائدہ/ ۹۰

۴۔ انسان/ ۲۱

۵۔ مائدہ/ ۹۱

۶۔

۱- دنیا کی شراب کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے لیکن بہشتیوں کی شراب مکمل نفع ہے۔
۴ - دنیا کی شراب مستی پیدا کرتی ہے لیکن آخرت کی شراب کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں "لا فیھا غول"[۱]
۵ - دنیا کی شراب سر درد پیدا کرتی ہے لیکن بہشتیوں کی شراب کے بارے میں ارشاد ہے کہ:
"لا یصدعون عنھا"[۲]، کسی قسم کا سر درد پیدا نہیں کرتی۔
۶ - دنیاوی شراب پی کر انسان بیہودہ بکواس کرنے لگتا ہے۔ لیکن بہشت میں ایسا نہیں ہے: "لا یسمعون فیھا لغواً ولا کذاباً"[۳] یعنی کسی طرح کی بیہودہ گوئی بکواس اور جھوٹ اہل بہشت میں نہیں ہے۔

اب جبکہ ہم نے پانی دودھ اور شراب کی نہروں کا دنیاوی شراب کے ساتھ موازنہ پیش کر دیا تو ایک اور قسم کی نہروں کی طرف بھی اشارہ کر دیں۔ ارشاد ہوتا ہے: "و انھار من عسل مصفی"[۴] بہشت میں صاف شدہ شہد کی نہریں اہل بہشت کے اختیار میں ہیں۔

ظروف اور نہریں

ظروف کو جو اہل بہشت پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جو ٹھنڈے اور خوشبودار ہیں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً[۵] تفسیر المیزان میں ہے "کافور" ایک ایسی ضرب المثل ہے جو ٹھنڈک اور خوشبو کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

---

۱ - سورہ صافات/۴۷ (غول) ناخود آگاہ طور پر تباہ و ہلاک ہونا۔
۲ - واقعہ/۱۸
۳ - نباء/۳۵
۴ - محمد/۱۴
۵ - دھر/۵

اور لفظ "کاس" بھی پانی کے ظرف کے معنی میں ہے لہٰذا خود پانی کے ظرف سرد اور خوشبودار مادہ سے بنے ہیں بہشت کی نہریں اور چشمے وہاں کے ساکنین کے اختیار میں ہیں کہ جس طرف وہ چاہیں گے ایک اشارے ان کی راہ تبدیل یا کوئی نیا چشمہ یا نہر جاری کر دیں گے اور چشمہ یا نہر جاری کرنے میں انھیں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوگی وہ صرف ارادہ کریں گے "لھم مایشاؤن فیھا"[1] لہٰذا قرآن بہشت کے چشموں اور نہروں کے بارے میں فرماتا ہے "یفجرونھا تفجیراً"[2] وہ خود بہشتی چشموں کو جاری اور بہشت کی زمینوں میں اس ارادہ سے جو خدا نے ان کو دیا ہے شگاف پیدا کریں گے

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اہل بہشت کے پینے کی چیزیں زنجبیل سے معطر ہیں اور وہ ایسے ظروف سے جو چاندی کی روشنی سے بنے ہیں استفادہ کریں گے اور استقبال کرنے والے خوشگوار پانی ان خوبصورت ظروف میں ڈالیں گے جو ان کی طبیعت کے متناسب ہو نہ کمتر اور نہ زیادہ۔[3]

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "یطاف علیھم بکاس من معین بیضاء لذۃ للشاربین لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون"[4] بہشت کے حسین خدمتگار روشن و سفید شراب سے بھرے ہوئے لذت بخش جاموں و پیالوں کے ساتھ جن میں کسی قسم کا نقصان اور مستی نہیں ہے بہشتیوں کے ارد گرد گھومیں گے تاکہ جب طبیعت چاہے وہ انھیں نوش کریں[5]۔ اس آیت کے

۱۔ سورہ ق / ۳۵

۲۔ سورہ دھر / ۶

۳۔ مضمون کے آخری دو سطر کا ہر جملہ قرآن کی ایک آیت ہے کہ اختصار کی وجہ سے ہم نے نقل نہیں کیا۔

۴۔ سورہ صافات / ۴۸ ۔ ۴۵

۵۔ "کاس" بھرے پیالے اور "قدح" خالی پیالے کو کہتے ہیں" اور "معین" ظاہر اور روشن کے معنی میں ہے "بیضاء" سفید" غول" یعنی ضرر" انزاف" عقل زائل ہونے کے معنی میں ہے۔ المیزان ج ۱۷ ص ۱۴۳

ہر جملہ میں ایک لطیفہ ہے بھرے ہوئے جام روشنی کا رنگ، اس کی سفیدی لذت اٹھانا مستی ضرر اور نقصان کا نہ ہونا۔ دنیاوی پینے والی اشیاء میں معمولاً اس قدر صفات ایک جگہ جمع نہیں ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ شراب کے ظروف صاف اور خالص ہیں دربستہ ہیں اور ان پر مہر لگی ہوئی ہے اور جونہی اہل بہشت اس سے پئیں گے تو آخر میں مشک کی خوشبو کا احساس کریں گے۔ یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک[۱] "

معنوی لذتیں جو ان مادی لذتوں کے ہمراہ ہیں یہ ہیں کہ وہ تمام نعمتیں پروردگار کی طرف سے ہیں "و سقٰھم ربّھم شرابا طھورا[۲]" وہ شراب جو خدا کی طرف سے ہے ایک ایسی معنوی لذت سے سرشار ہے جو قابل بیان نہیں ہے۔

بہشت میں کھانے پینے کی چیزیں ایسے ظروف میں ہیں جو خوبصورت و خوشنما ہیں قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے: "و یُطاف علیھم بصحاف من ذھب و اکواب[۳]" بہشت میں استقبال کرنے والے سونے کے کوزے اور طبق جو بہترین غذاؤں اور پینے کی اشیاء سے بھرے ہیں ان کو لے کر اہل بہشت کی خدمت کے لئے آمادہ ہیں[۴]۔

یہ تمام لطف و کرم و کامیابی کہاں اور وہ جہنمی کہاں جو جتنا جلایا جاتا ہے اس کی نئی کھال پیدا ہوتی جاتی ہے۔

۱۔ سورہ مطففین /۲۵ "رحیق" صاف و خالص شراب کے معنیٰ میں۔

۲۔ ھل اتیٰ /۲۱

۳۔ زخرف /۷۰

۴۔ صحاف "جمع "صحفۃ" طبق و نہال کے معنیٰ میں ہے اور "اکواب" جمع "کوب" بڑے گلاسوں اور بغیر دستہ والے کوزوں کے معنیٰ میں ہے۔

دوسرے نمونے

جیسا کہ ہم نے عرض کیا قرآن نے قیامت کے مسئلے میں کسی چیز کو چھوڑا نہیں ہے۔ ہزار آیات سے زیادہ اس سلسلے میں موجود ہیں اور حق بھی یہی ہے کیونکہ انسانوں کی ابدی اور دائمی زندگی وہاں ہے اور اس پر ایمان رکھنا اس دنیا کی زندگی کو بھی مشخص کرتا ہے لہذا دوزخ اور بہشت کے صفات کے بیان میں جو امید و بیم کا سبب اور تربیت کا قوی ترین وسیلہ و ذریعہ ہے بہت سی آیات ذکر ہوئی ہیں جن کے کچھ مزید نمونہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

بہشت میں بلند و بالا تخت قرار دیئے گئے ہیں: "فیھا سرر مرفوعۃ[1]" اس میں سونے اور چاندی کے خوبصورت برتن چنے ہوئے ہیں" واکواب موضوعۃ[2]" بہشت میں تکئے ایک دوسرے کے ساتھ ایک مخصوص انداز میں لگائے گئے ہیں" ونمارق مصفوفۃ[3]" اس میں بہت عالی فرش بچھائے گئے ہیں" وزرابی مبثوثۃ[4]"

میوؤں اور پھلوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے انھیں چننے کے زحمت بھی نہیں ہے کیوں کہ پھلوں کی شاخیں ان کے ارادے اور اختیار سے نزدیک ہو جائیں گی "وذللت قطوفھا تذلیلا[5]" اگر وہ کھڑے یا بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں تو پھل اور میوے ان کے قبضے میں اور شاخیں ان کے ارادے و اختیار میں ہیں۔

قرآن کریم میں دنیا اپنے تمام دریاؤں معدنیات اور درختوں کے باوجود کم قیمت مال و جنس کے عنوان سے تعبیر ہوئی ہے لیکن خدا بہشت کو ملک عظیم فرماتا ہے: واذا رأیت ثم رأیت

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ سورہ غاشیہ/۱۶ــ۱۳

۵۔ سورہ دہر/۱۵

نعیما وملکا کبیرا[1] " اے پیغمبر جس وقت آپ بہشت پر نگاہ ڈالیں گے تو اس وقت آپ نعمتوں ایک بڑے ملک اور عظیم بادشاہت کو دیکھیں گے ۔

نعمتوں کے دوسرے نمونے جن کے بارے میں اکثر قرآن کریم میں گفتگو ہوئی ہے وہ اہل بہشت کا ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھنے کے مسئلہ ہے ان کے تخت اور نشستیں ایسی ہیں کہ آرام کی حالت میں تکیہ لگائے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔" علی سرر موضونة متکئین علیہا متقابلین[2]" ایسے تختوں پر جو سونے اور چاندی سے بنے اور بنائے گئے ہیں تکیہ لگائے ہوں گے ایسی حالت میں کہ ایک دوسرے کے برابر نعمتوں کو دیکھنے اور مقامات کے مشاہدے اور آپس میں انس و محبت سے لذتیں اٹھائیں گے ۔

---

[1] ۔ سورہ دھر/۲۰

[2] ۔ سورہ واقعہ/۱۷

معنوی لذّتیں

اب تک ہم نے جنّت کی غذا، ازواج، باغ، فرش، تخت و شراب و ... کے بارے میں عرض کیا جو مادی لذتوں کا ایک گوشہ تھا لیکن ان سب سے اہم روحی اور معنوی لذتیں ہیں۔ اسی دنیا میں اگر کوئی شخص تمام مادی لذتوں سے بہرہ مند ہو لیکن حاسد ہو، کینہ رکھنے والا ہو، لوگ اس کو برا سمجھیں کوئی بھی اس کو سلام نہ کرے تو تمام لذتیں اس کے لئے زہر ہو جائیں گی کیونکہ تمام نعمتوں سے ایک بڑی نعمت محبوبیت ہے اولیاء خدا کے ہمراہ ہونا نعمت ہے، صفائے دل نعمت ہے یقیناً وہ نورانی دل کہ جس میں بخل و کینہ، دشمنی و حسد، شرک و تکبر نہ ہو وہ محل، باغ، بیوی سواری، سے قابل موازنہ نہیں ہے بہشت میں معنوی لذتیں مادی لذتوں سے بالاتر ہیں۔ قرآن نے اس سلسلہ میں بعض آیات کو بیان فرمایا ہے اور ہم ان میں سے کچھ آیتیں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ وہ پاک دل کے ساتھ ہر قسم کے کینہ و کدورت سے دور رہ کر زندگی بسر کریں گے:

"و نزعنا ما فی صدورھم من غل"[۱]

---

[۱] اعراف/۴۲

۲ــ وہ خاصان خدا کے درمیان اور ان کے قرب وجوار میں ہیں" فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"[1]

۳ ــ خداوند عالم خود انھیں سلام کا ہدیہ پیش کرے گا" سلام قولاً من رب رحیم"[2]

۴ ــ فرشتے ہر طرف سے ان کے پاس آئیں گے اور انھیں مبارک باد پیش کریں گے "والملائکۃ یدخلون علیہم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم"[3]

۵ ــ خدا کے عشق اور اس کی محبت نے ان کے پورے وجود کو گھیر لیا ہے اور وہ جان و دل کی گہرائی سے اس کا شکر ادا کرتے ہیں" وآخر دعویٰہم ان الحمد للہ رب العالمین"[4]

اس دنیا میں بھی روحانی لذتیں بہت ہیں مثلاً علمی مسائل کو حل کرنا اور ان کو سمجھنا لذت بخش ہے، حضور قلب کے ساتھ مناجات کرنا لذت بخش ہے، بزرگوں کے ساتھ گفتگو باعث لذت ہے، بزرگوں کی ہمسائگی لذت بخش ہے، کبھی بزرگوں کے ہمراہ فوٹو کھچوانا لذت بخش ہوا کرتا ہے تو جب ایک دوسرے کے ساتھ فوٹو کھچوانا اور گھر سے گھر کی دیوار کا متصل ہونا لذت آفریں ہے تو خدا کی مقدس ذات اور اس کے فرشتوں کی طرف سلام کا پیغام اور حضرت ابراہیمؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ جیسی شخصیتوں کی ہم نشینی میں کیسی عظیم لذت ہوگی ؟ حدیث میں ہے کہ خداوند عالم بہشتیوں سے فرمائے گا کہ تمام نعمتوں اور کامیابیوں سے بالاتر تمھارے سلسلہ میں میری رضایت و خوشنودی ہے[5]۔ قرآن میں ارشاد ہے" ورضوان من اللہ اکبر ذالک ھو الفوز العظیم"[6]

---

۱ ـ فجر/۲۸ ۴ ـ یونس/۱۰

۲ ـ یٰس/۵۷ ۵ ـ بحار ج ۸ ص ۱۴۰

۳ ـ رعد/۲۳ ۶ ـ توبہ/۷۲

اہل بہشت کے سلسلہ میں خدا کی رضا و خوشنودی بہشت اور اس کی نعمتوں سے کہیں بڑی ہے اور یہ عظیم فلاح اور کامیابی۔ سورۂ قمر کی آیت میں ہم پڑھتے ہیں" ان المتقین فی جنات و نھر فی مقعد صدق عند ملیکٍ مقتدر" متقی و پرہیز گار لوگ بہشت کے باغوں و نہروں اور صدق صفا کی منزل میں (یعنی ایسی جگہ جس میں جھوٹ و لغو اور کوئی خلاف کام نہیں ہے) ایک ایسا مقام جس میں وہ پسندیدہ و دلچسپ زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی خداوند عالم و قادر کے حضور میں۔ خداوند عالم کی مخصوص رحمت کے سایہ میں زندگی بسر کرنے کا مسئلہ ایسی چیز ہے جس کے اظہار کے لئے لفظیں نہیں ہیں اگرچہ ہم ہر حال میں خدا کے روبرو ہیں لیکن وہ حضور جو قیامت میں ہے وہ ایک خاص خصوصیت کا حامل ہے۔ ممکن ہے مثال کے ذریعہ مسئلے کو ذہن کے قریب کیا جا سکے۔

کبھی انسان اپنے ہی گھر میں نماز پڑھتا ہے کبھی مسجد میں کبھی مکہ و مسجد الحرام میں تمام جگہیں خدا کی ہیں لیکن ان کے درمیان فرق ہے کبھی کوئی شخص پیسہ بھیجتا ہے کہ ہم اس کے لئے کھانا تیار کریں کبھی غذا بھیجنے والے کو آرڈر دیتا ہے کہ ہمارے لئے غذا لائے کبھی ہم کو اپنے گھر لے جاتا ہے کہ ہم کو کھانا کھلائے کبھی ہم کو اپنے پاس بٹھاتا ہے اور کھانا کھلاتا ہے اور کبھی اپنے ہاتھ سے ہماری پلیٹ میں کھانا نکالتا ہے اور کبھی کھانا ہمارے منہ میں ڈالتا ہے تمام صورتوں میں اس نے ہم کو کھانا کھلایا لیکن اس کی محبت و لطف کے انداز اور مراتب میں فرق ہے ہم دنیا و آخرت میں اس کے سامنے اس کی نعمتوں کے دسترخوان پر ہیں لیکن قیامت میں منظر و مقام و حضور یک دوسری چیز ہے۔ وسقیھم ربھم شراباً طھوراً[1] " قیامت میں ان کا پروردگار انھیں پاک شراب پلائے گا۔

---

[1] ۔ سورۂ انسان / ۲۱

اسی طرح گناہوں بیہودگیوں، جھوٹ اور خیانتوں کی فضا سے دور رہنا بھی لذت ہے اور حزن واندوہ وغم کا نہ ہونا بھی نعمتوں میں سے ہے کہ اہل بہشت اس کا اعتراف کریں گے اور خدا کا شکر بجالائیں گے "وقالوا الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن[1]"، کہیں گے خدا کا شکر جس نے ہم کو غموں سے نجات دی اور بہشت میں داخل فرمایا۔ روحی نعمتوں میں ایک اور نعمت یہ ہے کہ مومن کے رشتہ دار اور نیکو کار افراد جو دنیا میں باہم تھے وہاں بھی باہم قریب رہیں گے۔" الحقنا بھم ذریتھم[2]"، ہم نیک لوگوں کی اولاد کو جو ایمان کی راہ پر رہے ہیں (اگرچہ وہ اپنے آباو اجداد کے درجہ تک نہ پہنچے ہوں گے) آباو اجداد کی مزید خوشی کی خاطر ان سے ملحق کر دیں گے[3] تاکہ آپس میں مشترک لذت سے بہرہ مند ہوں وہ مہاجر جو ایک شہر یا ایک ملک سے ہجرت کرتے ہیں جب ایک دوسرے کے پاس پہنچتے ہیں تو پردیس اور ہجرت بھول جاتے ہیں اور گویا خود کو اپنے شہر میں محسوس کرتے ہیں انسان نے سفر میں جونہی اپنے کسی شہری یا ہمسائے و پڑوسی کو دیکھا خوش ہو جاتا ہے کہ یہ خود ایک قسم کی روحی جذباتی و معنوی لذت ہے۔

حدیث میں ہے کہ" ان اطیب شیٔ فی الجنۃ و الذہ حب اللّٰہ و الحب للّٰہ[3]"، بہشت کی دل پسند ترین اور لذیذ ترین نعمتوں میں خدا سے محبت اور خدا کے لئے کسی سے محبت رکھنا ہے۔

اہل بہشت کے لئے الطاف الٰہی میں سے ایک اور لطف یہ ہے کہ خداوند عالم ان سے فرمائے گا: یہ نعمتیں اور جزائیں تمھارے کام کا اجر ہیں" ان ھٰذا کان لکم جزاء و کان سعیکم مشکوراً[4]"

جب کہ چند رکعت نماز چند روز روزہ حج و انفاق وغیرہ کی جزا یہ سب الطاف نہیں ہیں

۱۔ فاطر/۳۴
۲۔ طور/۲۰
۳۔ تفسیر المیزان/ ج ۱۹ ص ۱۰
۴۔ انسان/ ۲۲

کیوں کہ ہمارا مال اور ہماری جان اور یہ امکانات و وسائل اور ہماری توفیق سب ہی خدا کی دین ہے ہماری عبادات ایک ایسی عمارت کے مانند ہیں کہ جس کا لوہا اینٹ سیمنٹ سفیدی کھڑکی دروازہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہو اور پھر خدا اسی گھر کو چند برابر قیمت ادا کر کے ہم ہی سے خرید لے یقیناً انسان اس عظیم لطف کے سامنے شرمندہ ہو جائے گا فرض کریں کہ ایک غلام کو آپ نے ڈوبنے سے بچا لیا پھر اس کو خرید لیا اور آزاد کر دیا اس کے بعد اس کو ڈرائیوری سکھائی اور کام کاج کیلئے ایک بہترین گاڑی اسے خرید کر دے دی اور اس کے لئے بیوی و مکان بھی فراہم کیا لیکن وہ جو اپنی نجات و آزادی و کام زندگی کو آپ کا مرہون منت سمجھتا ہے۔ کبھی کبھار شکریہ ادا کرنے کیلئے آپ سے ملنے آئے اور آپ اس کو اس ملاقات کے عوض گاڑی کا کرایہ اور پٹرول کی قیمت بھی ادا کر دیں یہاں اس پر سوائے شرمندگی کے اور کون سی حالت ظاہر ہو گی؟ البتہ تمام یہ مثالیں معمولی اور کم اہمیت ہیں۔ مولانا روم کے مطابق ہے "خاک بر فرق من و تمثیل من"، بہر حال لطف خدا تعریف و توصیف سے کہیں بالاتر ہے وہ ہمارے کام کی جزا دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها"[1] وہ ہمارے تھوڑے کام کو بھی قبول کرتا ہے "فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره"[2] وہ ناقص و معیوب عمل کو بھی قبول کرتا ہے، دعا میں ہم پڑھتے ہیں "الٰهی إن کان فیها خلل او نقص من رکوعها او سجودها فلا تواخذنی وتفضّل علیّ بالقبول والغفران"[3] خدایا میں نے جو نماز ادا کی اگر اس کے رکوع و سجود میں کوئی نقص و عیب ہے تو اس کو نظر انداز کر کے میری نماز کو قبول فرما اور مجھ کو مورد لطف و مغفرت قرار دے۔

---

[1] ۔ انعام/۱۶۰ [2] ۔ زلزال/۷

[3] ۔ صفحہ تعقیبات مشترکہ نماز جو مفاتیح الجنان میں موجود ہے۔

وہ ہمارے اچھے کام کو دوسروں پر ظاہر فرماتا ہے لیکن ہمارے بُرے کاموں کو چھپاتا ہے:

" یامن اظہر الجمیل و ستر القبیح "[1]

بہشت کے درجات

قرآن میں بہشت کے بارے میں " جنات عدن "[2] اور " جنّات الفردوس "[3] جیسے لفظ استعمال ہوئے ہیں لفظ "عدن" استقرار اور ٹھہرنے کے معنی میں ہے۔ معدن یعنی وہ جگہ جہاں جواہرات موجود ہوں[4] اور " فردوس " یعنی ایسے مثالی باغوں کا مجموعہ جس میں تمام باغوں کی خوبیاں موجود ہوں۔ حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ لکلّ شیءٍ ذروۃ و ذروۃ الجنۃ الفردوس[5] ہر چیز کی ایک چوٹی اور بلندی ہے اور بہشت کی چوٹی اور بلندی فردوس ہے۔

روایت میں وارد ہوا ہے کہ اگر آپ خدا سے کسی چیز کو طلب کریں تو فردوس کی آرزو کریں کیونکہ فردوس بہشت کے درمیان اور اس کے بلند ترین نقطے پر واقع ہے اور بہشت کی تمام نہریں اسی سے جاری ہوتی ہیں[6]۔ روایت میں نقل ہوا ہے کہ جو لوگ خداوند عالم کی خاطر اور راہ خدا میں ایک دوسرے کو دوست رکھیں یا ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جائیں تو انھیں ستر ہزار کی تعداد میں مخصوص محل عطا کئے جائیں گے[7]

---

[1] ۔ دعائے ماہ رجب کا ایک جملہ

[2] ۔ قرآن میں ۱۱ مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ سبھی بہشت کے متعلق ہیں۔

[3] ۔ کہف / ۱۰۷ — [5][6] ۔ المیزان ج ۱۳ ص ۴۳۳

[4] ۔ مفردات راغب — [7] ۔ بحار / ج ۸ ص ۱۳۲

بعض دوسری روایات میں سحر میں بیدار ہونے والوں اوران لوگوں کے لئے جنھوں نے زندگی میں سختیاں برداشت کی ہیں ، ماہ رجب میں روزہ رکھنے والوں کے لئے عادل رہبروں کے لئے، کھانا کھلانے والوں کے لئے اوران لوگوں کے لئے جن کی زبان طنز اور بدزبانی کی آلودگی سے پاک وصاف ہواور وہ لوگ جونقصان اٹھاکر حق کو قبول کرنے والے ہوں اور ایثار وصلۂ رحم اور سلام کرنے والے ہوں ۔ یا وہ لوگ جو اپنے بیوی بچوں کی ضروریات زندگی کی خاطر مشکلات برداشت کرتے ہیں ان سب کے لئے خصوصی محل باغات و درجات مدنظر رکھے گئے ہیں[۱] ۔اور قرآن کریم کے مطابق " لکلٍ درجاتٌ مماعملوا[۲] "

بہشت کی کلید

ا۔ صبر

اگرچہ قرآن نے صاحبان عقل کی مدح میں کئی کمالات کو نقل کیا ہے لیکن آخر میں فرمایا " سلام علیکم بماصبرتم،، فرشتے ہر طرف سے اہل بہشت کے پاس آئیں گے اور انھیں دنیا میں عبادتوں کی انجام دہی میں سعی کرنے اور راہ حق میں آنے والی مشکلوں کے تحمل پر سلام کہیں گے۔[۱]

آخر سورۂ فرقان میں خدا کے نیک بندوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: اولئک یجزون الغرفة بماصبروا[۲] " یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کی بنا پر جنت کے بالاخانے عطا کئے جائیں گے ۔

دوسری جگہ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ حسینؑ اور فضہ کے بارے میں ہے[۳] ۔ کہ انھوں نے

۱۔ رعد/ ۱۹۔۲۲ ۲۔ فرقان/ ۷۵ ۳۔ صافی/ ج ۲ ص ۷۷۵

پے درپے تین[۳] دن مسکین، یتیم، اسیر کو اپنا کھانا دے دیا اور پانی سے افطار کیا اس ایثار کی جزا قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ "وجزاھم بما صبروا جنۃ و حریراً"[۱]

صبر وسعی اگر انسان میں ہو تو وہ تقویٰ، ایمان اور عمل صالح انجام دینے میں کامیاب رہتا ہے اس لئے کہ حدیث کی رو سے صبر بمنزلہ سر کے ہے اگر یہ نہ ہو تو ایمان متزلزل اور عمل صالح بے دوام ہو جائے گا۔ لہٰذا ایمان و عمل اور تقویٰ سے پہلے صبر کو جو پہلا عامل قرار دیا گیا ہے یہ غلط نہیں ہے۔

۲۔ ایمان و عمل صالح

بہت سی آیتوں میں ہے کہ بہشت ان لوگوں کی جزا ہے جو خدا پر ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیئے[۲]

۳۔ تقویٰ

قرآن مجید میں ہے "انّ المتقین فی جنٰتٍ و عیون"[۳]، متقی ہی بہشت کے باغات اور اس کے چشموں سے بہرہ مند ہوں گے۔

۴۔ خدا اور رسولؐ کی اطاعت

"ومن یطع اللہ و رسولہ یدخلہ جنٰتٍ تجری من تحتھا الانھار"[۴]

جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا خدا اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی سورہ بینہ کی آخری آیت میں بہشت کے ذکر کے بعد اس کے مستحق کا بھی ذکر ہوا ہے "ذالک لمن خشی ربّہ" یہ بہشت ان افراد کے لئے ہے جن کے دل میں خوف خدا ہے۔

۱۔ دھر/۱۲ ۲۔ بقرہ/۲۵، نساء/۵۷، ابراہیم/۲۳، حج/۱۴، کہف/۱۰۷، ۳۔ حجر/۴۵

۴۔ نساء/۱۳

ہجرت وجہاد

"فالّذین هاجروا واخرجوا من دیارهم واوذوا فی
سبیلی وقاتلوا الاکفرن عنهم سیأتهم ولادخلنّهم جنات
تجری من تحت الانهار"

جن لوگوں نے ہجرت کی، اپنے وطن سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جہاد کیا اور قتل ہوگئے تو میں ان کی برائیوں کی پردہ پوشی کروں گا اور انھیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

۶۔ قلب سلیم

"یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم"[۲]

جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا اور صرف قلب سلیم نجات کا وسیلہ ہوگا، اس قلب سلیم و روح پاک سے آشنائی کے لئے ضروری ہے کہ روح کی بیماری کے سراغ میں جائیے اس لئے کہ قرآن منافقوں شہوت پرستوں اور بہانہ گروں کے بارے میں قلب سلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے کہتا ہے

"فی قلوبهم مرض" ان کے قلب بیمار ہیں۔

وہ روح جو خدا کے علاوہ دوسروں پر تکیہ کرتی ہے اور کینہ قساوت خود خواہی، حسد شک اور شرک کو جگہ دیتی ہے، وہ سالم نہیں ہے جو لوگ بہشت کے خواہاں ہیں انھیں چاہئے کہ اپنی خواہشات سے جنگ کریں اپنی روح کو تمام آلودگیوں سے دور رکھیں اور اپنے کردار کو بلند کریں،

۱۔ آل عمران/۱۹۵ ۲۔ شعراء/۸۹

اکثر لوگ ان میں سے بعض امراض میں مبتلا ہیں لیکن قرآن ان کا یوں علاج کرتا ہے " وجاء بقلب منیب"
بہشت ان لوگوں کے لئے ہے جو توبہ کرنے والے ہیں، توبہ بہشت سے نزدیک ہونے کا عامل ہے اس لحاظ
سے بہشت کا عامل قلب و روح سالم ہے یا وہ قلب و روح کہ جو منحرف ہو جانے کے بعد توبہ کرے۔

۷۔ تربیت اولاد

سورہ طور میں ہے کہ بہشت میں ایک دوسرے سے وہاں پہنچنے کی علت پوچھیں گے،
" واقبل بعضھم علی بعض یتسائلون[۲] " وہ جواب میں کہیں گے ہم اولاد پر پوری توجہ دیتے تھے
ہم کو ڈر تھا کہ ان میں کہیں انحراف اور فکری و عملی کج روی نہ پیدا ہو جائے لہذا احسن اخلاق موعظہ و نصیحت اور
پوری توجہ سے ان کی تربیت کی " قالوا انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین[۳] "

جو عمر جہاد میں بسر ہو

پیغمبر اسلام[۴] نے فرمایا اگر انسان کی زندگی کے آخری لمحات راہ خدا میں جہاد کرتے گزریں تو وہ
اہل بہشت میں سے ہیں۔ " من ختم لہ بجھاد فی سبیل اللہ ولو قدر فواق ناقۃ دخل
الجنۃ "[۴] جس نے زندگی کی آخری لمحات کو راہ خدا میں شیر شتر کے دوہنے کی موت کے برابر بھی جہاد
میں صرف کیا ہوگا وہ داخل بہشت ہوگا۔

قارئین محترم! ایک بار پھر دوزخ اور بہشت سے متعلق حصوں کا مطالعہ کریں۔
اور یہ جان لیں کہ بہشت میں جانا بہت مشکل نہیں ہے اس لئے کہ بہشت کے دروازے بھی زیادہ ہیں

۱۔ ق/۳۳
۲۔ سورہ طور/۲۶ تفسیر المیزان ج ۱۹ ص ۱۳   ۳۔ طور/۲۶ تفسیر المیزان ج ۱۹ ص ۱۳
۴۔ مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۴۲ (نقل از میزان الحکمہ)

خدا کا لطف بھی اس کے غضب پر مقدم ہے اور راہ توبہ بھی باز ہے، زندگی کا کچھ حصہ گزر چکا ہے اور جو حصہ بچا ہے اس کی حیثیت چند لقمہ روٹی چند لیٹر پانی اور تھوڑی سی آمد و رفت سے زیادہ نہیں ہے اگر گزری ہوئی زندگی پر نظر کریں تو وہ ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ اور باقی عمر بھی بہت جلد گزر جائے گی۔ یہ دو سیاہ و سفید چوہے (شب و روز) مسلسل زندگی کی طناب کو کتر رہے ہیں اور دیر یا سویر وہ باقی طناب بھی کتر دیں گے اور ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اس کے بعد ہم قعر دوزخ میں چلے جائیں گے یا بہشت میں۔

دنیا کی مدت مختصر ہے وہ زود گزر ہے، وہ امانت ہے، بے وفا ہے اس کی کامیابی کی لذت اس کے فراق کی تلخی سے سازگار نہیں ہے، اس کی ایک منٹ کی ہنسی گھنٹوں کے گریہ سے مخلوط ہے کوئی بھی موت سے انکار نہیں کرتا، ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی نے ایک قبر کی طرف نگاہ کی کہ لوگ ایک میت کو سپرد خاک کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: دنیا کہ جس کا انجام یہ ہے کتنا اچھا ہوتا انسان پہلے ہی سے اس سے دل نہ لگاتا اور قیامت کہ جس کی ابتدا قبر ہے کتنا اچھا ہوتا کہ انسان اس کی فکر میں رہتا

حضرت علیؑ با آواز بلند فرماتے تھے کہاں ہیں بادشاہ اور ستمگر؟

قرآن بارہا متنبہ کرتا ہے کہ کیا ہم نے تم سے پہلے کے لوگوں اور قبیلے والوں کو ہلاک نہیں کیا ہم کتنا ہی مال دنیا میں جمع کر لیں قارون سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور جتنی طاقت جمع کر لیں فرعون سے زیادہ نہیں ہو سکتی سبھی یہاں گئے ہیں اور ہم ہر سکنڈ موت سے ایک قدم نزدیک ہوتے جا رہے ہیں حدیث میں ہے کہ تعجب ہے اس بہشت پر جس کے امیدوار سو رہے ہیں اور اس دوزخ پر جس سے بھاگنے والے اس سے غافل ہیں"

بہرحال اولیائے خدا قیامت سے باخبر تھے اور قرآن نے بھی اس کی خبر دی ہے اور بارہا اس بات کی دعوت دی ہے آیا کوئی ہے کہ جو ہوش میں آئے، دنیا منصب و خواہشات اسے مست نہ کریں؟

تھوڑا غور کریں کیوں کہ قرآن میں ایک ہزار سے زیادہ آیتیں قیامت سے متعلق ہیں کیوں حضرت علیؑ کے اکثر خطبوں میں تقوی کی تاکید ہوئی ہے کیوں قبولیت عمل کا معیار تقوا ہے

غیر متقی افراد کے اعمال کیوں قبول نہ ہوں گے؟ کیوں ہر روز نماز میں "مالک یوم الدین" کہیں؟ ہر روز سوتے اور بیدار ہوتے ہیں ہر درخت موسم بہار میں سبز اور خزاں میں خشک ہوتا ہے، ہر روز اپنے ہاتھوں اپنے دوست کو سپرد خاک کرتے ہیں اور اس کے مال پر دوسرے تصرف کر لیتے ہیں کیا یہ ساری نشانیاں ہماری توجہ کے لئے کافی نہیں ہیں؟ اگر ہم ائمہ معصومین[ع] کی دعائیں اور مناجاتیں دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے قیامت کے مسئلہ پر کتنی توجہ دی ہے البتہ تھوڑی فکر کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے کہ قیامت کی یاد تعمیری کردار ادا کرتی ہے تمام برائیوں کی جڑ قیامت کو فراموش کر دینا ہے قرآن کریم گمراہی اور شدید عذاب کی علت قیامت کی فراموشی کو بتاتا ہے "...بما نسوا یوم الحساب"[1] انھوں نے روز حساب کو یکسر نظر انداز کر دیا پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا! جو چیزیں قیامت کے بارے میں جانتا ہوں اگر تم بھی اس سے باخبر ہوتے تو بہت گریہ کرتے تمھاری ہنسی کم ہو جاتی اور پہاڑوں پہ جا کر گریہ و زاری میں مشغول ہو جاتے۔ ہم میں کمی یہی ہے کہ ہم قیامت کا علم رکھتے ہیں مگر اس پر یقین نہیں رکھتے ایک مقروض جب گھر آ کر اپنے رشتہ داروں سے اپنے قرض کے متعلق بیان کرتا ہے تو وہ اس کو جانتے تو ہیں لیکن ادھر انھوں نے رات کا کھانا کھایا اور بستر پر گئے ساری چیزیں محو ہو گئیں سوائے مقروض کے جو اسی فکر میں ہے جی ہاں! بیوی بچہ بھی جانتے ہیں کہ باپ مقروض ہے لیکن قرض اور اس کی رسوائی کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے آرام سے سو جاتے ہیں مگر صبح تک باپ فکر میں ڈوبا رہتا ہے کہ ما مورین آئیں گے اور اس کی عزت خاک میں مل جائے گی اگر ہم قیامت سے متعلق قرآن کی کہی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں تو کم از کم تھوڑی دیر تو غور کریں۔

قرآن کہتا ہے کہ تمھارے نامۂ اعمال سب کے سامنے کھولے جائیں گے پیغمبر اسلامؐ تمھاری شکایت کریں گے تمھارے اعمال مجسم حساب دقیق راہ باریک چہرے بگڑے ہوئے راہ نجات بند اور راز کھل

---

[1] ص/۲۶

جائیں گے ہم پھر کہہ رہے ہیں کہ قیامت سے متعلق ایک ہزار سے زیادہ آیتیں ایک بڑے خطرے کی نشاندہی کر رہی ہیں کوئی ایسا راستہ ہے جس میں ہزاروں خطروں کی پیٹیں لگی ہوں اور ڈرائیور نشہ میں اور باتوں میں مشغول ہو اور ان ساری تنبیہوں سے لاپروا ہو؟ ائمہ معصومین کیوں نماز میں اس قدر "مالک یوم الدین" کی تکرار کرتے تھے کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی تھی کیوں حضرت علیؑ دعائے کمیل میں اور امام زین العابدینؑ اپنی مناجاتوں میں گریہ کرتے ہیں کیوں امام حسینؑ مقام عرفات میں روز عرفہ اس قدر اشک بہاتے ہیں کہ اس ریگستان کی زمین تر ہو جاتی ہے آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن پیغمبر اسلامؐ اور ائمہؑ اس قدر گریہ و زاری کر رہے ہیں؟!!

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا اگر تم جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا تو لذت کے ساتھ کھانا نہ کھاتے لیکن تھوڑی سی توجہ، تقویٰ اور خدا کی بندگی ساری مشکلوں کو دور کر دیتی ہے اور موت پھول کی خوشبو کے مانند ہو جاتی ہے اور اس موت کے بعد سب سے پہلے لطف خدا اور اولیائے خدا سے ملاقات ہوتی ہے روز قیامت امن و خوشی اور بہشت جاوداں کا دن ہے۔

بہشت سے محروم رہنے والے

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: کفار و مشرکین اسی وقت بہشت میں جا سکتے ہیں جب اونٹ سوئی کے سوراخ سے گزر جائے یعنی یہ دونوں ہرگز بہشت میں نہیں جا سکتے اس لئے کہ اونٹ سوئی کے سوراخ سے نہیں گزر سکتا "لایدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط"۔[۱]

ان دونوں کے علاوہ روایات میں دیگر افراد کا بھی ذکر ہے جو بہشت میں نہیں جا سکتے، مثلاً چغل خور، دائمی شراب خوار، بے غیرت، غیبت کرنے والا، احسان جتانے والا، بخیل، قاطع رحم، بوڑھا زناکار، تند خو اور بد اخلاق، پیٹو، ستمگر اور جو لوگوں کا حق نہ دے جو خدا اور اولیا خدا کی بات کو رد کر دے اور وہ سیاسی افراد جو لوگوں کو دھوکہ دیں۔[۲]

[۱] اعراف ۴۰
[۲] میزان الحکمہ

مسئلہ ابدیت

کسی چیز کی نابودی خرابی اور ہاتھ سے چلے جانے کا احساس شیرینی کو تلخی میں بدل دیتا ہے مثال کے طور پر بینک میں کام کرنے والا کہ جس کے ہاتھ میں ہزاروں روپیہ ہوتا ہے مگر وہ اس سے خوشحال نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ روپیہ اس کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ دنیا کی بھی ساری لذتیں ختم ہو جانے والی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ماعندکم ینفد وما عنداللہ باقٍ" [1] جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ سب ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔ واقعاً جدائی کا تصور قربت کی لذت کو ختم کر دیتا ہے بہشت کی لذت ابدی ہے قرآن نے سارے اہل بہشت اور اکثر دوزخیوں کے بارے میں مسئلہ خلود اور ابدی نعمتوں اور عذاب کا اعلان کیا ہے۔

اس سے متعلق چند باتیں

نعمتوں کا ابدی ہونا خدا کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے کیونکہ اس کے لطف کی کوئی انتہا نہیں ہے لہٰذا وہ مومنین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے الطاف میں شامل قرار دے سکتا ہے یہاں صرف ایک شبہ کو

---

[1] ۔ نحل/۹۶

نقل کر کے اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد ابدی عذاب کے سلسلہ میں کچھ بیان کرونگا سورہ ہود میں اہل بہشت اور اہل جہنم دونوں کے بارے میں خالدین فیہا کے بعد "ما دامت السموات والارض" آیا ہے یعنی جب تک زمین و آسمان ہے بہشت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا سلسلہ ہے تو کیا زمین و آسمان قیامت دنیا کے زمین و آسمان مختلف ہیں کیونکہ بہت ساری روایتوں کے مطابق قیامت میں زمین کو زلزلہ آئے گا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی ستارے ادھر ادھر بکھر جائیں گے اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن قیامت میں آسمان و زمین دوسرا ہوگا۔ اور وہاں کا نظام دوسرا ہوگا وہاں نہ تغیر و تبدیل نہ گرمی و سردی اور نہ ہی درہم و برہم ہونے کا مسئلہ درپیش ہوگا اسی وجہ سے قرآن نے جو کہا ہے کہ جب تک زمین و آسمان ہے جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں گے اس سے مراد ابدیت اور ہمیشگی ہے اس بات کو قرآن کہتا ہے "عطاء غیر مجذوذ"[1] زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی نعمتیں خدا کی وہ عطا ہیں جو ختم ہونے والی نہیں ہیں۔

سب سے زیادہ مورد بحث مسئلہ عذاب کا دائمی ہونا ہے کہ ایک شخص چند سال کی گناہ کرنے کی وجہ سے کیوں ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ ؟!!

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ خلود سے مراد دوام نہیں ہے بلکہ مدت کا طویل ہونا ہے لیکن یہ بات قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ بعض جگہوں پر لفظ "خلود" کے بعد لفظ "ابد" بھی آیا ہے[2]؟

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک دوزخ ہے یہ گناہگار اس میں رہیں گے لیکن ایک دن آتش دوزخ خاموش ہو جائے گی مثال کے طور پر لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کو عمر قید کی سزا ہے یعنی جب تک سانس ہے اس وقت تک قید کی سزا ہے لیکن ایک دن تو اس کی زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

---

[1] ۔ ہود/۱۰۸ [2] ۔ جن/۲۳، طلاق/۱۱ تغابن/۹

یہ بات بھی قرآن کی دوسری آیات سے سازگار نہیں ہے کیونکہ ارشاد ہے : کلما خبت زدنا ھم سعیرا[۱] "
جب جہنم کی آگ بجھنے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے اور جب ایک کھال جل جائے گی تو دوسری
بدل دیں گے۔[۲]

لوگ نہ جانے کیوں اس طرح کے سوالات کرتے ہیں کیا اس دنیا میں ایک منٹ کے گناہ کی
سزا سالوں سال نہیں پاتے ہیں ایک شخص ایک لحظہ میں چاقو سے اپنی آنکھ پھوڑ لیتا ہے تو کیا آخر عمر
تک سختی اور اندھے پن کی زندگی نہیں گزارتا ایک ڈرائیور ایک لحظہ کی غفلت سے نہ جانے کتنے مسافروں
کو ہاتھ پیر سے معذور کر دیتا ہے اسی طرح ہر ملک میں ایسے قیدی بھی ہیں جن کو عمر قید کی سزا ملی ہے
حالانکہ ان کا جرم، سازش یا غلط ارادہ تھوڑی دیر کے لئے تھا۔

عمل کا مجسم ہونا

عمل کا مجسم ہونا خلود اور ابدیت کے سوال کا بہترین جواب ہے۔ اس جگہ ہم عدل الہٰی سے شہید مطہری کے
بیان کو مختصر مگر کچھ توضیح سے بیان کرتے ہیں۔

شہید مطہری فرماتے ہیں کہ سزا کبھی اعتباری ہوتی ہے جو کمی زیادتی کے قابل ہوتی ہے اور
کبھی طبیعی اور عینی ہوتی ہے کہ جس میں کوئی تخفیف و تغیر نہیں ہوتا جیسے شرابی کی سزا معین ہے جس کو
کوئی سفارش التماس کم نہیں کر سکتی، اس کی توضیح کے لئے ایک مثال دیتا ہوں مثلاً آپ خمیر کئے ہوئے
آٹے میں زیادہ نمک ملا دیں اور اسے نانبائی کو دے دیں نانبائی تھوڑی دیر میں آپ کو تنور سے
روٹی دیدے گا۔ جب آپ اس روٹی کو کھائیں گے تو پیاس کی زیادتی کی وجہ سے پانی زیادہ پئیں گے
جس کے نتیجہ میں درد سر اور سستی پیدا ہوگی۔ اس مثال میں نمک والی روٹی وہی نمک آمیز خمیر ہے لیکن صرف

ایک لحظہ میں نمک ملانے کی وجہ سے مدتوں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس تکلیف میں کسی طرح کی کمی زیادتی ممکن نہیں قیامت میں جو شفاعت، توبہ اور عفو سے دور ہوں گے ان کی تجسم یافتہ اعمال خود ان کے لئے عذاب کا سبب ہوں گے اور یہ دائمی عذاب خود ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

بعض ایسے گناہ ہیں جن کی سزا ابدی عذاب کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتی جیسے کسی بدعت کے ذریعہ لوگوں یا نسلوں کو منحرف کیا ہو، جو رشد و ترقی اور دوسروں کو حق قبول کرنے میں رکاوٹ ہو، جو رہبران حق کے مقابل آئے یا جنھوں نے ان کو خانہ نشین کیا اور ان کی صدائے حق کو دبا دیا اور لوگوں کے اموال کو لوٹا اور بہترین لیاقت و صلاحیت و اموال کو ضائع کیا ان کا گناہ نہ تو چھوٹا ہے نہ ہی اس کا سلسلہ منقطع ہونے والا ہے ہم کو چاہیے کہ جرم کے آثار و نتائج کو دیکھیں تجسم اعمال کے سلسلہ میں جو مثال ہم پیش کر چکے ہیں اس پر دوبارہ توجہ کریں فرض کریں کوئی شخص ایک عظیم الشان جشن میں بجلی کاٹ کر فرار ہو جاتا ہے اس بجلی کے کاٹنے میں صرف ایک سکنڈ لگا ہے لیکن جب ہم اس کے برے نتائج کے سراغ میں جائیں گے تو دیکھیں گے

۱۔ نہ جانے کتنے افراد (تاریکی کی وجہ سے) سیڑھیوں سے گر پڑے۔

۲۔ سگریٹ کی چنگاری نے کتنے قالینوں کو جلا دیا۔

۳۔ جوتے اور لباس چوری ہوئے۔

۴۔ اس تاریکی میں کتنوں کی جیبیں کٹیں۔

۵۔ کھانے پینے کی چیزیں برباد ہو گئیں۔

اگر ہم اس بجلی کاٹنے والے کو پکڑ کر دادگاہ میں لے جائیں تو وہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ میں نے ایک منٹ بجلی کاٹنے میں لگایا لہذا میری سزا ایک منٹ کی ہونی چاہیے کیونکہ اس کے ایک منٹ کے جرم نے نہ جانے کتنے کا خسارہ کر دیا۔

اگر یہود و نصاریٰ کے علماء پیغمبر اسلام کو اپنے فرزند کی طرح نہ پہچانتے ہوتے تو حق نہیں چھپاتے اور اعلانیہ طور پر یہودیوں اور عیسائیوں میں اعلان کرتے کہ توریت و انجیل میں جس پیغمبر کی آمد کا ہم سے

وعدہ کیا گیا ہے وہ یہی محمدؐ ہیں اس طرح وہ ان کے ایمان میں حائل نہیں ہوتے اور آج لاکھوں افراد بنام یہود و نصاریٰ گمراہ نہ ہوتے، جی ہاں ابھی ایک دقیقہ کا سکوت نسلوں کو صدیوں تک گمراہ کر دیتا ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ گناہ کو وقت کے لحاظ سے نہ دیکھیں بلکہ اس کے نقوش و آثار تاریخ اور نسلوں میں دیکھیں، سچ بتایئے آپ بچھو کے ایک مرتبہ ڈنک مارنے سے اسے کیوں مار ڈالتے ہیں اس کا آپ یہی جواب دیں گے کہ اگر اسے چھوڑ دیں تو وہ جب تک رہے گا ڈنک مارتا رہے گا اسی طرح ظالم کے لئے حدیث میں ہے کہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا کیونکہ وہ مثل بچھو کے ہے کہ اگر اسے مہلت ملے تو وہ جنایت کرتا رہے گا۔ اور ہمیشہ لوگوں کے لئے دردسر بنا رہے گا! اسی زمانہ میں جبکہ میں ان سطروں کو لکھ رہا ہوں عراق کی صیہونی اور کافر پارٹی بعث کے صدر صدام نے جمہوری اسلامی ایران پر حملہ کیا اور ایک حصہ پر قبضہ کر لیا چند سال کی جدوجہد کے بعد ایران کے نوجوانوں نے مقبوضہ علاقہ کو آزاد کرایا اور عراقیوں کو اس سرزمین سے دور کیا پھر صدام نے اپنی سرزمین سے میزائیلی حملہ شروع کر دیا لیکن مجاہدین اسلام اپنی شجاعت کے بل بوتے پر جب عراق کی سرزمین میں داخل ہونا شروع ہوئے تو صدام نے صلح کا مطالبہ کیا اس وقت بانیؒ جمہوری اسلامی ایران حضرت امام خمینی نے فرمایا: صدام اور اس کی کافر پارٹی کا سرزمین عراق سے خاتمہ ہو جانا چاہئے اس لئے کہ اگر اسے تھوڑی مہلت ملی تو وہ دوبارہ حملہ کرے گا۔ واقعاً جو شخص بھیڑیا سے زیادہ درندہ چوہے سے زیادہ چور لومڑی سے زیادہ حیلہ باز اور جس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہو اس کی سزا سوائے دائمی عذاب کے کچھ بھی نہیں ہے اور چونکہ یہ باتیں اس کی ذات کا جزء ہو گئیں ہیں لہٰذا یہی قیامت میں مجسم ہوں گی اور اس سے جدا نہیں ہوں گی۔

دو نکتہ

۱۔ خلود و ابدیت سارے بہشتیوں کے لئے ہے لیکن یہ سارے جہنمیوں کے لئے نہیں ہے

اس لئے کہ بعض گروہوں کو ایک مدت کے عذاب کے بعد بخش دیا جائے یا بعض مفسرین کے قول کے مطابق "الا ما شاء ربک"[1] میں استثناء اس لئے ہے کہ بعض اہل بہشت وہ ہوں گے جو ایک مدت کے بعد معاف کر دیئے جائیں گے اور داخل بہشت ہوں گے اسی طرح بعض جہنمی ہوں گے جنہیں ایک مدت کے بعد جہنم سے نکال کر داخل بہشت کیا جائے گا۔ پس اہل بہشت و جہنم دونوں کے لئے استثناء اور خلود کی نفی کی گئی ہے۔

۲۔ خلود کے یہ معنی نہیں ہے کہ خدا مومنوں کو بہشت سے نہیں نکال سکتا کیونکہ الا ما شاء ربک کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ مرضی خدا پر موقوف ہے خلود و دوام کے بعد خدا کے قہر یا لطف کا ذکر آیا ہے حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن چونکہ اس نے وعدہ کیا ہے کہ ہم بہشتیوں کو ہمیشہ بہشت میں رکھیں گے لہٰذا وہ اپنے وعدہ پر عمل کرتا ہے۔ قرآن میں خدا نے بھی وہ بہت ساری چیزوں کے انجام نہ دینے پر بعض کاموں کو خود پر واجب کیا جبکہ لیکن وہ صرف اپنی حکمت و عدالت یا کئے ہوئے وعدہ کی وجہ سے انھیں انجام دیتا ہے منجملہ ان کے

۱۔ اس نے لوگوں کی ہدایت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے "إنّ علينا للهدیٰ"[2]
۲۔ لطف و رحمت کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے "کتب علیٰ نفسه الرّحمة"[3]
۳۔ اپنی حکمت کے مطابق رزق دینے کا وعدہ کیا ہے "علی الله رزقها"[4]
۴۔ اس نے قرآن کو تحریف سے بچانا اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے "وانا له لحافظون"[5]
۵۔ مومنوں کی نصرت کو اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے: "حقاً علینا نصر المومنین"[6]

۱۔ سورہ ہود / ۱۰۷ و ۱۰۸ ۲۔ سورۃ اللیل / ۱۲
۳۔ انعام / ۱۲ ۴۔ ہود / ۶
۵۔ حجر / ۹ ۶۔ روم / ۴۷

اس طرح ان آیتوں میں خدا نے بعض وظائف و حقوق کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے اور اس کا وعدہ کیا لیکن اس کی قدرت محدود نہیں ہے باوجود یکہ وہ ان کی خلاف ورزی کر سکتا ہے اس کے باوجود اپنے کئے ہوئے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

آخری چند دعائیں

پروردگار ہماری عمر کو اپنی راہ میں فدا کرنے کی توفیق عطا فرما اور اس کا انجام اپنے دین کے احیاء کے لئے شہادت پر ہو۔

پروردگار تو ہم کو اپنی راہ کی شناخت اور اس پر عمل اور اس کی طرف دعوت دینے کی توفیق عطا فرما۔

پروردگار دنیا و آخرت میں اپنے الطاف میں ہم کو شامل کر۔

پروردگار جس دن نامۂ اعمال کھولے جائیں گے اس دن ہمیں شرمندہ نہ کرنا۔

پروردگار موت کا پہلا دن ہمارے لئے خوشی ہو اور قیامت کا دن ہماری سرفرازی کا دن ہو۔

پروردگار تو نے جو کچھ مجھے دیا اس میں برکت عطا فرما۔

پروردگار ہمیں معاد و قیامت سے غفلت کرنے والوں میں قرار نہ دینا۔

پروردگار دنیا کے ہر خیر میں ہمیں شریک قرار دینا۔

پروردگار قلب امام زمانہ عجؔ کو ہم سے ہمیشہ راضی رکھ اور ہماری نسل کو اسلام کے بہترین جانثاروں میں قرار دے، ہماری روزی کو حلال، زرمندگان اسلام کو فتحیاب، جمہوری اسلامی کے خدمتگذاروں کو کامیاب و کامراں فرما، ساری سازشوں کو ناکام اور ستمگروں کو نابود کردے۔